خمخانۂ جاوید

(جلد ششم)

سلسلۂ مطبوعات : ۱۵۷

طبع اول : جون ۱۹۹۰ء
تعداد : ایک ہزار
قیمت : مجلد : ۱۲۵ روپے
غیر مجلد : ۱۰۵ روپے
فنی تدوین : عطش درانی
طابع : سید اظہار الحسن رضوی
مطبع : اظہار سنز پرنٹرز
۹ ریٹی گن روڈ ، لاہور
ناشر : ڈاکٹر جمیل جالبی
(صدر نشین)
مقتدرہ قومی زبان ، ۱۶ ڈی (غربی)
ایف ۱/۹ ، بلیو ایریا، اسلام آباد ۔

خمخانۂ جاوید

(جلد ششم)

مُرتبہ

خورشید احمد خان یوسفی

مقتدرہ قومی زبان ۰ اسلام آباد

۱۹۹۰ء

پیش لفظ

اردو تذکرے ، اردو زبان کے ارتقائی عمل کا حصہ ہیں اور اردو زبان کی ترقی میں خاص اہمیت رکھتے ہیں ۔ یہ محض شعراء کے کلام کے ذوق اور فنی انتخاب کا نام ہی نہیں بلکہ زبان کے حوالے سے تخلیقی عمل کی معیار بندی کا فریضہ بھی ادا کرتے ہیں ۔ تذکرہ نگاروں کے ہاں ایک مخصوص تنقیدی نظام ملتا ہے جس میں مشرق کے طرز فکر کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے ۔ میر تقی میر کے تذکرے "نکات الشعراء" سے مولانا محمد حسین آزاد کی تصنیف "آب حیات" تک تذکرہ نگاری کا فن سوا سو سال کو محیط ہے ۔ اس عرصے میں یوں تو اردو شعراء کے متعدد تذکرے لکھے گئے جو مخطوطات کی صورت میں برصغیر کے کتب خانوں میں بکھرے ہوئے ہیں لیکن ان میں سے اب تک کم و بیش سو کے قریب ہی شائع ہو سکے ہیں ۔ ان تذکروں میں "خمخانۂ جاوید" اس لیے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس تذکرے میں اس سے پہلے کے تمام ادبی اور تحقیقی سرمائے کو یکجا کر دیا گیا ہے ۔

"خمخانۂ جاوید" کی تصنیف کا آغاز ۱۸۹۱ء کے قریب ہوا ۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۰۸ء میں ، دوسری ۱۹۱۱ء میں ، تیسری ۱۹۱۷ء اور چوتھی ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی ۔ پانچویں جلد زیر تدوین تھی کہ موصوف ۱۹۳۰ء میں انتقال کر گئے ۔ ان کی وفات کے بعد ، انھی کے ایما اور خواہش کے مطابق ، پنڈت برج موہن دتا تریا کیفی نے اس کام کو جاری رکھا ۔ پنڈت کیفی پورے منصوبے میں لالہ سری رام کے معاون تھے ۔ چنانچہ کیفی صاحب نے تذکرۂ مذکور کی پانچویں جلد اپنی ترتیب و تدوین کے ساتھ ۱۹۴۰ء میں شائع کی ۔ اس جلد کی اشاعت کے بعد یہ بات واضح

ہوتی کہ تذکرہ ہنوز نامکمل ہے کیونکہ جلد پنجم حرف تہجی "ع" پر ختم ہو جاتی ہے اور "ع" بھی ادھورا ہے۔ اس طرح پانچویں جلد کے ساتھ خمخانۂ جاوید کی اشاعت کا سلسلہ رک گیا لیکن محققین لالہ سری رام کے جمع کردہ باقی مواد کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ اتفاق سے اردو کے محقق جناب مشفق خواجہ کو اس مواد کا کچھ حصہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے کے ذخیرۂ کیفی میں نظر آیا جس کی نشاندہی انھوں نے جناب خورشید احمد خاں سے کی۔ خورشید احمد صاحب نے کام شروع کیا تو انکشاف ہوا کہ پانچویں جلد حرف "ع" کی جدول تک پہنچی تھی جب کہ دستیاب مواد حرف "ف" سے شروع ہوتا ہے مگر "ق" اور "م" کے شعرا غائب ہیں۔ اس طرح گویا ع کے باقی ماندہ غ ق اور م کے شعرا سے متعلق مواد تا حال پردۂ اخفا میں ہے۔ پنڈت کیفی نے یہ مواد اپنے ذاتی ذخیرۂ کتب کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو دے دیا تھا۔

جناب خورشید احمد خاں نے اس اہم ادبی سرمائے کو زیر نظر جلد میں مفید حواشی اور مقدمے کے ساتھ مرتب کرکے اسے جلد ششم کا نام دیا ہے۔ یہ نام اس لیے عارضی ہے کہ اگر تذکرے کے مواد کی درمیانی کڑیاں مل گئیں تو وہ جلد ششم اور زیر نظر جلد ہفتم ہو جائے گی۔

قومی زبان کے سلسلے میں کتب حوالہ اور بنیادی مآخذ کی اشاعت مقتدرہ قومی زبان کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔ خمخانۂ جاوید کی زیر نظر اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جلد ششم کی اشاعت کے بعد نہ صرف یہ کہ اس اہم مآخذ کا ایک گمشدہ حصہ دستیاب ہو گیا ہے، بلکہ اردو زبان کے محققین، اساتذہ، طلبہ اور شائقین کی دیرینہ خواہش کی تکمیل بھی ہو گئی ہے۔

—— ڈاکٹر جمیل جالبی

فہرست

عرضِ مرتب ۳۷

عکسی نقول ۵۵

ع

عکس ۔ مرزا محمد عباس ۱

علوی ۔ مولوی عبداللہ خان ۱

علی ۔ نواب علی محمد خان ۲

غ

غوث ۔ سید غوث محمد خان ۳

ف

فاخر ۔ نا معلوم الاسم ۸

" نواب سید اصغر حسین خان ۸

" مرزا پیر علی بیگ ۸

" میر چھنگا دہلوی ۸

" منشی محمد فاخر حسین ۸

" میر محبوب علی رضوی ۸

فارغ ۔ میاں فارغ شاہ ۸

" محمد سعید ۸

فاضل ۔ مولوی سید غلام ۱۰

فاضل	مرزا علی محمد	۱۰
،،	میر محمد حسین خان	۱۰
فانی	۔ مرزا نصیرالدین حیدر	۱۱
،،	قاضی نذر حسین	۱۱
،،	مولوی محمد احمد	۱۱
،،	محمد شوکت علی خان	۱۱
فالز	۔ مرزا محمد حسن بنارسی	۱۱
،،	نواب سید ہادی علی خان	۱۱
فائق	۔ ابوالسیر محمد عثمان الحسین	۱۱
،،	منشی سوہن لال دہلوی	۱۰
،،	منشی علی حسن خان بنارسی	۱۲
،،	محمد گھسو خان	۱۲
فتنہ	۔ خواجہ سید نورالحسن	۱۲
فخر	۔ شمشاد علی خان	۱۲
،،	حکیم سید فخرالدین	۱۲
،،	نواب فخرالدولہ بہادر	۱۲
،،	مولوی سید محمد سبحان اللہ خان	۱۲
فدا	۔ فدا خیر آبادی	۱۲
،،	مولوی عبدالوحید	۱۳
،،	سید فدا عباس موہانی	۱۳
،،	مرزا فدا حسین	۱۳

فدا	مرزا محمد ولی الدین	۱۳
"	مرزا محمد ولی الدین	۱۳
"	شیخ عبدالغفار	۱۰
"	منشی فدائی حسین	۱۳
"	قاضی فدا حسین خیر آبادی	۱۳
"	منشی رام چندر داس	۱۴
"	فدا حسین خان لکنھوی	۱۴
"	مرزا بلند بخت	۱۴
"	پنڈت لچھی رام	۱۴
"	مرزا سکندر بخت	۱۴
"	پنڈت ٹیکا رام دہلوی	۱۴
"	شیخ محمود علی	۱۴
فدوی ۔	مرزا محمد علی	۱۶
"	منشی مکند لال	۱۶
"	فیض اللہ بیگ	۱۶
فراغ ۔	مرزا یسین بیگ	۱۶
"	سید منہدی حسن لکھنوی	۱۶
فراق ۔	حکیم ثنا اللہ	۱۶
"	حافظ عنایت حسین	۱۶
"	محمد نذیر	۱۶
"	خواجہ بہادر حسین	۱۷

فرحان ۔ میر مہربان علی ۱۴
فرحت ۔ محمود علی خان دہلوی ۱۵
" اکبر شاہ خان ۱۶
" سید فرحت حسین ۱۶
" شیخ حسین علی میرٹھی ۱۷
" محمد حسین ۱۷
" کنوربشن پرشاد دہلوی ۱۷
" شیخ فرحت اللہ ۱۷
" مولوی محمد بدیع‌الدین ۱۸
" شیخ رحیم بخش ۱۸
" رگھنناتھ سہائے ۱۸
" محمد حیات بخش ۱۸
فرخ ۔ سید فتح علی ۱۹
" نواب امیر الدین احمد ۲۰
" میرزا فرخ محمد تقی علی ۲۰
" سید فرخ حسین ۲۰
" راجہ شیودرشن سنگھ ۲۰
" کرامت اللہ خان ۲۰
" غلام قادر ۲۰
فرد ۔ مولوی وحیدالدین ۲۰
فرقت ۔ مولوی کریم بخش شاہجہانپوری ۲۰
فرمان ۔ منشی محمد حسین ۲۱
فروغ ۔ مرزا قیصر بخت ۲۱

فروغ — کنور بدری کشن — ۲۱
,, — مولوی سید امیر حسین لکھنوی — ۲۱
,, — ریاض الزمان خان — ۲۱
,, — منشی محمد حنیف — ۲۱
,, — محمد عبدالحمید — ۲۱
,, — مولوی محمد عبدالرحمان خان — ۲۱
فرہاد ۔ سید احمد حسین — ۲۲
فرہاد ۔ محمد یوسف شریف — ۲۲
,, — قاضی عابد علی خان — ۲۲
,, — قاضی احتشام الدین مراد آبادی — ۲۲
,, — شیخ عنایت حسین — ۲۲
فسون ۔ مرزا منجھلے — ۲۲
فصاحت ۔ میر آغا حسن — ۲۲
,, — سید عباس حسن — ۲۲
فصیح ۔ قاضی عبدالصمد — ۲۲
,, — مرزا جعفر علی — ۲۳
,, — مولوی محمد فصیح الزمان — ۲۳
,, — منشی کنور بہادر لکھنوی — ۲۳
فضا ۔ محمد عالی جاہ — ۲۳
,, — نا معلوم الاسم — ۲۳
,, — محمد محبوب علی حیدر آبادی — ۲۳

فضل ۔ حاجی محمد فضل اللہ خان لکھنوی ۲۳
،، منشی فضل مولا خان ۲۳
،، مولوی محمد فضل حق ۲۳
،، ابوالسیف محمد فضل حق ۲۴
فطرت ۔ کفایت اللہ ۲۴
،، حکیم ڈون اگسٹین ڈسلوا ۲۴
،، خواجہ عبیدالرحمٰن ۲۴
فغاں ۔ سید سکندر علی ۲۴
،، اشرف علی خان ۲۴
،، منشی گوبند سہائے فرخ آبادی ۲۴
فقیر ۔ میر شمس الدین عباسی دہلوی ۲۴
،، نواب الہ الدولہ ۲۴
،، میر فقیر ۲۵
،، سید شاہ عبدالرزاق ۲۵
،، فتح علی خان فرخ آبادی ۲۵
فکر ۔ مرزا مہدی حسن خان ۲۵
،، میر اچھے ۲۵
،، سید ابن الحسن ۲۵
،، حکیم غلام رسول ۲۵
فکری مرزا حسن ۲۵
فگار میر حسین دہلوی ۲۵
،، مولوی محمد حسن ۲۶
[illegible] ۔ سید بنیاد حسین لکھنوی ۲۶

فوق ۔ میر ولد حسین ۲۶
,, منشی محمد الدین ۲۶
,, شیخ عبدالصمد ۲۶
,, لالہ گوبند پرشاد بریلوی ۲۶
فہم ۔ لالہ منالال ۲۶
,, ڈاکٹر مولا داد خان ۲۶
,, مرزا عبدالمجید گورکھپوری ۲۷
,, منشی وارث علی ۲۷
,, مرزا فتح علی ۲۷
,, پنڈت سندر لال ۲۷
فہمی ۔ شیخ دیانت حسین ۲۷
فہیم ۔ عظیم آبادی ۔ نامعلوم ۲۷
فیاض ۔ منشی فیاض احمد فاروق جھنجھانوی ۲۷
,, حاجی حافظ فیاض الدین خان حیدر آبادی ۲۷
,, شیخ محمد عبدالغفور دہلوی ۲۸
,, فیاض علی خان ۲۸
فیروز ۔ نامعلوم الاسم ۲۸
فیض ۔ مولوی فیض الحسن سہارن پوری ۲۸
,, ظفر یاب الدولہ ۲۸
,, میر شمس الدین حیدرآبادی ۲۸
,, حکیم نظام الدین لکھنوی ۲۸
,, میر فیض علی ۲۸
,, فیض علی ۲۸

فیض ۔ پنڈت کرپا کرشن کشمیری ۲۹
فیضی ۔ نواب جعفر علی خان ۲۹
,, حضرت فیض قادری ۲۹

ق

قدیر ۔ قدیر احمد خان ۳۰
قمر ۔ سراج الحق ۳۰

ک

کاتب ۔ میرزا محمد علی ۳۳
کاشف ۔ نواب سید علی خان ۳۳
,, حافظ عنایت احمد ۳۴
,, منشی محمد نبی داد خاں ۳۴
,, سید محمد حسین ۳۵
,, لالہ گجادھر پرشاد ۳۶
کاظم ۔ سید غلام کاظم ۳۶
کالی کرشنا ۔ راجہ کالی کرشنا بہادر ۳۷
کامل ۔ میر جہانگیر علی ۳۷
,, عبدالغفور ۳۸
,, ٹھاکر لال سنگھ ۵۰
,, مرزا آدینہ بیگ ۵۱
,, مرزا ناصرالدین ۵۲

کامل ۔	مولوی سید علی میاں	۵۲
"	محمد غفور خاں	۵۳
"	میر کمال الدین حسین رضوی	۵۴
"	مرزا باقر علی خاں	۵۵
"	پنڈت سدا سکھ	۵۶
کاوش ۔	محمد شاہ خاں	۵۶
کاہش ۔	مولوی اولاد علی	۶۱
کبیر ۔	بھگت کبیر داس	۶۵
"	قاضی کبیر احمد	۶۶
"	حکیم محمد کبیر سنبھلی	۶۷
کرامت ۔	سید کرامت حسین	۶۸
کرم ۔	کرم خاں	۶۸
"	مرزا بکھو	۶۹
"	شیخ غلام ضامن	۷۰
"	راجہ بھگوان سہائے	۷۱
کسری ۔	شاہزادہ مرزا محمد احمد علی	۷۳
کشتہ ۔	غلام حیدر	۷۴
"	سید محمد شرافت علی خان	۷۵
"	شیخ رحیم بخش	۷۵
کفایت ۔	صاحب زادہ کفایت اللہ خاں	۷۶
"	منشی کفایت علی	۷۶

کلیم ۔ شیخ محمد عبدالرحیم ۷۷
„ شیخ محمد حسین ۸۰
„ مولوی عبدالکریم ۸۲
„ سید نور الحسن ۸۳
کمال ۔ شاہ کمال الدین حسین ۸۵
„ حکیم سید محمد مہدی ۸۶
„ شاہ کمال ۸۷
„ شاہ کمال الدین ۸۸
کنور ۔ چکروتی سنگھ ۸۹
کوثر ۔ حکیم محمد عابد علی ۸۹
„ حکیم محمد نعیم کوثر رضوی ۹۱
„ مرزا مہدی علی خاں ۹۱
„ سید مظفر علی خان ۹۲
کوچک ۔ شاہزادہ وجیہہ الدین ۹۳
کوکب ۔ چودھری گنپت رائے ۹۵
„ شیخ یحییٰ علی ۹۵
„ مرزا محمد علی ۹۶
„ مرزا تفضل حسین خاں ۹۶
„ راجہ بلدیوپرشاد ۹۷
„ محمد عبدالرحمٰن ۹۷
کیشری ۔ رائے کیشری نرائن بہادر ۹۸

کیف ۔	شیخ فضل احمد	۹۹
,,	سید حسن دہلوی	۹۹
,,	منشی سید محمد سجاد حسین	۱۰۰
,,	پنڈت شیوناتھ	۱۰۱
کیفی ۔	سید رضی الدین حسن	۱۰۱
,,	پنڈت برجموہن دتاتریہ	۱۰۳
,,	مہابیر پرشاد	۱۰۵
,,	منیرالدین احمد	۱۰۸
,,	منشی نور الدین	۱۱۰
,,	منشی چندر بھان	۱۱۲

گ

گرم ۔	مرزا حیدر علی بیگ	۱۱۷
,,	لالہ جگن ناتھ بریلوی	۱۱۹
,,	محمد مظفر خان	۱۱۹
گستاخ ۔	حافظ محمد کرامت اللہ خان	۱۲۰
گل ۔	مولوی عمر ابن عبدالکریم	۱۲۰
گلشن ۔	منشی شنکر سہائے	۱۲۲
,,	رائے دہراج لکھنوی	۱۲۲
گلبشن ۔	دیوان رادھے ناتھ	۱۲۳
گوہر ۔	نواب مولوی منور خان	۱۲۳

گوہر ۔	ذوالفقار علی خان رامپوری	۱۲۵
,,	منشی جوالا پرشاد	۱۲۶
,,	گوہر علی خان	۱۲۶
,,	منشی کندن لال	۱۲۷
,,	پنڈت موتی لال	۱۲۷
گویا ۔	فقیر محمد خان	۱۲۹
گھایل ۔	سید علی احمد	۱۳۲
گہر ۔	سید علی سجاد	۱۳۲
,,	محمد فیض اللہ	۱۳۳
,,	خورشید علی خان لکھنوی	۱۳۳

ل

لایق ۔	منشی درگا پرشاد	۱۳۴
لطافت ۔	سید حسن لکھنوی	۱۳۴
لطف ۔	میر لطف علی	۱۳۶
,,	مرزا علی لطف	۱۳۶
لطیف ۔	لطیف احمد غازی پوری	۱۳۷
,,	میر لطیف علی دہلوی	۱۳۸
,,	حامد علی خیر آبادی	۱۳۸
,,	نحیف لطیف شاگرد حضرت ہوش	۱۳۹
,,	بی لطیفن جان	۱۴۱

لعل - پنڈت کنہیالال زتشی ۱۴۱
لیاقت - منشی لیاقت حسین ۱۴۲

م

مہر - محمد خورشید علی ۱۴۳

ن

ناجی - محمد شاکر ۱۴۹
ناچیز - منشی بہادر خاں ۱۵۰
نادان - امراؤ مرزا ۱۵۱
نادر - نواب مرزا کلب حسین خان ۱۵۴
" شیخ نادر حسین ۱۵۵
" شاہزادہ مرزا محمد نادر شاہ ۱۵۶
" محمد شمس الدین ۱۵۶
" شیخ نادر حسین ۱۵۷
" محمد نادر علی خاں ۱۵۷
" محمد وزیر علی ۱۵۹
" عبدالرحیم خاں ۱۵۹
" صاحبزدہ محمد محمود علی خاں ۱۶۰
ناز - بی شیریں جان ۱۶۰
" منشی امراؤ مرزا ۱۶۱

ناز و ادا ۔ بی نازک ادا	۱۶۱
نازاں ۔ لالہ میوہ رام	۱۶۲
نازک ۔ مسماۃ زینت	۱۶۳
ناسق ۔ حکیم یعقوب حسین	۱۶۳
ناشاد ۔ سید آل حسن	۱۶۴
ناصر ۔ مولانا محمد شفیع	۱۶۴
,, نواب میر ناصر علی خاں	۱۶۶
,, سید ناصر نواب	۱۶۶
,, سعادت خاں	۱۶۷
,, نواب امتیاز الدولہ	۱۶۹
,, محمد ناصر علی	۱۶۹
ناطق ۔ منشی چرونجی لال	۱۷۰
,, سید سعید احمد	۱۷۲
,, حکیم سید محمد صادق	۱۷۴
,, شیخ احمد شاہ	۱۷۵
,, سید ابوالحسن	۱۷۵
,, منشی ابوالحسن	۱۷۶
ناظر ۔ ناظر علی	۱۷۶
,, ناظرالدین	۱۷۹
,, چودھری خوشی محمد	۱۷۹
,, سید فیاض حسین	۱۸۰
,, محمد علی اصغر	۱۸۱

ناظم ۔ نواب یوسف علی خاں ۱۸۱

" نواب محمد علی خاں ۱۸۷

" میر یحیٰی ۱۸۸

" منشی محمد شفیع ۱۸۹

" بابو درگا پرشاد ۱۸۹

" پنڈت کامتا پرشاد ۱۸۹

" سید ناظم حسین ۱۹۰

نافذ ۔ سید احمد حسین ۱۹۱

نالاں ۔ سید عنایت نبی ۱۹۱

" گور بخش سنگھ ۱۹۲

نامی ۔ نواب مرزا حسام الدین ۱۹۵

" مرزا غلام محمدی ۱۹۸

" مرزا شجاع گورگانی ۲۰۱

ناوک ۔ منشی احمد حسین ۲۰۲

نثار ۔ عزیز اللہ خاں ۲۰۲

" محمد امان ۲۰۳

" منشی سدا سکھ ۲۰۴

" محمد پناہ خاں ۲۰۴

" میر عبدالرسول ۲۰۵

" محمد نثار حسین ۲۰۵

نجم ۔ مولوی انعام اللہ ۲۰۶

نجم	شہزادہ میرزا محمد انجم	۲۰۷
،،	میر نجم الدین	۲۰۸
،،	نواب محمد عابد علی خان	۲۰۹
،،	سید نجم الدین علی خان	۲۰۹
،،	کنور کامتا پرشاد	۲۰۹
،،	سید نجم الدین احمد	۲۰۹
نجیب ۔	سرجیت پرتاب بہادر ساہی	۲۱۰
ندرت ۔	نذیر احمد	۲۱۱
نذر ۔	سید شاہ نذرالرحمٰن	۲۱۳
،،	مولوی محمد نذیر	۲۱۴
نزہت ۔	رفیع الدرجات	۲۱۴
نساخ ۔	مولوی عبدالغفور خاں بہادر	۲۱۴
نسیم ۔	نواب اصغر علی خان	۲۲۰
،،	پنڈت دیا شنکر	۲۲۸
،،	شبیر حسین بھرت پوری	۲۳۰
،،	شجاعت علی	۲۳۳
،،	مولوی نسیم اللہ	۲۳۴
،،	مرزا راجہ کدار ناتھ	۲۳۵
،،	شیخ افضل کریم	۲۳۵
،،	محمد یعقوب	۲۳۵
،،	نواب محمد حسین علی	۲۳۶

نشاط ۔ بابو ہرگو بند سہائے ۲۳۷
،، منشی محمد علی حسین خاں ۲۳۷
،، منشی ایشری سنگھ ۲۳۸
نشتر ۔ حافظ محمد اکبر ۲۳۸
،، مولوی عبدالکریم ۲۴۱
،، میر امداد حسین ۲۴۲
،، سرداری لال ۲۴۲
،، منشی عبدالحق ۲۴۷
،، محمد غریب اللہ ۲۴۷
نصرت ۔ یعقوب علی خاں ۲۴۹
،، شیخ ظہیر الدین ۲۵۰
نصیب ۔ اس ناتھ ۲۵۰
،، سردار دولت خاں ۲۵۱
نصیر ۔ نصیر الدین حسین ۲۵۱
،، شاہ نصیر الدین ۲۵۲
،، منشی محمد نصیر الدین ۲۵۷
،، منشی محمد نصیر ۲۵۷
،، مرزا ناصر علی ۲۵۸
نطق ۔ شیخ مقصود احمد ۲۵۸
نظام ۔ سید نظام شاہ ۲۵۹
،، نواب غازی الدین خان ۲۶۱

نظام و رعنا ۔ نواب محمد مردان علی خاں ۲۶۳
نظام ۔ منشی سید نظام الدین ۲۶۵
نظامی ۔ میرزا منیرالدین احمد ۲۶۷
نظر ۔ منشی نوبت رائے ۲۶۹
" شیخ مولا بخش ۲۷۰
نظم ۔ مرزا آغا حسن ۲۷۱
" مولوی سید علی حیدر ۲۷۱
" مولوی احمد خاں ۲۷۳
نظمی ۔ منشی سید جلال الدین ۲۷۳
نظیر ۔ نظیر اکبر آبادی ۲۷۵
" خواجہ محمد نظیر ۲۷۷
" سید نظیر حسین ۲۷۸
" منشی نظیر احمد ۲۷۸
نعمت ۔ شیخ نعمت اللہ ۲۷۹
نعیم ۔ نعیم اللہ ۲۷۹
" حکیم مولوی نعیم الزماں ۲۸۱
" محمد نعیم الدین احمد ۲۸۳
نفیس ۔ مولانا اشرف علی ۲۸۳
نقیب ۔ نقیب اللہ خاں ۲۸۳
نکہت ۔ شیخ عبداللہ ۲۸۳
" مرزا امتیاز علی بیگ ۲۸۳

نکہت۔ مولوی سید آل حسن ۲۸۴

" حافظ غلام احمد ۲۸۴

" منشی امان اللہ ۲۸۴

نگین۔ حاجی مرزا محمد جان ۲۸۵

نمود۔ صاحب زادہ میاں عالم گیر محمد خان ۲۸۵

نوا۔ ظہور اللہ خاں ۲۸۵

نواب۔ نواب کلب علی خاں ۲۸۷

" نواب عبدالرحمن خان ۲۸۹

" نور محمد ۲۸۹

نوازش۔ مرزا نوازش حسین خاں ۲۸۹

" نوازش الدولہ محمد دلاور علی خاں ۲۹۱

نوح۔ منشی محمد نوح ناروی ۲۹۲

نور۔ نواب محمد نورالحسن خان ۲۹۲

" میر مظہر علی ۲۹۴

" منیر وزیر ۲۹۵

" سید حسین حسن ۲۹۹

" منشی صبغت اللہ حسینی ۲۹۹

" نور جہاں ۳۰۰

" شیخ محمد نور الدین ۳۰۱

نور الہی۔ شیخ نور الہی ۳۰۱

نور حق۔ شاہ محمد جمیل ۳۰۲

نوشاد ۔	محمد حیدر علی خاں	۳۰۳
,,	راجہ محمد نوشاد علی خاں	۳۰۴
نوشہ ۔	نواب ذوالفقار بہادر	۳۰۶
,,	سرفراز حسین	۳۰۷
,,	نواب دولہ	۳۰۷
نوید ۔	منشی فضل عظیم	۳۰۸
,,	میر نوشہ علی	۳۰۹
نہال۔	کنورچندی سہائے	۳۰۹
,,	نواب سید صادق حسین خاں	۳۱۱
,,	قاضی عبدالخالق	۳۱۱
نیاز ۔	شاہ نیاز احمد	۳۱۵
,,	منشی نیاز احمد	۳۱۷
,,	محمد صحیح عالم خاں	۳۱۸
,,	منشی نیاز علی	۳۲۰
نیر ۔	منشی محفوظ اللہ خاں	۳۲۰
,,	صاحبزادہ نااہاب دولہ خاں	۳۲۲
,,	منشی سید منور علی	۳۲۲
,,	مولوی حکیم محمد قیام الدین	۳۲۳
,,	فصیح اللہ خاں	۳۲۳
,,	سید احمد شفیع	۳۲۴
	مولوی محمد سلز	۳۲۵

نیر منشی محمد عبدالرحمان	۳۲۶
,, جناب احمد صاحب	۳۲۷
نیرنگ ۔ دلاور خان	۳۲۷
نیرنگ ۔ سید غلام بھیک	۳۲۸

و

واجد ۔ سید واجد علی رضوی	۳۲۹
,, حکیم واجد حسین	۳۳۰
,, محمد عبدالواجد	۳۳۱
,, سید واجد علی	۳۳۲
,, شیخ عبدالواجد	۳۳۲
وارث ۔ بخشی عبدالوارث	۳۳۳
واسطی ۔ مولوی سید فضل رسول	۳۳۵
واصف ۔ سید تصوف حسین	۳۳۸
واصفی ۔ سید محمد عبدالصمد	۳۳۹
واقف ۔ نواب سید اصغر حسین	۳۴۱
,, میرزا کوباش بہادر	۳۴۳
,, صاحبزادہ عبدالغفار خان	۳۴۳
,, واقف شاہ	۳۴۵
,, مرزا واجد حسین	۳۴۵
,, شاہ واقف	۳۴۵
وجاہت ۔ وجاہت حسین	۳۴۶

وجد ۔ منشی غلام غوث ۳۴۹
،، منشی محمد شفیع ۳۴۹
،، میر واجد علی ۳۵۱
وحشت ۔ رضا علی ۳۵۱
،، میر بہادر علی ۳۵۸
،، مولوی غلام غوث ۳۶۰
،، حکیم صدرالدین ۳۶۰
وحشت ۔ غلام علی خان ۳۶۱
،، مرزا کبیر الدین ۳۶۲
،، شیخ احمد حسین ۳۶۲
،، میر حبیب احمد ۳۶۳
،، شاہزادہ احمد شاہ ۳۶۴
،، حافظ رشیدالبنی ۳۶۴
وحشی ۔ قاضی محمد عبداللہ ۳۶۵
،، حبیب حسین ۳۶۶
،، عبدالقادر خان ۳۶۷
،، منشی محمد فیض علی ۳۶۸
وحید ۔ عبدالوحید ۳۶۸
وحید ۔ راجہ غلام حسین خان ۳۷۰
،، مولوی وحیدالدین ۳۷۱
،، منشی سرفراز علی ۳۷۳

وحید ـ	سید ہادی علی	۳۷۳
,,	محمد وحید الحق	۳۷۴
,,	مولوی عبدالواحد	۳۷۵
وزیر ـ	وزیر علی لکھنوی	۳۷۵
,,	خواجہ محمد وزیر	۳۷۷
,,	وزیر علی خاں	۳۸۱
,,	شیخ محمد وزیر	۳۸۲
,,	نواب آصف یاور الملک بہادر	۳۸۳
وسعت ـ	مستقیم خان	۳۸۴
وسیم ـ	سید محمد عسکری	۳۸۵
وصال ـ	مرزا مرتضیٰ حسین	۳۹۱
,,	حکیم امیراللہ خاں	۳۹۲
,,	محمد عثمان	۳۹۲
وصف ـ	نواب وصی علی خان	۳۹۳
وصل ـ	سید مقبول حسین	۳۹۵
,,	میر کرار حسین	۳۹۷
,,	سید عاشق حسین	۳۹۹
,,	محمد مشرف خاں	۴۰۱
,,	سید محمد ساجد	۴۰۱
,,	محمد علی خاں	۴۰۲
وصی ـ	منشی وصی احمد	۴۰۳

وفا ۔	مولوی سید فرید احمد	۴۰۳
”	حکیم عبدالہادی خان	۴۰۴
”	نواب محمد عمر خان	۴۰۹
”	قاضی سید محمد محسن	۴۱۱
”	اشرف پوری	۴۱۳
”	مرزا انور بیگ	۴۱۴
”	نول رائے	۴۱۵
”	صاحب عالم مرزا علیم الدین	۴۱۷
”	حیدر علی	۴۱۷
”	مرزا دارا بخت	۴۱۷
”	حاجی گل محمد	۴۱۷
”	حامد علی امیٹھوی	۴۱۸
”	طفیل علی	۴۱۹
”	مولوی محمد فصیح اللہ	۴۱۹
”	منشی امتیاز احمد	۴۲۰
”	تلسی رام	۴۲۱
”	اقبال علی خان	۴۲۱
”	مولوی محمد سعادت یار خان	۴۲۲
”	محمد ظہور حسن	۴۲۲
وقار ۔	نواب سلطان حسین خان	۴۲۴
”	منشی فضل حسین	۴۲۷

وقار ۔ راجه رامیشر بخش سنگھ ۳۲۷
" سید زین العابدین ۳۲۷
ولا ۔ منشی سید امیر علی ۳۲۹
" جناب حسن نواب ۳۳۰
ولایت ۔ شیخ ولایت علی ۳۳۰
ولی ۔ ولی اورنگ آبادی ۳۳۱
" علی محمد خاں ۳۳۳
" مرزا محمد ولی ۳۳۴
ولیم ۔ مسٹر ولیم بروك ۳۳۵
وہبی ۔ منشی شیو پرشاد ۳۳۵
ویران ۔ غلام رسول ۳۳۷
ہاتف ۔ نواب سید محمد ذکی علی خان ۳۳۷
" حکیم عبدالحئی ۳۳۸
ہادی ۔ میر محمد جواد علی خان ۳۳۹
" نواب ہادی حسن خاں ۳۴۰
" سید محمد ہادی حسن ۳۴۱
" نواب ہادی مرزا خاں صاحب ۳۴۱
ہاشم ۔ سید محمد ہاشم بلگرامی ۳۴۲
ہاشم ۔ میر ہاشم علی صاحب ۳۴۳
ہاشمی ۔ قاضی سید نور الحسن ۳۴۳
" محمد نادر حسین خاں ۳۴۵

ہاشمی - میر صفدر علی ۳۴۶
,, سید شاہ محمد نذیر ۳۴۷
,, منشی سید التفات رسول ۳۴۸
ہجر - جناب ابوالخیال شاہجہان پوری ۳۴۸
,, نواب ناظم علی خان ۳۵۰
,, محب الدین ۳۵۱
,, بشمبر ناتھ ۳۵۳
,, مرزا اصغر حسین ۳۶۰
,, نواب مہدی حسن خان ۳۶۰
ہجوتی - نواب محمد حسین خان ۳۶۰
ہدا - سید ہدایت اللہ خان ۳۶۰
ہدایت - ہدایت اللہ خان ۳۶۱
,, حکیم ہدایت اللہ خان ۳۶۱
ہدف - سید کاظم حسین ۳۶۲
ہدہد - عبدالرحمٰن ۳۶۲
ہژبر - پرنس فریدون قدر ۳۶۳
ہلال - امیر علی خان ۳۶۳
ہما - سید احمد حسین ۳۶۳
ہمت - اخوند زادہ ہمت خان ۳۶۳
,, سید ہمت علی ۳۶۶
,, منشی بنسی دھر ۳۶۶

ہمت ۔	نامعلوم الاسم	۳۶۶
ہمدم ۔	محمد معصوم	۳۶۶
ہندی ۔	مرزا محسن علی	۳۶۷
ہنر ۔	مرزا مظفر علی	۳۶۷
,,	سید ذاکر حسین	۳۶۷
,,	کلو خان	۳۶۸
,,	مرزا بختاور بخت گورکانی	۳۶۹
,,	شیخ غلام احمد قریشی	۳۷۰
,,	باقر علی	۳۷۱
,,	نامعلوم الاسم ۔ لکھنوی	۳۷۳
,,	,, غازی پوری	۳۷۳
ہوس ۔	نواب مرزا محمد تقی خان	۳۷۵
ہوش ۔	نواب نیاز احمد خان	۳۷۷
,,	محمد حیدر علی خان	۳۷۸
,,	نامعلوم الاسم	۳۷۸
,,	منشی دلیپ سنگھ	۳۷۹
,,	کالی چرن	۳۸۰
,,	غلام محی الدین	۳۸۲
ہوشیار ۔	منشی کیول رام	۳۸۳

ی

یاد ۔	نامعلوم الاسم خیر آبادی	۳۸۳
یار ۔	بنڈت دھرم نرائن	۳۸۳
یاس ۔	حافظ حفیظ الدین	۳۸۳
„	محمد عظمت اللہ خاں	۳۸۶
„	منشی خیرالدین	۳۸۶
„	منشی محمد ذاکر حسین	۳۸۷
„	منشی عبدالمجید	۳۸۹
یسین ۔	محمد یاسین	۳۸۹
یاور ۔	شیخ امداد علی	۳۹۰
„	آغا شیخ یاور علی	۳۹۱
„	منشی یاور علی	۳۹۱
„	محمد محسن خاں	۳۹۲
یعقوب ۔	محمد یعقوب	۳۹۲
„	منشی محمد یعقوب خاں	۳۹۳
یقین ۔	انعام اللہ خاں	۳۹۳
„	محمد فاضل	۳۹۳
„	قاضی محمد یقین	۳۹۳
یکتا ۔	مولوی فتح محمد	۳۹۳
„	نواب ہادی علی خاں	۳۹۵

یکتا ۔	میر کاظم علی	۴۹۶
,,	خواجہ معین الدین خان	۴۹۶
,,	التقی حسن	۴۹۷
یکرنگ ۔	مصطفی خان	۴۹۷
یوسف ۔	منشی محمد یوسف	۴۹۸
,,	سید یوسف علی	۴۹۹
,,	سید یوسف حسین خان	۵۰۱
,,	منشی یوسف علی خان	۵۰۳
,,	مولوی یوسف علی خان	۵۰۳
,,	صاحب زادہ یوسف علی خان	۵۰۵
,,	محمد یوسف	۵۰۵
,,	نواب یوسف حسین خان	۵۰۵
ضمیمہ ۔		۵۰۷
تعلیقات ۔		۵۱۱

عرض مرتب

شعرائے اردو کے مشہور تذکرے "خمخانۂ جاوید" کے مؤلف لالہ سری رام کا سلسلۂ نسب راجا ٹوڈرمل تک پہنچتا ہے[1] - وہ ۴ دسمبر ۱۸۷۵ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ان کے والد رائے مدن گوپال بہادر ایم،اے بار ایٹ لا کا شمار دہلی اور لاہور کے صف اول کے قانون دانوں میں ہوتا تھا ، لالہ مدن گوپال کے بڑے بھائی ماسٹر پیارے لال نے دہلی میں جدید طرز کی لٹریری سوسائٹی کی بنیاد رکھی تھی اور پنجاب میں اردو زبان کی اشاعت میں ان کی خدمات نمایاں ہیں ، لالہ سری رام نے پہلے دہلی اور پھر لاہور میں تعلیم کی تکمیل کی اور ۱۸۹۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ، اے انگریزی کے امتحان میں کامیاب ہوئے ، بعد ازاں منصف کے عہدے پر فائز ہوئے ، لالہ سری رام کو اردو شعر و ادب سے والہانہ محبت تھی ، وہ خود تو شاعر نہ تھے لیکن شعر فہمی اور شعر شناسی میں ان کا پایہ بہت بلند تھا ، وسیع المطالعہ شخص تھے ، مال و دولت کی کمی نہ تھی ، چنانچہ جب ادبی دلچسپیوں میں منصبی مصروفیات کو حارج ہوتے دیکھا تو ۱۹۰۴ء میں ملازمت سے مستعفی ہوگئے ان کے مضامین "مخزن" اور "زمانہ" کے ابتدائی دور کے پرچوں میں شائع ہوا کرتے تھے ان کی مساعی سے بعض کتابیں بھی شائع ہوئیں جن میں "دیوان انور" "مہتاب داغ" اور "ضمیمہ داغ" قابل ذکر ہیں، انھوں نے مرزا محمد تقی بیگ مائل کا دیوان بھی مرتب کیا تھا - منشی بہاری لال مشتاق کا کلیات شائع کرنا

---

۱ - لالہ سری رام کے سوانح حیات "خمخانۂ جاوید" کی جلد پنجم مرتبہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کے مقدمے سے ماخوذ ہیں -

چاہتے تھے کہ مرض الموت میں مبتلا ہوگئے آخر طویل علالت کے بعد ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔[1]

لالہ سری رام کا اہم کارنامہ تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانۂ جاوید ہے جسے نامکمل ہونے کے باوجود اردو شاعروں کے سب سے ضخیم تذکرہ ہونے کا فخر حاصل ہے، خمخانۂ جاوید جو غالباً "آب حیات" کے انداز پر رکھا گیا ہے تاریخی نام ہے اور اس پر ۱۳۲۵ سنہ ہجری درج کیا گیا ہے، تعجب کی بات یہ ہے کہ از روئے اعداد اس نام سے محض ۱۳۲۰ برآمد ہوتے ہیں۔

تالیف کا مقصد دورِ جدید تک کے اردو شعرا کا ایک جامع تذکرہ مرتب کرنا تھا، اس ضمن میں مولف کا کہنا ہے کہ "اپنا شوق پورا کرنے کے واسطے مختلف شعرا کا کلام جمع کرنا پڑا، بس یہی اس کی تدوین اور ترتیب کا باعث ہوا اور یہاں تک ذخیرہ بڑھا کہ اس تذکرۂ ہزار داستان کو پانچ جلدوں میں تقسیم کیے بغیر کوئی اور صورت نظر نہ آئی۔"[2]

گویا پہلی جلد کی اشاعت کے وقت مولف کا ارادہ تذکرے کو پانچ جلدوں میں مکمل کرنے کا تھا، جلد اول جو مخزن پریس دہلی میں چھپ کر ۱۹۰۸ء میں لاہور سے شائع ہوئی، میر محبوب علی خان نظام دکن کے نام سے معنون ہے، شعرا کا ذکر الفبائی ترتیب سے دیا گیا ہے پہلا شاعر آباد لکھنوی اور آخری بے ہوش (لالہ گردیال وکیل عدالت لکھنؤ) ہے، شعرا کی تعداد ۶۲۴ تک پہنچتی ہے، تذکرہ ۶۸۹ صفحات کو محیط ہے، صحت نامہ، فہرست اسمائے شعرا، تقاریظ اور قطعات تاریخ پر مبنی اوراق اس

۱۔ زمانہ "کانپور" بابت اپریل ۱۹۳۰ء (ص ۲۳۵) میں لالہ سری رام کی تاریخ وفات ۹ اپریل ۱۹۳۰ء چھپی ہے۔

۲۔ "خمخانۂ جاوید" جلد اول (دیباچہ) ص ۳۔

پر مستزاد ہیں ، تقریظ نگاروں میں حکیم اجمل خاں ، پیرزادہ محمد حسین جج اور پنڈت کیفی کے نام بھی شامل ہیں ، دیباچے میں مولف کا بیان ہے کہ اس تذکرے کی ابتدا کو "آج پورے سترہ برس ہوگئے"[۱] اس اعتبار سے کام کا آغاز ۱۹۰۸-۱۷ = ۱۸۹۱ء میں ہوا ہوگا ، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ جلد اول کی اشاعت میں بوجوہ تاخیر ہوتی رہی ، چنانچہ مولانا نجم الدین احمد ثاقب پہلی جلد کے لیے اپنی تقریظ ۱۹۰۱ء میں سپرد قلم کرچکے تھے۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی غالباً ابتدا ہی سے لالہ سری رام کی اس علمی مصروفیت میں معین و صلاح کار رہے ہیں ، چنانچہ دیباچے میں جہاں دوستوں کا شکریہ ادا کیا گیا ہے کیفی صاحب کے بارے میں یہ الفاظ قلمی ہوئے ہیں :

"محبی پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی بھی ہمیشہ تذکرہ کی عام ترتیب اور انتظام اشاعت میں معقول امداد دیتے رہے" ۔

خمخانۂ جاوید کی دوسری جلد امپیریل بک ڈپو پریس دہلی میں طبع ہوکر ۱۹۱۱ء میں شائع ہوتی ہے ، پابند (طالب علی) سے حیفی تک ۴۸۵ شاعروں کا تذکرہ ۵۶۴ صفحات میں کیا گیا ہے بعد میں تیرہ صفحات فہرست اسمائے شعرا اور ۴۷ صفحات تقاریظ پر مشتمل ہیں ، مولانا حالی کی تقریظ قابل ذکر ہے ۔

جلد سوم میں شاعروں کے ناموں کی فہرست (۴۱ صفحات) ابتدا میں درج ہوئی ہے، خادم (شیخ خادم علی) سے زیرک تک ۵۳۴ شعرا کے تذکرے پر حاوی ہے ۱۹۱۷ء میں دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپی ہے ۔

جلد چہارم کی اشاعت کی نوبت ۱۹۲۶ء میں آئی ۔ اس میں حرف سین (پہلا شاعر : قاضی غلام احمد سابق) اور سین(آخری شاعر مولوی محمد امیر

---

۱ ۔ دیباچے کے آخر میں مرقوم ہے "خادم الانام گمنام سریرام دہلوی ، لاہور ۱۵ مارچ ۱۹۰۸ء" ۔

ضلع کے) ۴۲۱ شعرا کا تعارف اور نمونہ کلام ملتا ہے۔ اس میں شامل مہاراجہ سر کشن پرشاد کی تقریظ پر یہ حاشیہ درج ہے، "یہ تقریظ ۱۹۱۸ء میں موصول ہوئی تھی، جب کہ حصہ چہارم کے چھپنے کی تیاری ہو رہی تھی مگر کچھ ایسے حادثات پیش آتے رہے کہ آٹھ برس بعد اس کی اشاعت کی نوبت آئی ہے۔"

چوتھی جلد کی تکمیل تک لالہ سری رام پر یہ امر یقیناً منکشف ہو چکا تھا کہ ان کا مرتبہ تذکرہ ابتدائی اندازے کے مطابق پانچ جلدوں میں سمانے والا نہیں۔ وہ نہ صرف پانچویں بلکہ چھٹی اور ساتویں جلدوں کے لیے بھی خاصا مواد فراہم کر چکے تھے۔ لیکن انھیں پانچویں جلد کی طباعت و اشاعت دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا اور جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے وہ ۱۹۳۰ء میں فوت ہوگئے۔ انتقال سے قبل انھوں نے ایک مفصل وصیت نامہ تحریر کیا جس میں ادبی نقطہ نظر سے دو نکات نہایت اہم تھے، پہلا یہ کہ انھوں نے اپنا بڑا کتب خانہ بنارس ہندو یونیورسٹی کو بطور عطیہ دے دیا، یہ مجموعہ کتب اردو زبان و ادب کے اعتبار سے نہایت قیمتی تھا اور بنارس یونیورسٹی میں اس وقت اردو کا شعبہ سرے سے وجود ہی نہ رکھتا تھا جب موصوف کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائی گئی تو انھوں نے جواب دیا کہ اس عطیے سے میرا یہی مقصد ہے کہ بنارس یونیورسٹی میں بھی اردو سے دلچسپی پیدا ہو جائے۔ دوسرا معاملہ تذکرہ خمخانۂ جاوید کی تکمیل کا تھا، اس غرض سے لالہ سری رام کی نظر انتخاب اپنے دیرینہ رفیق پنڈت کیفی پر پڑی، چنانچہ وصیت نامہ میں بقایا جلدوں کی ترتیب و اشاعت کے لیے باقاعدہ ٹرسٹ قائم کر کے اس مقصد کے لیے ایک معقول رقم مختص کی اور کیفی صاحب کو ٹرسٹ کا رکن خاص نامزد کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کیفی صاحب، لالہ سری رام سے عمر میں نو برس بڑے تھے۔

—●—

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کی تاریخ پیدائش ۱۳ دسمبر ۱۸۶۶ء ہے[1] ، دہلی میں پیدا ہوئے چند ماہ کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پہلے دادا اور پھر پھوپھی نے پرورش کی، تعلیم کا آغاز خاندانی روایات کے مطابق فارسی زبان سے ہوا، گورنمنٹ ہائی سکول کشمیری دروازہ دہلی سے میٹرک اور سینٹ سٹیفن کالج سے بی اے کیا ، اوائل عمر ہی سے ادیبوں اور شاعروں کی صحبت میسر آئی چنانچہ نظم و نثر دونوں میں نام پیدا کیا ، ملازمت کا آغاز صحافت سے ہوا ، ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۰ء تک انبالہ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "خیر اندیش" کے ایڈیٹر رہے ، بعد ازاں پٹیالہ ، کپورتھلہ اور کشمیر کی ریاستوں میں مختلف عہدوں پر فائز رہے ، ملازمت سے سبکدوش ہوکر کچھ عرصہ لاہور میں قیام کیا ، ماڈل ٹاؤن میں اپنا مکان بھی تعمیر کرایا ، کچھ عرصہ دہلی میں رہے ، ۱۹۲۶ء میں ان کے بڑے لڑکے پیارے موہن کا جو لاہور کے انگریزی روزنامہ "ٹریبیون" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے انتقال ہوگیا چنانچہ کیفی صاحب ان کے بچوں کی دیکھ بھال کی غرض سے لائل پور چلے آئے جہاں ان کے دوسرے بیٹے سریندر موہن گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے،کیفی صاحب اردو کے پرستار اور مولوی عبدالحق صاحب کے حبیب لبیب تھے ، چنانچہ ۱۹۳۹ء میں جب مولوی صاحب انجمن ترقی اردو کو اورنگ آباد سے دہلی لائے تو پنڈت جی کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ وہاں انھوں نے انجمن کے تنظیمی اور علمی کاموں میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۴۵ء میں ان پر دل کی بیماری کا حملہ ہوا ، تقسیم برصغیر تک لائل پور میں مقیم رہے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک بمبئی میں اور پھر دہلی میں قیام کیا۔ ۱۹۴۸ء میں مولوی عبدالحق انھیں کراچی لے آئے۔ لیکن یہاں کی آب و ہوا انھیں راس نہ آئی لہذا وہ دہلی منتقل ہوگئے۔ یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو غازی آباد (دہلی) میں انتقال ہوا۔

۱۔ کیفی صاحب کے حالات کے لیے دیکھیے اختر علی قریشی کی تالیف "پنڈت کیفی" طبع لاہور، بار اول : نومبر ۱۹۸۱ء۔

بقول مالک رام "ان کا نظم کا سرمایہ ۲۵-۳۰ ہزار اشعار سے کم نہیں ہوگا۔ لیکن ان کا بہت بڑا کارنامہ اردو زبان کی ابتدا ، نشوونما ، رجحانات آئندہ امکانات اور متعلقہ موضوعات سے متعلق تحقیقات پر مشتمل ہے"[۱] اس اعتبار سے ان کی تصنیفات "کیفیہ" اور "منشورات" بڑی اہمیت کی حامل ہیں ۔

کیفی صاحب کے پاس کتابوں کا بڑا وسیع اور نایاب ذخیرہ تھا اس میں سے بہت سی کتابیں انھوں نے وقتاً فوقتاً بنارس یونیورسٹی ، انجمن ترقی اردو اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیات کے طور پر دیں اس کے باوجود ایک بہت بڑا کتب خانہ تقسیم کے وقت پاکستان میں رہ گیا تھا ۔ جس کے انجام کی بابت کچھ خبر نہیں ۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خزانہ لٹ گیا[۲] ۔ چنانچہ ذخیرہ کیفی سے تعلق رکھنے والا تذکرہ شوق کا مخطوطہ آج کل لاہور کے ایک کتب فروش کے قبضے میں ہے ۔ یہ تذکرہ اور دوسرے مخطوطات جو انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو دیے لالہ سری رام کی طرف سے خمخانۂ جاوید کے کاغذات کے ساتھ انھیں ملے تھے ۔

پنڈت کیفی کی ترتیب و اہتمام کے ساتھ خمخانۂ جاوید کی پانچویں جلد شائع ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس جلد کا عکسی (فوٹو سٹیٹ) نسخہ موجود ہے لیکن اس پر سال اشاعت درج نہیں ۔ اس کے آغاز میں

---

۱ - "برجموہن دتاتریہ کیفی" مشمولہ "وہ صورتیں الہی" شائع کردہ مکتبہ جامعہ ۔ دہلی ، دوسری بار جولائی ۱۹۷۶ء ۔

۲ - تقسیم کے وقت لاہور کی کوٹھی ایک ڈاکٹر (طب) کی تحویل میں آئی اور چار قلمی کتابیں فروخت کے لیے مکتبۂ جدید کے پاس آئیں لیکن موزوں گاہک نہ ہونے کی وجہ سے واپس چلی گئیں ان میں تذکرۂ شوق کا یہی نسخہ بھی تھا ۔ ایک آدھ کتاب مولانا صلاح الدین احمد مرحوم نے بھی کسی کباڑی سے خریدی تھی جس کا ذکر انھوں نے خود مجھ سے کیا تھا ۔
(روایت ڈاکٹر وحید قریشی)

کیفی صاحب کا دیباچہ ہے ۔ تاہم اس کے اختتام پر بھی کوئی تاریخ موجود نہیں ہے ۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی روایت کے مطابق خمخانۂ جاوید کی جلد پنجم کا سن اشاعت ۱۹۴۰ء ہے[1] ۔ گویا چوتھی جلد کے چودہ برس اور لالہ سری رام کے انتقال کے دس برس بعد پانچویں جلد کی اشاعت ممکن ہوئی اس غیر معمولی تاخیر کا سبب پنڈت کیفی نے 'دیباچہ مرتب' میں مختصراً یوں بیان کیا ہے :

"چند ناگزیر مواقع ایسے پیش آ گئے کہ اس کام میں اتنا توقف ہوا جس میں بڑا حصہ اس عذرداری کا ہے جو عدالت میں وصیت کے خلاف دائر کی گئی ۔ خود میں بھی خاصی مدت تک مکروہات زندگی میں مبتلا رہا جس کا علم اکثر احباب کو ہے" ۔

جس عذرداری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ظاہر ہے کہ لالہ سری رام کے ورثا نے داخل کی ہوگی اور غالباً اس کا فیصلہ وصیت کے حق میں اور مدعیان کے خلاف ہوا ہوگا تبھی تذکرے کی پانچویں جلد کی اشاعت ممکن ہو سکی ۔

جلد پنجم کا آغاز شعلہ (منشی سید محمد سلطان) کے ترجمے سے ہوتا ہے اور آخری شاعر عزیز لکھنوی (مرزا محمد ہادی) ہیں ۔ آخر میں چند تتمے یا ضمیمے ہیں ۔ تتمہ "ض" میں ضامن (سید ضامن علی) اور ع میں عرشی (سید محمد عسکری) اور عشرت (خواجہ عبدالروف) کے تراجم شامل ہیں ۔ اس طرح یہ جلد ملا جلا کر کل ۶۳۷ شعرا کے تذکرے پر حاوی ہے ۔

پانچویں جلد کے ساتھ ہی خمخانۂ جاوید کی اشاعت کا سلسلہ ختم ہو گیا ۔ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا کہ اس کی بقایا جلدوں کا مواد ، اگر کچھ تھا تو

---

۱ ۔ "اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" ص ۴۸۳ (حاشیہ) ، لاہور ، طبع اول ۔ نومبر ۱۹۷۲ء ۔

۱۹۴۷ میں قیام پاکستان کے موقع پر افراتفری کی نذر ہو کر گاؤ خورد ہو چکا۔

—●—

مجھے عرصے سے اس خیال نے سرگرداں رکھا کہ خمخانۂ جاوید کی شائع نہ ہو سکنے والی جلدوں کے مواد کا کہیں نہ کہیں سراغ چلنا چاہیے۔ یہ امر تو یقینی ہے کہ لالہ سری رام نے ایک ایک جلد کا مواد باری باری فراہم نہیں کیا تھا۔ بلکہ متعدد تذکروں سے اردو شاعروں کے تراجم حاصل کر کے ان پر جدید اور معاصر شعرا کے مختصر سوانح اور نمونۂ کلام کا اضافہ کرتے رہے تھے۔ ظاہر ہے اس ذخیرے میں وہ شعرا بھی شامل ہوں گے جن کے تخلص حرف ''غ'' اور اس کے بعد آنے والے حروف سے شروع ہوتے تھے۔ بلکہ پانچویں جلد میں تو ''عزیز'' تخلص رکھنے والے تمام شعرا بھی داخل نہ تھے۔ گویا ''ع'' کا سلسلہ ابھی نصف تک پہنچا تھا۔ سوال یہ تھا کہ یہ فراہم شدہ مواد جو یقیناً پنڈت کیفی کی تحویل میں تھا تقسیم کے موقع پر کس شہر میں ہو سکتا ہے۔ لاہور، لائل پور (فیصل آباد) اور دہلی تینوں جگہوں کا امکان تھا۔ کیفی صاحب اس کے بعد آٹھ سوا آٹھ سال بقید حیات رہے۔ آخر انھوں نے کسی نہ کسی سے اس بارے میں ذکر اذکار تو کیا ہوگا۔ اس غرض سے پنڈت جی کے بارے میں لکھے جانے والے مضامین کھنگالے لیکن بے سود۔ حتیٰ کہ مالک رام صاحب نے اپنی تصنیف ''وہ صورتیں الٰہی'' میں کیفی صاحب پر جو مفصل مضمون لکھا ہے اس میں خمخانۂ جاوید کا سرے سے نام ہی نہیں لیا۔ اس طرف سے مایوس ہو کر بعض اہل علم حضرات سے خط و کتابت کی آخر جوئندہ یابندہ کے مصداق کراچی سے محبی مشفق خواجہ صاحب نے اطلاع دی کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس متاع گم گشتہ کا کچھ حصہ موجود ہے۔ ساتھ ہی ان اجزائے پریشان کو مرتب کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ چنانچہ یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرہ کیفی میں تلاش کرنے سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ زیرِ نظر جلد کی صورت میں نذرِ قارئین ہے۔

ان اوراق پریشان کو ترتیب دینے کے بعد جو حقائق سامنے آئے وہ مختصراً یہ ہیں :

۱ - ع کے باقی ماندہ[1] نیز غ ، ف اور ق کے شعرا غائب ہیں ۔

۲ - اتفاق سے حرف "ف" کے جن شعرا کو تذکرے میں داخل کرنے کا ارادہ تھا ان کی ایک فہرست ان کاغذات میں موجود ہے ۔ میں نے اسے بھی زیر نظر جلد میں شامل کر لیا ہے ۔

۳ - ان مسودات میں حرف ک سے حرف ی تک کے شعرا کا تذکرہ ہے لیکن حرف م کے ذیل میں آنے والے شعرا : جو یقیناً بڑی تعداد میں ہوں گے غیر حاضر ہیں ۔

۴ - کیفی صاحب نے تذکرے میں متعدد شعرا کا اضافہ کیا ہے ۔ ایسے بعض شعرا جلد پنجم میں بھی داخل کیے گئے تھے ۔ زیر نظر جلد میں ان کی تعداد پندرہ سے زاید ہے ۔ صرف غیر حاضر حروف سے تعلق رکھنے والے شعرا یہ ہیں :

حرف	شعرا
غ	غوث
ف	فارغ ، فدا ، فرحت
ق	قدیر ، قمر
م	مہر

۵ - حروف ک تا ی (ماسوائے "م") پر مبنی شاعروں کی تعداد یہ ہے :

---

۱ - غ کے صرف تین شعرا عکس ، علوی اور علی کے تراجم نامکمل صورت میں ملے ۔

حرف	پہلا شاعر	آخری شاعر	کل تعداد
ک	کاتب ـ مرزا محمد علی	کیفی ـ منشی چندربھان	٦٦
گ	گرم ـ مرزا حیدر علی بیگ	گہر ـ خورشید علی خان	۱۹
ل	لایق ، منشی درگا پرشاد	لیاقت ـ منشی لیاقت حسین	۱۱
ن	ناجی ـ محمد شاکر	نیرنگ ـ سید غلام بھیک	۱٦٦
و	واجد ـ سید واجد علی	ویران ـ غلام رسول	۹۰
ہ	ہاتف ـ سید محمد زکی علی	ہوشیار ـ منشی کیول رام	۵۰
ی	یاد خیرآبادی، نامعلوم الاسم	یوسف ـ یوسف حسین خان	۳۱

یاد رہے کہ یہ تعداد فہرست کے مطابق ہے ـ اصل تذکرے میں بعض شعرا کے حالات اور کلام غائب ہیں ـ مجموعی طور پر زیر نظر جلد میں کم و بیش ساڑھے چار سو شاعروں کا تذکرہ شامل ہے ـ حرف 'ف' کے شعرا کی فہرست اس کے علاوہ ہے ـ

ـ ـ ان کاغذات میں بعض جگہ محمد محسن علی کے دستخط ہیں ـ لیکن بیشتر مقامات پر جن صاحب کے لکھے ہوئے نوٹ اور دستخط موجود ہیں ان کا نام جی ـ ایل ـ ادیب ہے ـ اس سے اندازہ ہوا کہ کیفی صاحب نے تذکرے کا کام رواں دواں رکھنے کے لیے اپنا کوئی نائب مقرر کیا تھا ـ اس سے قبل لالہ سری رام بھی محمد مبین نازش بدایونی (متوفی ۱۹۳۳ء) سے نیابت کا کام لے چکے تھے[1] ـ

بعض صفحات پر کیفی صاحب اور ان کے نائب کے مابین سوال و جواب بھی ملتے ہیں ایسا ان شعرا کے بارے میں ہوا جن کو تذکرے

---

۱ ـ امداد صابری "تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم) ص ۱۹۷ ـ دہلی ۱۹۷۳ء

میں شامل کرنے کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا ۔ مثلاً کامل خورجوی کے بارے میں کیفی صاحب کی تحریر ہے :

ادیب صاحب

کلام بالکل واہیات ۔ حالات کچھ بھی نہیں ۔ خورجہ کے کتنے آدمی ہر مہینے غازی آباد آتے ہوں گے ۔ کسی سے دریافت کرتے ، حیات کا ہی معلوم ہو جاتا ۔ آپ نے میرے نوٹوں کا دھیان نہیں کیا ۔ کاغذات جیسے میرے پاس سے گئے ویسے اٹھا کے رکھ لیے ۔ میں تو ایسے شاعر کو نہیں لے سکتا ۔

کیفی ۳۲/۴/۳

اس کے نیچے ادیب صاحب کا جوابی نوٹ ہے ۔

خورجہ کا کوئی آدمی مجھے ایسا نہیں معلوم ہے جس کو مذاق شعر ہو ۔

ادیب

اسی طرح لکھنو سے آیا ہوا ایک انگریزی میں ٹائپ شدہ مراسلہ ہے جس پر کسی شاعر کے بے سروپا سوانح اور نمونہ کلام درج ہے ۔ لطف یہ ہے کہ موصوف کا نام اور تخلص ندارد ۔ اس پر ادیب صاحب کا نوٹ ہے :

"پنڈت جی صاحب ! آپ ملاحظہ کر لیں ۔ جو حصے کہیے ترجمہ کر کے شامل کروں سب تو بہت زیادہ ہے" ۔

اس پر کیفی صاحب کی جوابی تحریر ہے :

بھئی - نام اور تخلص اس شخص کا کیا ہے - آخر یہ ہیں کون ذات شریف ؟

کیفی ۹ - ۴ - ۳۳

بعد میں ادیب نے انگریزی میں نام ''مہابیر پرشاد کیفی'' اضافہ کر کے اور ''ٹو بی ٹرانسلیٹڈ'' لکھ کر دستخط کیے ہیں -

جی - ایل - ادیب کے نام کا مسئلہ تذکرہ ''بہار سخن'' سے حل ہوا جس کا بیان ہے کہ ''بابو گورسرن لال ولد بابو مہادیو پرشاد عاصی کالیسنھ سری واستو ، متوطن لکھنو - سال ولادت ۱۹۰۳ء شاگرد جناب لسان الہند مولانا عزیز لکھنوی - دارالعلوم لکھنو سے بی - اے کی ڈگری حاصل کر کے سات سال تک ہائی سکول لال باغ لکھنو میں معلم رہے - اگست ۱۹۳۱ء سے خمخانۂ جاوید کی ترتیب کے سلسلے میں بمقام دہلی ملازم ہیں[1] -

یہ بھی یاد رہے کہ بابو گورسرن لال ادیب معروف اردو شاعر پنڈت گوپی ناتھ امن کے چھوٹے بھائی تھے -

۲ - تذکرے میں شامل شعرا کے بارے میں بعض مقامات پر کیفی صاحب نے ادیب، کو مخصوص اشخاص سے استفسار کرنے کی ہدایت کی ہے - ان ہدایات کے چند نمونے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں :

''عیاں[2] سے معلوم کیجیے'' -

''ظفرالملک[3] سے معلوم کیجیے'' -

---

۱ - شیام سندر لال برق ''بہار سخن'' (تذکرہ ہندو شعرا) ص ۳۹ - سیتاپور - ۱۹۳۲ء -

۲ - ضیا الاسلام عیاں میرٹھی - یہ بیان یزدانی کے بھتیجے اور شاگرد تھے -

۳ - مولانا ظفرالملک لکھنوی ایڈیٹر ''الناظر'' لکھنو -

"ادیب صاحب - اپنے والد صاحب سے پوچھیں" -

"عشرت سے پوچھیے" -

عشرت کے نام سے میرا ذہن محترم عشرت رحمانی صاحب کی طرف گیا - چنانچہ ان سے ملاقات پر پتا چلا کہ تدوین کا یہ کام ان کے علم میں ہے - ان دنوں لالہ سری رام کی کوٹھی واقع علی پور روڈ ، دہلی میں موصوف کے داماد لالہ امیر چند کھنہ بیرسٹر رہا کرتے تھے اور اسی کوٹھی کے ایک حصے میں کیفی صاحب بھی مقیم تھے - کیفی صاحب بہت مصروف آدمی تھے لہذا انھوں نے خمخانۂ جاوید کی ترتیب کا کام انجام دینے کے لیے کسی موزوں شخص کی ضرورت کا اشتہار اخبار "تیج" (دہلی) میں دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں لالہ گورسرن لال ادیب کا تقرر ہوا - ادیب کا قیام دہلی سے کوئی بیس کلومیٹر دور غازی آباد میں تھا - وہ کیفی صاحب کے ملاحظے کے لیے کاغذات غازی آباد سے لاتے اور لے جاتے تھے - عشرت صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پنڈت کیفی ادیب صاحب کے کام سے مطمئن نہیں تھے اور غالباً انھوں نے کسی سفارش کے زیرِ اثر ادیب کا اس کام پر تقرر منظور کیا تھا -

۸ - اگست ۱۹۸۲ء میں دہلی جانے پر میں نے مالک رام صاحب سے دریافت کیا کہ یہ سارا مواد کہاں گیا بقول ان کے کیفی صاحب کہتے تھے کہ چھٹی جلد تیار ہو گئی تھی لیکن یہ تقسیم کے موقع پر ضائع ہوگئی ادیب ان دنوں بھی غازی آباد میں مقیم تھے لیکن بوجوہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی -

---

ان معروضات کی روشنی میں ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے - جس کا کوئی شافی جواب نہیں ملتا -

یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ بقایا حرف ع - غ - ف اور ق کے حروف سے شروع ہونے والے شعرا کا تذکرہ کیفی صاحب نے چھٹی جلد میں شامل کیا تھا اور بہ روایت مالک رام یہ جلد ۱۹۴۷ء میں ضائع ہوگئی -

لیکن حروف ک تا ی (ماسوائے م) پر مبنی شاعروں کے بارے میں مواد پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں کب اور کیسے پہنچ گیا ۔

اختر علی قریشی رقم طراز ہیں :

"۱۹۴۵ء کے لگ بھگ کیفی صاحب نے اپنے کتب خانہ میں سے پانچ سو سے زیادہ فارسی اور اردو کی کتابیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیے کے طور پر عنایت کیں جو یہاں ذخیرہ کیفی (کیفی کلکشن) کے نام سے الگ الماریوں میں رکھی ہوئی ہیں ۔ ان میں ایک سو کے قریب مخطوطات ہیں ۔ ۔ ۔ ۔"[۱]

ادھر پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے رجسٹر اندراج کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عطیہ پنڈت جی نے ۱۹۳۳ء میں دیا تھا ۔ چنانچہ ذخیرہ کیفی کا پہلا مخطوطہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۳ء کو داخل رجسٹر کیا گیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ کاغذات انہی مخطوطات کے ساتھ لائبریری میں پہنچے ہوں گے ۔ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ پنڈت کیفی تذکرے میں جا بجا نوٹ لکھتے رہے ہیں جن پر باقاعدہ تاریخیں موجود ہیں۔ لائبریری سے ملنے والے کاغذات میں ۱۹۳۳ء کے بعد کی کوئی تاریخ موجود نہیں ۔ بعض جدید شعرا اپنے سوانح اور نمونۂ کلام انہیں بھیجتے رہتے تھے ۔ اس قسم کے مراسلات میں جو آخری تاریخ نظر آتی ہے وہ یکم دسمبر ۱۹۳۳ء ہے ۔ اس تاریخ کو نمر مراد آبادی نامی ایک صاحب نے اپنے حالات و نمونۂ کلام پر مبنی ایک خط مرتب تذکرہ کے نام روانہ کیا ہے ۔ بالفرض اگر زیر نظر کاغذات ۱۹۴۵ء میں لائبریری پہنچتے تو ۱۹۳۳ء اور ۱۹۴۵ء کے درمیانی بارہ برس کی کوئی تاریخ تو کسی کاغذ پر ملتی ۔

اب یہ ایک معما ہے کہ کیفی صاحب خمخانۂ جاوید کی پانچویں جلد ۱۹۴۰ء میں شائع کرتے ہیں ۔ چھٹی جلد انہوں نے تیار کی جو، مان لیا کہ ۱۹۴۷ء میں ضائع ہوئی لیکن ساتویں جلد کے لیے فراہم کردہ مواد موصوف نے ۱۹۳۳ء ہی میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں کیوں دے

---

۱ ۔ "بھنت ڈی" ص ۲ ۔

ڈالا ۔ مزید یہ کہ اس میں سے "م" سے تعلق رکھنے والے شعرا کا حصہ کہاں رہ گیا ۔ اس سوال کا جواب صرف کیفی صاحب ہی دے سکتے تھے تعجب یہ ہے کہ انھوں نے ۱۹۳۳ء سے لے کر اپنی وفات یعنی ۱۹۵۵ء تک بائیس برس کے عرصے میں کبھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا ۔

خمخانۂ جاوید ہماری تاریخ ادبیات میں ایک کارنامہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ مقتدرہ قومی زبان اور بالخصوص اس کے صدر نشین بالقابہ اہل علم و ادب کے شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے تذکرہ ہذا کی اس گم شدہ کڑی کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اس کی اشاعت کا ذمہ لیا ۔ ممکن ہے کہ اس کی اشاعت سے اس سارے معاملے پر کوئی صاحب نئی روشنی ڈال سکیں ۔

اصولی طور پر زیر نظر جلد کو ساتویں جلد ہونا چاہیئے تھا لیکن جلد ششم کے ضیاع نیز حرف "م" سے تعلق رکھنے والے مواد کی گم شدگی کے پیش نظر اسے جلد ششم ہی کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے ۔

میں اپنے چند کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ جناب مشفق خواجہ ، جناب عشرت رحمانی ، ڈاکٹر محمد انصار اللہ نظر ، برادرم پروفیسر مظہر محمود شیرانی ، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ، جناب سید جمیل احمد رضوی اور جناب حکیم سید نصیر احمد ترمذی نے ہمیشہ مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازا ۔ میرے بچوں شاہد ، خالد ، سہیل، حسن ، فوزیہ اور نیلوفر نے میری طویل علالت کے دوران ہر طرح سے میرے آرام کا خیال رکھا ۔ میں ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں ۔ اللہ تعالی ان سب کو جزائے خیر دے ۔

خورشید احمد خان یوسفی

۵۸ مین روڈ
سمن آباد ۔ لاہور

کیفی صاحب اور ادیب صاحب

کی تحریروں کے عکس

Mashakganj,
Lucknow.

Name. Mahbub Bashir Kaifi

Since he was a child of 7 or 8 he used to get by heart verses when he heard any and while he was alone by himself he used to recite them with real pleasure and would relish the metre and the flow of the verses.

Approximately between 11th and 14th year of his age while a student of lower classes at the school he used to compose verses now and then. Beauty and grace was indeed an object of attraction for him even at this stage and he would never fail to enjoy a sight if there was any. Upto this time there was no one to guide and help him in his attempts which he carried on somewhat secretly under constant fear of his guardians. There is no trace what of a collection of the verses of this period. One or two of them which are remembered are noted below:

In 1915 while he was about 14 years of age he came in touch with Maulana Aziz as a student of middle class of Aminabad High School, Lucknow, where the maulana was the persian teacher. Here are some of his verses that belong to the period while he was between 14 and 18 i.e. between year 1914 and 1918. These verses are exactly as they were. No alteration whatsoever has been made since their production.

ع

عکس

مرزا محمد عباس لکھنوی ۔ مقیم مٹیا برج کلکتہ ۔ عکس تخلص ۔ مرثیہ خوانی میں نامی تھے ۔ میر انیس و حضرت بہار لکھنوی سے اس فن کی نیکنامی ہے ۔

شکر کیوں کر نہ کروں بندۂ احساں ہو کر
کبھی بھوکا نہ رہا آپ کا مہماں ہو کر

علوی

مولوی عبداللہ خاں ۔ علوی تخلص ۔ اصلی وطن شمس آباد ہے مگر ایام طفلی سے بودوباش حضرت شاہ جہان آباد میں رہی تھی اس لیے وہی وطن ہو گیا تھا ۔ طب میں ان کی مسیحائی کا شہرہ سن کر مرزا دولہ نامی رئیس شمس آباد نے از راہ قدر دانی اپنے پاس بلا لیا ۔ ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی ۔ کسی قدر دان نے یہ تاریخ وفات کہی ۔

علوی کہ چو او نداد کس، دادِ سخن
چوں او نرسیدہ کس، بفریاد سخن
تا کہ ز جہاں رختِ اقامت بربست
ہاتف گفتا فتاد بنیاد سخن

۱۲۶۲ھ

زبان فارسی میں با کمال تھے ۔ کبھی کبھی اردو میں بھی شعر کہتے تھے ۔ مولوی امام بخش صہبائی جنت ماوائی انھیں کی شاگردی کے فیض سے نامور ہوئے ۔ "آثار الصنادید" میں ان کی نظم و نثر فارسی عربی کے نمونے مندرج ہیں ۔ ایک مثنوی نا تمام کہ آٹھ سات جز کی ضخامت رکھتی ہے تحفۃ العراقین کی بحر میں اور دوسری مثنوی قریب دو تین جز

کے گل کشتی میر نجات کے وزن میں اور ایک انشاء ''صفیر بلبل'' کے نام سے اور صحبت نامہ علوی وغیرہ کتب نظم و نثر اُن کے کمالِ قدرتِ سخنوری پر دال ہیں ۔

تذکرہ گلستانِ سخن میں ان کی تاریخ وفات ۱۲۶۸ھ لکھی ہے جو درست نہیں ۔ کیونکہ مولوی صہبائی نے جو قطعۂ تاریخ اُن کی وفات پر لکھا ہے اس سے ۱۲۶۲ھ برآمد ہوتے ہیں اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے ۔ آثار الصنادید سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔

علی

علی تخلص ۔ نواب علی محمد خان بہادر مورث اعلیٰ روسائے ریاست رام پور ۔ نواب محمد سعید خاں بہادر کی زبانی روایت ہے کہ ۱۱۱۸ھ سال ولادت ہے ۔ کل ۴۴ برس کی عمر ہوئی ۔ ۱۱۶۲ھ میں ماہ شعبان کی تیسری تاریخ کو بعارضہ استسقا انتقال کیا ۔ خان زادے کاظم خاں شیدائی نے ''ہے ہے افغان'' مادۂ تاریخ کہا ۔

۱۱۶۲ھ

غ

غوث

الشعرا نواب سید غوث محمد خاں غوث دہلوی - سردار راج بھرت پور -

بے طلب ہر ایک کو دینا ہے کام اللہ کا
ہر گھڑی ہے خلق پر کیا فیض عام اللہ کا
آپ اپنے وقت پر ہوتا ہے کام اللہ کا
اللہ اللہ دہر میں ہے کیا نظام اللہ کا
اُس کی رحمت پر بھروسہ فضل ہر اُس کے یقیں
غوثِ محزوں بھی ہے اک ادنٰی غلام اللہ کا

فنا کے بعد بھی اُلفت سے ہم کو کام رہا
کہ مٹ کے نقش قدم کی طرح سے نام رہا
ہزار رنگ سے دنیا نے جال پھیلائے
اجل کے آتے ہی دانہ رہا نہ دام رہا

وہ آج چشم تصور سے دل میں آ بیٹھے
مزا وصال کا ہم کو خیال یار میں تھا

ارمان کس کے کس کی تمنا کہاں کا شوق
جس سے یہ جمگھٹا تھا وہی دل نہیں رہا
مرنے نے میرے غیر کا ڈھایا غرور سب
میں مٹ گیا تو مدِ مقابل نہیں رہا

تصور ہے پسِ مُردن یہ کس کے روئے روشن کا
چراغ طور پروانہ ہے میری شمع مد فن . کا

مٹائے جس کو تو پھر اس کی شہرت کا ٹھکانہ کیا
قیامت تک رہے گا نام باقی میرے مدفن کا
عبث فکر کفن میرے لیے احباب کرتے ہیں
شہید ناز ہوں کافی ہے سایہ اُن کے دامن کا
خطا ہونے سے اُس کو رنج ہوگا یہ جو سمجھا میں
اُٹھا کر تیر دل میں رکھ لیا اُس ناوک افگن کا

عید ملنے کو گیا تھا اُن پہ قرباں ہو گیا
اُن کا جھک کر مجھ سے ملنا تیغ براں ہو گیا

کوئی دم میں یہ کشتی عمر کی اب پار ہوتی ہے
گلے تک آ گیا ہے بڑھ کے پانی تیغ قاتل کا

دل شکستہ کیا نذر تو کہا اُس نے
کسی کو ٹوٹی ہوئی چیز کا ہے کیا دینا
ستم ہے ، قہر ہے ، آفت ہے جان عاشق پر
کسی کا سامنے آتے ہی مسکرا دینا

بار غم یہ اور قاتل میرے دل پر رکھ دیا
میرے ہوتے غیر کی گردن پہ خنجر رکھ دیا
دل میں مدت سے تھا روشن جو چراغ آرزو
موت نے افسوس دم بھر میں بجھا کر رکھ دیا
بندۂ اُلفت ہیں ہم کو بندگی سے کام ہے
سر جو کعبہ سے اُٹھا یا تیرے در پر رکھ دیا
روز محشر جب ہوا دریائے رحمت موجزن
غوث دھو کر سب مرے عصیاں کا دفتر رکھ دیا
گل کھلانے کی ہوائے گلشن ایجاد کیا
جب فنا لازم ہے پھر آباد کیا برباد کیا

معرفت کی راہ میں مجبور ہے فہمِ بشر
ہیں برابر اس جگہ شاگرد کیا اُستاد کیا

کیا کسی میخوار کی مٹی کا ساغر بن گیا
آسماں پر ابر جو پھرتا ہے چکر کاٹتا
رشک اعدا نے نہیں جمنے دیے اس کے قدم
عمر اپنی غوث ورنہ تیرے در پر کاٹتا

دور جب دل سے خیال ماسوا ہو جائے گا
خود بخود آئینہ دل حق نما ہو جائے گا
کھینچ لائے گی یہاں تک ان کو تاثیر فغاں
نالۂ دل لب پہ آتے ہی دعا ہو جائے گا

قطرے قطرے میں تجھے صورتِ دریا دیکھا
ذرے ذرے میں ترے حسن کا جلوا دیکھا
مجھ کو لینے نہ دیا چین برا ہو دل کا
ہو لیا ساتھ اُسی کے جسے اچھا دیکھا

اچھا بنا ہی دیتا ہے اچھوں کا ساتھ بھی
آئینہ اُن کے عکس سے کیا خوش نما ہوا
آپ اور مجھ کو دشمنِ جاں کا خطاب دیں
یہ لفظ تو ہے غیر کے منہ کا کہا ہوا

دلربائی کی اداؤں سے کہیں بچ سکتا
دل کے پہلو میں اگر اور بھی اک دل ہوتا
جلوۂ شاہدِ وحدت نظر آتا اے غوث
پردۂ عالمِ کثرت جو نہ حائل ہوتا

چمن میں زیر لب اُس شوخ کی پھولوں سے کچھ باتیں
کلی کا مسکرانا اور سراپا گوش ہو جانا
اجل کو دیکھئے سر پیٹتی آئی ہے تربت تک
قیامت تھا مریضِ ہجر کا خاموش ہو جانا

عجب معجز نما ہے نور حسنِ روئے حضرت کا
اسی آئینہ میں جلوہ نظر آتا ہے وحدت کا
ذرا امداد باطن ہو تو بل اس کے نکل جائیں
ملا ہے نفسِ سرکش یا نبی مجھکو بری مت کا
تکیں گے زاہدان خشک منہ ہر اک کا حسرت سے
گنہ گاروں پہ جب برسے گا بادل اُن کی رحمت کا

بڑھ گیا شوقِ شہادت اُن کے تیور دیکھ کر
دیکھتے ہیں وہ مجھے ہر بار خنجر دیکھ کر
چار دن کی زندگی پر زعم تھا اتنا اُسے
آئینہ حیرت میں تھا روئے سکندر دیکھ کر

ارماں ہیں ساتھ فوجِ تمنّا جلو میں ہے
پہنچے ہیں اُس کی بزم میں کس کروفر سے ہم
خود رکھ دیا ہے بڑھ کے گلا تیغ یار پر
کرتے ہیں قطع راہِ محبت کو سر سے ہم

جفائیں عاشقِ ناشاد پر ہر آن کرتے ہیں
پھر اُس پر یہ جتاتے ہیں کہ ہم احسان کرتے ہیں
تمنائے دلِ حسرت زدہ لاشہ پہ روتی ہے
سر مقتل مرا ماتم مرے ارمان کرتے ہیں
زمانے میں بہت سے خودغرض ہیں غوث ایسے بھی
جو اپنے فائدے میں غیر کا نقصان کرتے ہیں

بچپن کا بھی اثر ہے ابھی تک شباب میں
کچھ شوخیاں بھی ساتھ ہیں اس کے حجاب میں
آتی ہے مرحبا کی صدا میکدے سے آج
کس پارسا نے کھائے ہیں غوطے شراب میں
جب تھک کے بیٹھ جاتا ہوں غربت کی راہ میں
صورت وطن کی پھرتی ہے میری نگاہ میں
واعظ کو مے پلا کے بجھائی ہے تشنگی
پہلو ثواب کا نکل آیا گناہ میں

ف

فاخر

نامعلوم الاسم از دیوان غنچہ ارم - کلام موجود - حالات ندارد

فاخر

نواب سید اصغر حسین خان رئیس لکھنؤ - کلام تین شعر - حالات ندارد

فاخر

مرزا ہیر علی بیگ قوم مغل کلام موجود حالات موجود

فاخر

میر چھکا دہلوی شاگرد صبا کلام موجود - حالات موجود

فاخر

منشی محمد فاخر حسین - کلام موجود - حالات موجود

فاخر

میر محبوب علی رضوی - دہلوی - کلام موجود - حالات ندارد - مقیم دکن

فارغ

میاں فارغ شاہ - کلام موجود - حالات ندارد

فارغ[1]

محمد سعید نام - حافظ مرزا عبدالحکیم کے بیٹے - مولد و مسکن پشاور

---

۱ - نو موصول

اصلاح سخن کے لیے ابتدا میں احمد علی سائیں اور بعد میں غریب سہارنپوری کی طرف رجوع کیا ۔ یہ چند شعر ان کے ہیں :

روز افزوں ہے سوز وحدت دل
پھونک دے گی مجھے حرارت دل
کوئی ارماں نہ عمر بھر نکلا
رہ گئی دل کی دل میں حسرت دل

دل سے مونس کو تو کھو بیٹھے ہیں ہجر یار میں
اور کیا دیکھیں دکھاتا ہے مقدر اس کے بعد
ڈھونڈتی ہیں پھر نگاہیں اس خرام ناز کو
کھا کے ٹھوکر چونک اٹھتی ہے قیامت جس کے بعد

خوشنودئے بتاں کا جو ہم کو یقیں نہ ہو
کعبہ میں سجدہ ریز ہماری جبیں نہ ہو
اے چشم شوق دیکھ تو دل میں کہیں نہ ہو
ایسا مکاں ہو اور وہ اس میں مکیں نہ ہو ؟
ہر بت میں دیکھتا ہوں میں اللہ کا جمال
کہتے ہیں جس کو دیر وہ کعبہ کہیں نہ ہو
کس نے تڑپ تڑپ کے محبت میں جان دی
دیکھو کہیں یہ فارغ الدو بگیں نہ ہو

غرور اتنا نہیں اچھا بہار چند روزہ پر
مرا پیغام پہنچا دو نواسنجانِ گلشن تک
اسے کہتے ہیں ربط عشق یہ ہے جذبۂ الفت
زلیخا کے جگر کا چاک ہے یوسف کے دامن تک

اثر صیاد دیکھا تو نے کچھ بلبل کی آہوں کا
کہ شعلے آگ کے پھیلے قفس سے لے کے گلشن تک
مقدر ہی سے مل جاتا ہے کوئی ورنہ اے فارغ
رسائی اس زمانے میں ہے مشکل صاحب فن تک

سنبھلنا دیکھنا موقع محل پھر گفتگو کرنا
سمجھ کر نامہ بر اظہارِ حرفِ آرزو کرنا

تبسم ریز جلوے رونما ہیں بام گردوں سے
نگاہ شوق الجھ کچھ ان سے میں گستاخیاں کرلوں
جمال رعب آگیں دے اگر کچھ تاب گویائی
تو اُس سفاک سے میں ماجرائے دل بیاں کرلوں
اگر موقع ملے اظہار حسن و عشق کا مجھ کو
تو روح حضرت غالب کو اپنا ہم زباں کرلوں
جنوں اتنا ٹھہر لطف خلش حاصل تو ہو جائے
جراحت زار دل پر کچھ نمک افشانیاں کرلوں

فاضل

مولوی سید غلام (؟) وکیل ہائی کورٹ نظام ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد

فاضل

مرزا علی محمد شاگرد مشتاق لکھنوی کلام سات اشعار ۔ حالات ندارد

فاضل

میر محمد حسین خان ۔ کلام تین شعر ۔ حالات ندارد ۔ از محبوب الکلام ۔ ناظم کورٹ آف وارڈس ۔ حیدر آباد

فانی

مرزا نصیر الدین حیدر ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد

فانی

قاضی نذر حسین ۔ وکیل رام پور ۔ کلام دو شعر ۔ حالات ندارد

فانی

مولوی محمد احمد صاحب شاگرد ابراہیم علوی ۔ کلام چار شعر ۔ حالات ندارد ۔ سکونت دکن میں ہے ۔

فانی

محمد شوکت علی خان ۔ کلام ایک غزل ۔ حالات ندارد ۔ بریلی کالج میں بی ۔ اے میں پڑھتے تھے ۔ باشندہ بدایوں ۔

فائز

مرزا محمد حسن بنارسی شاگرد الطاف حسین رابط ۔ کلام چھ شعر ۔ حالات ندارد

فائز

نواب سید ہادی علی خان ۔ کلام سات شعر ۔ حالات ندارد ۔ رئیس عظیم آباد ۔ پٹنہ

فائق

ابوالسیر محمد عثمان الحسینی ۔ کلام چار شعر ۔ حالات ندارد ۔ از محبوب الکلام

فائق

منشی سوہن لال دہلوی ۔ کلام دو شعر ۔ حالات ندارد

فائق

منشی علی حسن خان بنارسی شاگرد صابر ۔ کلام ایک شعر ۔
حالات ندارد ۔

فائق

محمد گھسو خان تلمیذ جناب طاہر کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔
طاہر فرخ آبادی کے شاگرد ۔ باشندہ مین پوری

فتنہ

خواجہ سید نور الحسن عرف کجن صاحب کلام تین اشعار ۔ حالات
ندارد ۔ رئیس اعظم گڑھ ۔

فخر

شمشاد علی خان سوداگر نان پارہ کلام چار شعر ۔ حالات ندارد ۔
اودھ ۔

فخر

حکیم سید فخر الدین شاگرد حاتم علی مہر کلام پانچ شعر حالات
ندارد ۔ خلف میر قطب الدین باطن مولف گلستان بے خزاں ۔

فخر

نواب فخر الدولہ بہادر صاحبزادہ نواب ناظم الدولہ کلام پانچ شعر
حالات ندارد ۔ (حیدر آباد سے دریافت کرو) ۔

فخر

مولوی سید محمد سبحان اللہ خان کلام آٹھ شعر حالات ندارد ۔ رئیس
اعظم گورکھپور ۔

فدا

فدا خیر آبادی ۔ کلام تین شعر ۔ حالات ندارد ۔

فدا

مولوی عبدالواحید تلمیذ داغ ۔ کلام دو شعر ۔ حالات ندارد ۔ از پیام عاشق ۔

فدا

سید فدا عباس موہانی ناظر منصفی بہرائچ ۔ کلام تین شعر۔ حالات ندارد ۔ تلمیذ خورشید لکھنوی ۔

فدا

مرزا فدا حسین ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فدا

مرزا محمد ولی الدین ۔ مصاحب نواب صاحب رام پور ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ مقیم رام پور ۔ شاگرد راسخ دہلوی ۔

فدا

مرزا محمد ولی الدین ۔ خلف صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔

فدا

شیخ عبدالغفار رئیس اعظم ۔ کلام پانچ شعر۔ حالات ندارد ۔ شیخوپورہ ضلع بدایوں ۔ از گلدستہ بدایوں ۔

فدا

منشی فدائی حسین ۔ وکیل عدالت دیوانی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے شاگرد دو دیوان ریختہ ہیں ۔

فدا

قاضی فدا حسین خیر آبادی ۔ کلام چار شعر ۔ حالات ندارد ۔ مقیم حیدر آباد ۔

فدا

منشی رام چندر داس ۔ شاگرد شمشاد لکھنوی ۔ کلام پانچ شعر ۔ حالات ندارد ۔

فدا

فدا حسین خان مرحوم لکھنوی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فدا

مرزا بلند بخت ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فدا

پنڈت لچھی رام دہلوی شاگرد سودا۔ کلام دو شعر۔ حالات موجود۔

فدا

مرزا سکندر بخت ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فدا

پنڈت ٹیکا رام دہلوی مقیم لکھنؤ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔

فدا

مولانا محمود علی مرحوم ۔ والد کا نام مظہر علی ۔ وطن امیٹھی ضلع لکھنؤ تھا ۔ آپ سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم بہاؤ الحق الملقب بہ خاصہ خدا قدس سرہ تھے ۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عبدالعزیز المعروف بہ عبداللہ علم بردار مکی" تک پہنچتا ہے ۔ جو اصحاب صفہ میں سے اور سر حلقۂ خانوادۂ قلندریہ تھے ۔

فدا مرحوم ۱۶ رمضان المبارک کو ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے ۔ تاریخی نام غلام صمدانی تھا ۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور امیٹھی کے مشہور حافظ یار محمد سے قرآن حفظ کیا ۔ نو عمری ہی میں رام پور (ریاست) چلے گئے ۔ وہاں فارسی اور عربی کی تکمیل کی اور وہیں شیخ فریدالزماں خلف ڈپٹی وحیدالزماں کی بڑی صاحزادی کے ساتھ آپ کا عقد ہوا ۔

فدا مرحوم کشیدہ قامت ، خوش رو، خوش آواز، خوش طبع ، خوش اخلاق اور خوش نویس بھی تھے ۔ رفتار و گفتار سے مرزا منشی ٹپکتی تھی ۔ بہت خوش گو شاعر اور حضرت امیر مینائی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۔ اس کے علاوہ اسیر ، بحر ، منیر، قلق ، عروج سے اُستادوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے ۔

۱۳ اگست ۱۸۹۳ء کو بعارضہ دق امیٹھی ہی میں آپ کا انتقال ہوا ۔ افسوس ہے کہ آپ کا جس قدر کلام تھا سب ضائع گیا ۔ یہ چند شعر مل سکے جو نذرِ قارئین ہیں ۔

چشم بینا دی ، لب گویا ، دل دانا دیا
واہ رے دین اس کی بے مانگے ہمیں کیا کیا دیا

نصیحت سے کوئی مانع نہیں اے شیخ حضرت کو
مگر قبلہ ذرا سمجھے ہوئے مستوں کی عادت کو

نکلے ہیں بن ٹھن کے وہ عالم کشی کے واسطے
موت بھی مضطر ہے اپنی زندگی کے واسطے
دل دکھائیں اور کا اپنی خوشی کے واسطے
اے خدا آخر یہ کتنی زندگی کے واسطے
زندگی دم بھر کی بھی اب تو خدایا تلخ ہے
مجھ کو آ جائے جو آئی ہو کسی کے واسطے
اے فدا کس کا تعشق کس کا پیغامِ وصال
چھیڑ ہے مہ طلعتوں سے دل لگی کے واسطے

روک لے دور مئے ناب کوئی دم ساقی
یہ ہے مسجد ابھی ہم پڑھ کے نماز آتے ہیں
کبھی جھوٹوں خبر لیتے نہیں جیتے کہ مرتے ہیں
مرے عیسیٰ مریضوں کی دوا کیا یوں ہی کرتے ہیں

مبارکباد کو نکلے ہیں ارماں دل سے بسمل کے
وہ اپنے ہاتھ سے زخمِ جگر میں مشک بھرتے ہیں
ادا بگڑی ہوئی جن کی قضائے جان عاشق تھی
قیامت ہے کہ وہ بت آج بنتے ہیں سنورتے ہیں

ہاں ہو سوالِ وصل پہ یا جانِ جاں نہیں
تم تو کچھ ایسے چپ ہو کہ گویا زباں نہیں

حاجت نہیں ہے حسنِ ازل کو بناؤ کی
سرمہ کوئی لگاتا ہے چشمِ غزال میں

فدوی

مرزا محمد علی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فدوی

منشی مکند لال ۔ لاہور ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فدوی

فیض اللہ بیگ ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فراغ

مرزا یاسین بیگ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔

فراغ

سید مہدی حسن لکھنوی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فراق

حکیم ثناءاللہ ۔ کلام موجود ۔ صاحب دیوان ہیں ۔

فراق

حافظ عنایت حسین ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فراق

محمد نذیر ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ دھرم پور ضلع بلند شہر
از پیام عاشق ۔

فراق

خواجہ بہادر حسین شاگرد ۔ سحر کلام موجود حالات ندارد ۔

فرحان

میر مہربان علی شاگرد آتش کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔

فرحت

محمود علی خان دہلوی کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ ۱۲۹۹ھ سے حیدر آباد میں ہیں ۔

فرحت

اکبر شاہ خان متوطن رام پور کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔

فرحت

سید فرحت حسین باشندہ پٹنہ ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ تلمیذ وحید الہ آبادی ۔

فرحت

شیخ حسین علی میرٹھی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فرحت

محمد حسین ابن سعادت علی عیش کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ قیام رام پور بسلسلہ ملازمت ۔

فرحت

کنور بشن پرشاد دہلوی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ صاحب دیوان گزرے ہیں ۔

فرحت

شیخ فرحت اللہ ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فرحت

مولوی محمد بدیع الدین کلام ندارد ۔ حالات ندارد ۔ شاگرد شوکت میرٹھی ۔ ایس ۔ پی ۔ جی ۔ کالج ۔ ترچناپلی ۔

فرحت

شیخ رحیم بخش کلام ایک شعر ۔ حالات ندارد

فرحت

بابو رگھناتھ سہائے ۔ کلام دو شعر ۔ حالات ندراد ۔ شاگرد ساغر

فرحت[1]

منشی محمد حیات بخش نام خلف الصدق میاں غلام حسن پیشہ ٹھیکہ داری تعمیر عمارت ساکن موضع سید ضلع راولپنڈی پنجاب ۔ پیدائش تقریباً ۱۹۰۸ء میں ہوئی ۔ ابتدائی مدارس میں تعلیم پانے کے بعد منشی لعل چند گوسائیں ساکن سید سے فارسی زبان کی تکمیل کی ۔ خواجہ عشرت لکھنوی سے مشورہ سخن کی استدعا کی مگر موصوف نے اپنی پیرانہ سالی کا عذر فرما کر اپنے شاگرد مولوی عبدالغفور کامل عظیم آبادی سے اصلاح لینے کی ہدایت فرمائی چنانچہ ان سے مشورہ سخن جاری ہے ۔ ایک دور افتادہ موضع میں رہ کر ادب اور شعر گوئی کا مذاق اور سلیقہ بیشک داد کے قابل ہے اگر استاد نے کافی توجہ دی اور انھوں نے مشق سخن جاری رکھی تو اچھا کہنے لگیں گے ۔ یہ چند شعر ان کے ہیں :

غیر ممکن تو نہیں وصل کا ساماں ہونا
ہاں مگر شرط ہے جی جان سے کوشاں ہونا
نیکیاں کتنی ہوں سب خاک میں مل جاتی ہیں
کرکے احسان ہے برا مظہر احساں ہونا

---

۱ ۔ نوموصول

دعوے عشق و محبت ہے اسی کو لازم
جس کی تقدیر میں ہو بے سرو سامان ہونا
اس کی خلقت میں ہے آمیزش نسیان و خطا
لازمی امر ہے انسان سے عصیاں ہونا
شاذ ہوتے ہیں سخن فہم سخن کو فرحت
کھیل سمجھا ہے سخن سنج و سخنداں ہونا

حسینان جہاں بھی اس کی کرتے ہیں ثنا خوانی
تمھاری موہنی صورت زمانے سے نرالی ہے
ضیائے شمع رخ سے کیوں نہ دنیا جگمگا اٹھتی
تیری صورت خدا نے نور کے سانچے میں ڈھالی ہے
بٹھا کر دشمنوں کو گالیاں دیتا ہے تو مجھ کو
تری طرز جفا ظالم ! زمانے سے نرالی ہے

جلوہ جو مجھ کو آپ دکھا دیتے خواب میں
کٹتی شب فراق نہ یوں اضطراب میں
حسن و جمال ان کا ابھی سے ہے لا جواب
کچھ اور رنگ لائے گا جوبن شباب میں
تشبیہ کس سے عارض رنگیں کو ان کے دوں
نزہت ہے ویسی اور نہ رنگت گلاب میں
ناصح ! نہ باز آؤں گا میں عشق یار سے
بے جا ہے چھیڑ چھاڑ تعشق کے باب میں
فرحت جواب داور محشر کو دو گے کیا
گزرا نہ ایک لمحہ بھی کار ثواب میں

فرخ

سید فتح علی کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ شاگرد سید حیدر کلکتوی ۔

فرخ

آنریبل نواب سر امیر الدین احمد ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود معروف بہ نواب فرخ مرزا ۔

فرخ

میرزا فرخ محمد تقی علی ۔ کلام تین شعر ۔ حالات ندارد ۔ بنا بالکل ندارد ۔

فرخ

سید فرخ حسین کلام تین شعر ۔ حالات ندارد ۔ انسپکٹر مدارس ۔

فرخ

راجہ شبو درشن سنگھ ۔ کلام چار شعر ۔ حالات ندارد ۔ والی ریاست کرنال پور۔

فرح

کرامت اللہ خان شاگرد ناسخ ۔ کلام چھ شعر ۔ حالات ندارد ۔

فرخ

غلام قادر ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ نوموصول شدہ ۔

فرد

مولوی وحید الدین عرف خدابخش ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ صاحب دیوان تھے ۔

فرقت

مولوی کریم بخش شاہجہانپوری کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ شاگرد حضرت جلال ۔

فرمان

منشی محمد حسین کلام دو شعر ۔ حالات ندارد ۔ بریلوی ۔

فروغ

مرزا قیصر بخت خلف مرزا قادر بخش صابر ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ بنارس ۔ حالات مطلوب از لسب حیدر آباد ۔

فروغ

کنوربدری کشن ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ مطلوب برق بارونق دہلوی سے ۔

فروغ

مولوی سید امیر حسن لکھنوی تلمیذ لقا ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ وکیل ہائی کورٹ حیدر آباد ۔

فروغ

ریاض الزماں خاں شاگرد امیر ۔ کلام موجود تین شعر ۔ حالات ندارد ۔ مطلوب از قمر صاحب ۔

فروغ

منشی محمد حنیف شاگرد ظہیر دہلوی ۔ کلام تین شعر ۔ حالات ندارد ۔

فروغ

محمد عبدالحمید خلف محمد وارث کلام دوشعر ۔ حالات ندارد ۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل گوالیار شاگرد خورشید لکھنوی ۔

فروغ

مولوی محمد عبدالرحمن خان کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ کورٹ انسپکٹر مرزا پور ۔ حالات دریافت طلب از الہ آباد ۔

فرہاد

سید احمد حسین مدرس صفی پوری شا گرد قدر ۔ کلام تین شعر حالات ندارد ۔ بلگرامی

فریاد

محمد یوسف شریف تلمیذ فاخر ۔ کلام پانچ شعر ۔ حالات ندارد ۔

فریاد

قاضی عابد علی خان شا گرد رند ۔ کلام چھ شعر ۔ حالات ندارد ۔

فریاد

قاضی احتشام الدین مراد آبادی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ شا گرد محمد مہدی علی زکی ۔

فریاد

شیخ عنایت حسین ۔ اٹاوہ ۔ کلام ایک شعر ۔ حالات ندارد ۔

فسوں

مرزا منجھلے ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فصاحت

میر آغا حسن ۔ کلام موجود ۔ حالات مطلوب از لکھنو ۔

فصاحت

سید عباس حسن خلف امانت ۔ کلام و حالات ہر دو مطلوب از لکھنؤ ۔

فصیح

قاضی عبدالصمد شا گرد امیر کلام سات شعر حالات مطلوب از قمر لکھنوی ۔

فصیح

مرزا جعفر علی شاگرد ناسخ ۔ کلام مطلوب ۔ حالات مطلوب ۔

فصیح

مولوی محمد فصیح الزمان ۔ کلام موجود ۔ حالات مطلوب ۔ ملازم رام پور ۔ ساکن فرخ آباد ۔

فصیح

منشی کنور بہادر لکھنوی محرر دوم سررشتہ افیون کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ شاگرد مہجور ۔

فضا

محمد عالی جاہ رئیس بسواں نواح لکھنؤ کلام موجود حالات مطلوب ۔

فضا

نامعلوم الاسم ۔ کلام موجود ۔ حالات مطلوب ۔ استفسار از گورکھپور ۔

فضا

محمد محبوب علی حیدر آبادی شاگرد شوق کلام این شعر ۔ حالات مطلوب از حیدر آباد ۔

فضل

حاجی محمد فضل اللہ خان لکھنوی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فضل

منشی فضل مولا خان ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ ۱۸۰

فضل

مولوی محمد فضل حق تلمیذ حبیب الرحمٰن بیدل کلام تو شعر ۔ حالات موجود ۔

فضل

ابوالسیف محمد فضل حق منصبدار حیدر آباد کلام مطلوب۔ حالات مطلوب از حیدر آباد۔

فطرت

کفایت اللہ ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فطرت

حکیم ڈون اکسنین ڈی سوا بورنگیز خان ۔ کلام موجود۔ حالات موجود۔

فطرت

خواجہ عبدالرحمٰن ۔ کلام موجود۔ حالات موجود ۔

فغاں

سید سکندر علی ۔ کلام موجود۔ حالات موجود ۔

فغاں

اشرف علی خاں ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فغاں

منشی گوبند سہائے فرخ آبادی ۔ کلام موجود۔ حالات مطلوب۔ مقیم سعد آباد ۔ ضلع متھرا ۔

فقیر

میر شمس الدین عباسی دہلوی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فقیر

نواب الہ الدولہ المعروف بڈھن صاحب ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فقیر

میر فقیر ـ کلام موجود ـ حالات موجود ـ

فقیر

سید شاہ عبدالرزاق ـ کلام موجود ـ حالات موجود ـ

فقیر

فتح علی خان فرخ آبادی ـ کلام موجود ـ حالات موجود ـ

فکر

مرزا مہدی حسن خان عرف آغا ابو صاحب ـ کلام لو شعر ـ حالات مطلوب ـ خلف مرزا والا جاہ بہادر ـ استفسار از لکھنؤ ـ

فکر

میر اچھو ساکن لکھنؤ ـ از تذکرہ شوق ـ

فکر

سید ابن الحسن متوطن آرہ ولد سید نور الحسن ـ

فکر

حکیم غلام رسول ـ

فکری

میرزا حسن نبیرہ شاہ عالم کلام چار شعر ـ حالات مطلوب ـ استفسار از نبیرہ حیدر آباد ـ

فگار

میر حسین دہلوی کلام موجود ـ حالات موجود ـ

نگار

مولوی محمد حسن رئیس اعظم بدایون شاگرد دلدار علی مذاق ۔ کلام ندارد ۔ حالات ندارد ۔ نظامی پریس بدایون ۔

فلک

سید بنیاد حسین لکھنوی شاگرد و برادر زادہ حکیم ۔ کلام چار شعر حالات ندارد ۔ خلف امیر مرحوم ؟ ہردو مطلوب از نگار صاحب ۔

فوق

میر ولد حسین شاگرد صبا مرحوم کلام موجود ۔ حالات مطلوب ۔ استفسار لکھنؤ ۔

فوق

منشی محمد الدین ۔ ایڈیٹر پنجہ فولاد لاہور ۔ کلام موجود ۔ حالات مطلوب ۔ از کیفی صاحب ۔

فوق

شیخ عبدالصمد ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فوق

لالہ گوبند پرشاد بریلوی شاگرد خمار ۔ کلام چار شعر حالات مطلوب ۔

فہم

لالہ منالال شاگرد حضرت ہوش کلام موجود ۔ حالات مطلوب ۔ از گلدستہ لطف ۔

فہم

ڈاکٹر مولا داد خان کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔

فہم

مرزا عبدالمجید گورکھپوری ـ کلام موجود ـ حالات ندارد ـ

فہم

منشی وارث علی شاگرد بحر لکھنوی ـ کلام موجود ـ حالات ندارد ـ شاگرد ناسخ ـ

فہم

مرزا فتح علی برادر خورد وزیر آصف الدولہ کلام تین شعر ـ حالات مطلوب ـ از تاریخ اودھ ـ

فہم

پنڈت سندر لال کلام مطلوب ـ حالات مطلوب ـ الہ آباد ـ

فہمی

شیخ دیانت حسین خلف شیخ ہدایت حسین کلام موجود ـ حالات مطلوب ـ شاگرد لساخ ـ سب السپکٹر مدارس ع موانگیر ـ

فہیم

عظیم آبادی ـ نامعلوم ـ کلام دو شعر ـ حالات ندارد ـ

فیاض

منشی فیاض احمد فاروقی جھنجھانوی کلام موجود ـ حالات دریافت طلب ـ شاگرد داغ مقیم جودھ پور ـ از احسن مارہروی ـ

فیاض

حاجی حافظ فیاض الدین خان حیدر آبادی کلام موجود ـ حالات مطلوب ـ فرزند عزیز الدین خان ـ شاگرد شمس الدین فیض ـ از حیدر آباد ـ

فیاض

شیخ محمد عبدالغفور دہلوی خلف احسان الہٰی کلام سات شعر ۔ حالات ندارد ۔

فیاض

فیاض علی خان پیش کار ۔

فیروز

نامعلوم ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ ہمارا خیال ہے کہ اس سے مطلب ہے حکیم فیروز الدین امرتسری ۔ مطلوب از امرتسر ۔

فیض

مولوی فیض الحسن سہارن پوری ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فیض

ظفر یاب الدولہ شاگرد آتش ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فیض

میر شمس الدین حیدر آبادی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فیض

حکیم نظام الدین لکھنوی مقیم بنارس ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

فیض

میر فیض علی خلف میر تقی مقیم لکھنو ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود تحقیق طلب از عشرت لکھنوی ۔

فیض

فیض علی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ از الہ آباد ۔ سخن شعرا ۔

فیض

پنڈت کرپا کرشن کشمیری مقیم لکھنؤ ۔ کلام موجود ۔ حالات مطلوب ۔

فیضی

نواب جعفر علی خاںؔ نواب پٹنہ ۔ کلام موجود ۔ حالات مطلوب ۔

فیضی

حضرت فیض قادری ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ کلام و حالات ہر دو موجود نو موصول ۔

ق

قدیر[1]

قدیر احمد خان قدیر (سابق عزم) لکھنوی ۔ ولادت وطن مالوف شہر لکھنؤ میں ۳۰ اگست ۱۸۹۰ء کو ہوئی ۔ آٹھ سال کی عمر تک دینیات (کتب مذہبی عربی) کی تعلیم ہوتی رہی ۔ اس کے والد اپنے والد ماجد منشی مولوی احمد خان صاحب نظم لکھنوی سے کتب فارسی درسیہ وغیرہ پڑھیں ۔ نیز سرکاری سکول میں انگریزی کی بھی تعلیم حاصل کی ۔ اس کے بعد دہلی کے اوسی محکمہ میں کلرک مقرر ہوئے اور پھر ترقی پا کر ہیڈ کالیسٹ ہو گئے اوائل عمری سے فطرتاً طبیعت میں موزونیت کا مادہ موجود تھا اور وقتاً فوقتاً فارسی و اردو دواوین کی سیر کیا کرتے تھے چنانچہ ۱۹۱۳ء میں دلپائے شاعری میں قدم رکھا ۔ ابتداً چند غزلیں والد ماجد (ارشد تلامذہ جناب مصطفیٰ مرزا عرف پیارے صاحب رشید لکھنوی مرحوم و مغفور) نے ملاحظہ فرمالیں۔ جو اصلاح کے ساتھ ساتھ علم عروض و قوافی وغیرہ کا درس بھی دیتے رہے ۔ اس کے بعد اُنھوں نے اپنے اُستاد پیارے صاحب رشید کے سپرد کر دیا ۔ چنانچہ قدیر صاحب کے بیان کے مطابق کم و بیش پانچ ۵ سال تک اُنھوں نے اُستاد موصوف کی خدمت کی اور اُن کے زیر تربیت رہ کر بہت کچھ نکات فن اور عیوب و محاسن شعری سے واقفیت حاصل کی ۔ ستمبر ۱۹۱۸ء میں جب بعارضۂ فالج اُن کا انتقال ہو گیا تو اُن کے برادر خورد جناب باقر صاحب حمید کی خدمت میں نیازمندی کا فخر حاصل کیا۔ جو اکثر اُن کی غزلوں پر اصلاح فرماکر فن شاعری سے متعلق ضروری باتوں سے مطلع فرما دیا کرتے تھے چار سال تک ان

---

۱ ۔ نوموصول

کی تربیت سے فیض یاب رہے۔ اُن کے انتقال پر ملال پر قدیر صاحب نے ایک قطعہ تاریخ کہا:

کیا ملا تجھ کو چرخ تفرقہ ساز
غم کی دل پر مرے گھٹا چھائی
اشک حسرت رکے نہ آنکھوں سے
گو طبیعت ہزار بہلائی
آئی تیسویں[۲۳] صفر کی جب
بڑھ گئی اور ناشکیبائی
عزم آخر بروز یکشنبہ
ناگہاں میں نے یہ خبر پائی
گئے سوئے جناں جناب حمید
حور و غلماں تھے جن کے شیدائی
یاد کار تعشق مرحوم
پیارے صاحب رشید کے بھائی
ہند کی شاعری نے جس در پر
پشت ہا پشت کی جبیں سائی
جب ہوئی مجھ کو سال فوت کی فکر
طبع ناشاد اور گھبرائی
غم سے نکلے نہ کیوں دل گلچیں
چمن عشق میں خزاں آئی

۱۳۳۹ھ۔

مزید نمونۂ کلام ملا حظہ ہو

کلمہ پڑھیں گے اور کبھی سجدا کریں گے ہم
سو سو طرح سے عرض تمنا کریں گے ہم
ناصح نہ پوچھ عشق میں کیا کیا کریں گے ہم
جیسا سمجھ میں آئے گا ویسا کریں گے ہم

روز اعتبارِ وعدۂ فردا کریں گے ہم
توڑا کریں گے دل کو وہ جوڑا کریں گے ہم
تھوڑی بہت تو ہو گی تلافی گناہ کی
ہر گھونٹ پر شراب کے توبا کریں گے ہم
مفہوم تھا صدائے اناالحق کا اے قدیر
اپنے سوا کسی کو نہ سجدا کریں گے ہم

ایک سی حالت ہے جب راحت کا ساماں کچھ نہیں
کیا وطن کی صبح، کیا شام غریباں، کچھ نہیں
دیکھتا کیا ہوں جنوں کا زور گھٹ جانے کے بعد
اک سرے سے آستیں ، دامن، گریباں کچھ نہیں

ادا تو خوب ہے غنچوں کے مسکرانے کی
مگر جو خیر رہے میرے آشیانے کی
ہمیں پہ چرخ نے توڑے ظالمِ دنیا
ہمیں پہ ختم ہوئیں گردشیں زمانے کی
حضور غور سے دیکھیں لہو کے اشکوں کو
ہر ایک قطرہ ہے سرخی مرے فسانے کی

ترس ترس کے کٹی عمر آشیاں کے لیے
نہ جانے چرخ نے بدلے کہاں کہاں کے لیے
میں ایسا سوختہ قسمت ہوں اے چمن والو
جلا چمن کا چمن میرے آشیاں کے لیے
چمن میں سبزہ بھی ہے پھول بھی ہیں کانٹے بھی
جگہ نہیں ہے تو اک میرے آشیاں کے لیے
لحد کی آڑ میں دشمن سے چھپ کے بیٹھا ہوں
زمین سر پہ اٹھا لی ہے آسماں کے لیے

ایک دن میں جو سوئے کوچۂ قاتل آیا
مجھ کو ہر خاک کے ذرے میں نظر دل آیا
تھا مرے خون میں سب رنگ وفاداری کا
کوئی دھبہ نہ سرِ دامنِ قاتل .آیا
تجربہ کی تمھیں اک بات بتاتا ہوں قدیر
سامنا موت کا ہوتا ہے جہاں دل آیا

———

پردہ کی شرم رکھئے تماشا نہ کیجیے
بٹھیے بٹھائے حسن کو رسوا نہ کیجیے
پردے پڑے ہیں عقل پر ایسے کہ اے قدیر
دنیا یہ کہہ رہی ہے کہ پردا نہ کیجیے

———

آہ خالی جائے گی بیکار نالے جائیں گے
جائیں لیکن حوصلے دل کے نکالے جائیں گے
شوق سے پردہ اٹھا دو تم حریمِ ناز کا
دل جہاں تک ہم سے سنبھلے گا سنبھالے جائیں گے
برق سے محفل سنواری جا رہی ہے طور کی
آج موسیٰ نور کے سانچے میں ڈھالے جائیں گے
دشمنوں سے بھی کرو نیکی جہاں تک ہو قدیر
اہلِ دنیا ساتھ کیا لائے ہیں کیا لے جائیں گے

———

میں نے جب مے کے نہ پینے کی قسم کھائی ہے
آسماں پر وہیں گھنگھور گھٹا چھائی ہے
روشنی طور پہ تھی دم سے فقط موسیٰ کے
اب تماشا ہے کوئی اور نہ تماشائی ہے

———

خدا جانے زمانہ اے جنوں کیوں مجھ پہ خنداں تھا
مرا دامن تھا ، میرے ہاتھ تھے، میرا گریباں تھا

ہمیں پر مہرباں تیرِ نگاہِ نازِ قاتل تھا
یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب ہمارے پاس بھی دل تھا
خدا معلوم کیا ہے فائدہ کیا اس کا حاصل تھا
بنایا تھا مجھے کیوں گر مٹا دینے کے قابل تھا
قدیر اب بھی ہے کوہِ طور، جلوے بھی بہ کثرت ہیں
مگر موسیٰ کے دم تک اور ہی کچھ رنگِ محفل تھا

ہے دو لفظوں میں میری داستانِ خانہ بربادی
فلک پر برق چمکی ، آشیانے سے دھواں نکلا
سمجھتا تھا کہ بعد مرگ کچھ آرام پاؤں گا
زمینِ قبر کا ایک ایک ذرہ آسماں نکلا
یہ سوز و سازِ عشق و حسن تو دیکھو سرِ محفل
کہ پروانہ جلا اور شمع کی لو سے دھواں نکلا
اہلِ دنیا شادی و غم میں شریکِ حال تھے
اے عدم والو یہاں کیا رسم کیا دستور ہے
کم سے کم اتنا بتا دے او کرم نا آشنا
تیرے کوچے کی زمیں سے چرخ کتنی دور ہے
جزوِ ہستی بن گئے ہیں آئے دن کے انقلاب
شاید اب تجھ کو مٹا دینا منظور ہے

میں وہ میکش تھا کہ مرنے پہ بھی سرشار رہا
میرے حصے کی چھلک جاتی ہے پیمانوں سے
پھر تو کچھ اور نظر آتی ہے دنیائے جنوں
کبھی دیوانے جو مل جاتے ہیں دیوانوں سے

پڑ گیا بال مرے شیشۂ توبہ میں قدیر
جب لڑی آنکھ چھلکتے ہوئے پیالوں سے

توڑ لیا تھا ایک پھول میں نے کبھی بہار میں
دامنِ وحشت آج تک اُلجھا ہوا ہے خار میں
صبح سے شام ہو گئی ، نیند حرام ہوگئی
عمر تمام ہو گئی آپ کے انتظار میں
ہے تیری ذات باصفات، دن ہے کبھی کبھی ہے رات
سارا نظام کائنات ہے تیرے اختیار میں
جام سے آنکھ لڑ گئی ، توبہ پہ اوس پڑ گئی
شیشے کی پھانس کڑ گئی نیتِ بادہ خوار میں
باغ و بہار بن گیا ، پھولوں کا ہار بن گیا
جس کا مزار بن گیا سرحدِ کوئے یار میں
پایا وہ پیرِ دستگیر ، جس کا نہیں کوئی نظیر
سجدۂ شکر کر قدیر کعبۂ اعتبار میں

قدیر بعد فنا غور کر رہا ہوں میں
بدل گیا ہے جہاں یا بدل گیا ہوں میں
لگاہِ یار تیری بے رخی معاذ . اللہ
زمانے بھر کی نگاہوں سے گر گیا ہوں میں
کفن کے رنگ میں ڈوبی ہے ہر سحر تیری
شب فراق تجھے خوب جانتا ہوں میں۔
فضائے دہر میں گونجیں نہ کیوں مرے نالے
کہ تیرے چھیڑے ہوئے ساز کی صدا ہوں میں

قفس سے چھوٹ کے دل میرا شادماں نہ ہوا
جب آشیاں کی لگی لو تو آشیاں نہ ہوا

نہاں تھی صبر کے پردے میں یادِ دامن دوست
ہماری آنکھ سے آنسو کبھی رواں نہ ہوا
ہے ذکرِ دار و رسن آج تک زبانوں پر
مٹا جو راہ میں تیری وہ بے نشاں نہ ہوا
قدیر نزع میں اک مہرباں سے حالِ فراق
بیان کرنا چاہا مگر بیاں نہ ہوا

ہوا خیال کہ چاکِ جگر رفو کر لیں
نظر جو کی تو گریباں میں کوئی تار نہیں
یہ کس نے سازِ محبت ازل میں چھیڑا تھا
کہ آج تک دلِ بیتاب کو قرار نہیں

حسن نے روزِ ازل جب عشق کی تقسیم کی
تھوڑا تھوڑا درد سب کے دل میں پیدا کر دیا
آپ کو دل کی حقیقت دیکھنا منظور تھی
دیدۂ تر نے وہ ساماں بھی مہیا کر دیا
تیری فطرت کے تصدق تیری قدرت کے نثار
دل کے اک ذرے کو وسعت دے کے دنیا کر دیا
جب بنایا آشیاں میں نے گلستاں میں قدیر
برق سے پھولوں نے کچھ ہنس کر اشارا کر دیا

اے موت تو نے آ کر دنیا مری بدل دی
کل تک زمیں زمیں تھی اور آج آسماں ہے
قصہ چھڑا ہوا ہے محشر میں تیر و دل کا
کچھ ذکر آپ کا ہے، کچھ میری داستاں ہے
دیکھوں تو بے نیازی کرتا ہے تو کہاں تک
اب تو میری جبیں ہے اور تیرا آستاں ہے

ہر سانس میں شکرانہ ہر گام پہ سجدا ہے
اب ذوقِ جبیں سائی تکمیل کو پہنچا ہے

———

پہلے تھا تماشائی اب آپ تماشا ہے
اس کو تو کوئی دیکھے جس نے تجھے دیکھا ہے
ہستی و عدم کیا ہیں، آئینہ کے دو رخ ہیں
اک سمت اُجالا ہے اک سمت اندھیرا ہے
اب سر نہیں اٹھنے کا سنگِ درِ جاناں سے
میرا یہی قبلہ ہے میرا یہی کعبہ ہے
تم ظلم کیے جاؤ ہم صبر کیے جائیں
وہ کام تمھارا ہے یہ کام ہمارا ہے
وہ بزم ازل کی ہو یا طور کی محفل ہو
او پردہ نشیں میں نے تجھ کو کہیں دیکھا ہے
یا روحِ گلستاں تھے یا ننگ قفس ہیں ہم
اک وہ بھی زمانہ تھا اک یہ بھی زمانہ ہے

———

مریض عشق ہوں اور ایسی ناتوانی ہے
کہ موت آئے تو سمجھوں کہ زندگانی ہے
گرا رہی ہے جو ہوش و حواس پر بجلی
یہ ہو نہ ہو تری آوازِ لن ترانی ہے
کہیں ہے تکیہ، کہیں سر ہے اور کہیں زلفیں
غضب کی نیند ہے اور کیوں نہ ہو جوانی ہے
بجھی نہ پیاس کسی تشنہ کامِ اُلفت کی
تمھاری تیغ میں بس دیکھنے کا پانی ہے
مدام وعدۂ فردا پہ ٹالنے والے
مجھے بتا دے مری کتنی زندگانی ہے

———

ہنستا ہے کوئی ، کوئی روتا نظر آتا ہے
دنیا ہے ابھی دیکھو کیا کیا نظر آتا ہے
منہ پھیر کے روتے ہو کیوں چارہ گرو آخر
کہا میرے مقدر کا لکھا نظر آتا ہے
یہ آخری آنسو ہے خونِ دل عاشق کا
یا صبح شبِ غم کا تارا نظر آتا ہے
یہ شان کسی کے بھی جلوے میں نہیں دیکھی
تو ساری خدائی میں تنہا نظر آتا ہے
محشر میں قدیر اپنی بپتی میں کہوں کس سے
جو ہے وہ مصیبت کا مارا نظر آتا ہے

بہار آئی مبارک ہو جنونِ فتنہ ساماں کو
وہ غنچے مسکرائے دیکھ کر میرے گریباں کو
تمہارا بھی یہی کچھ اک نہ اک دن حشر ہونا ہے
نہ ٹھکراتے چلو اے رہروؤ گورِ غریباں کو
وہ دیوانہ ہوں کوئی کہہ نہیں سکتا ہے دیوانہ
اس اطمینان سے میں چاک کرتا ہوں گریباں کو

قربان ترے جلوہ دکھانے کی ادا کے
تا دیر میں کھویا سا رہا ہوش میں آ کے
خود دیکھا بہ ناز اپنی طرف وجد میں آ کے
نقاش ازل نے تری تصویر بنا کے
موسیٰ کا تمہیں واسطہ دیدار دکھا دو
ہم سرمۂ طور آئے ہیں آنکھوں میں لگا کے
بیمار کی آنکھوں کا اشارہ ہے دمِ نزع
جاتی ہوئی دنیا ہوں مجھے دیکھ لو آ کے

فریاد ہے اے شہر خموشاں کے مکینو
تربت نے دبایا ہے اکیلا مجھے پا کے

فکر دنیا تھی نہ کچھ اندیشۂ انجام تھا
ہائے کیا عالم تھا وہ جس کا جوانی نام تھا
کیا سمائی وسعت عالم نگاہوں میں مرے
مٹنے والے دل کے ہر ذرے کا دنیا نام تھا
انگلیاں اُٹھتی تھیں مجھ پر راہ اُلفت میں قدیر
دوسرے لفظوں میں گویا بد نہ تھا بدنام تھا

غم و رنج و الم جتنے تھے دنیائے محبت میں
مرے اللہ کیا سب لکھ دیے ہیں مری قسمت میں
جو لکھنا تھا تجھے وہ لکھ چکا ہے میری قسمت میں
مگر اس وقت بھی سب کچھ ہے تیرے دست قدرت میں
کماں میں تیر، رخ ہے سوئے دل اور شوخ کہتا ہے
بتا سکتے ہو یہ ناوک لکھا ہے کس کی قسمت میں

گردش میں فلک ہے کوئی کہتا ہے زمیں ہے
فطرت کی ہر اک چیز جہاں پر تھی وہیں ہے
کچھ فرق زیادہ نہیں ہستی و عدم میں
آرام کی صورت نہ وہیں تھی نہ یہیں ہے

قابل دید ہے نقاشی چشم گریاں
شکل دل کی مرے دامن پہ اُتر آئی ہے
ساقیا مے سے میں توبہ کروں توبہ توبہ
میں نے دنیا کے دکھانے کو قسم کھائی ہے

قمر

قمر تخلص - نام سراج الحق ولد حکیم مولوی ضیاء الحق صاحب انسپکٹر پولیس ریاست رام پور - عرف عام میں نواب صاحب کہے جاتے ہیں - ان کے دادا مولوی محمد حسین صاحب تمنا کا نعتیہ کلام مشہور ہے - سکونت کا تعلق مراد آباد سے ہے ابتدائے عمر سے ہی شاعری کا شوق ہو گیا - جس کے غلبہ نے تعلیم کو مکمل نہ ہونے دیا - مگر مطالعے نے یہ کمی پوری کر دی - پہلے ایک رسالہ القمر نکالتے تھے - اب ایک اخبار ریلوے گزٹ جاری کیا ہے - پہلے مولوی اعجاز احمد صاحب قیصر سے اصلاح لی پھر مولوی ابوالقیام اثر مراد آبادی سے مشورہ سخن کرنے لگے - ماشا اللہ طبیعت اچھی پائی ہے اور مذاق شعر شایستہ ہے - خلاصہ کلام ملاحظہ ہو - [1]

گونج اٹھیں آوازۂ حق بن کے تکبیریں مری
مل گئیں جا کر صدائے کن سے تقریریں مری
شکل موسیٰ کی بنائی ، جرأتیں کس دید کی
آج بھی کیا رائیگاں جائیں گی تدبیریں مری
کل یہی اسباب تشکیل عدم بن جائیں گی
وجہ ترتیب جہاں ہیں آج تعمیریں مری
مجھ سے سن لو اے و گل کا فسانہ مختصر
اس میں خاموشی ہے میری اس میں تقریریں مری
حلقۂ ہائے جنوں دام تمنا ہے قمر
میری وحشت کے لئے کافی ہیں زنجیریں مری

---

۱ - نوموصول قمر صاحب نے اپنے حالات اور کلام کے ساتھ جو خط کیفی صاحب کو بھیجا اس پر یکم دسمبر ۱۹۳۲ء کی تاریخ درج ہے -

زینتِ بزمِ تخیل بن کے تم دل میں رہے
کچھ خبر بھی ہے تمھیں کل کس کی محفل میں رہے
کوششیں اس کی ہیں، منزل اس کی، اس کی جستجو
گردِ منزل بن کے جو دامانِ منزل میں رہے

حسن کیا ہے انقلابِ دہر کی تمثیل ہے
عشق کیا ہے بیخودی، عشق کی تکمیل ہے
غم اٹھانا اور جینا فخر کے قابل قمر
درد سے گھبرا کے مرنا باعثِ تذلیل ہے

دل کا پیغام ہے یہ دیدہ خونبار نہیں
اس کا اظہار ہے جو قابلِ اظہار نہیں
عبرت آموز جہاں ہے مرا افسانۂ دید
شوقِ دیدار ہے اور جرأتِ دیدار نہیں

زندگی اپنی محبت میں کسی قابل بنا
یعنی ہر اک ذرہ ہستی کو اپنا دل بنا
دل کے ذروں کو مہیا کر کے پھر اک دل بنا
کل وہ جس محفل میں بیٹھے تھے وہی محفل بنا

راہِ الفت میں فنا زیست کا ساماں ہو جائے
ختم ہی کش مکشِ عمرِ گریزاں ہو جائے
میری آنکھوں میں سمٹ آئے بیابانِ جنوں
آج کچھ تکملۂ گوشۂ زنداں ہو جائے
اے قمر عشق میں جمعیتِ خاطر ہے یہی
ذرہ ذرہ مری ہستی کا پریشاں ہو جائے

کنجِ قفس میں فکرِ بہار و خزاں نہیں
جب آشیاں نہیں تو غمِ گلستاں نہیں
اب جانے بیخودی میں کہاں ہوں کہاں نہیں
منزل بتا رہی ہے جہاں تھا وہاں نہیں

ک

کاتب (از تذکرہ شوق)

مرزا محمد علی ۔ بقول تذکرہ شوق باشندہ خراسان تھے ۔ ان کے والد ہمراہ شیر جنگ مرحوم صوبہ دارکشمیر کے رہتے تھے ۔ اب وہ مقیم لکھنو ہیں ۔ جوان قابل ہیں ۔ خط نستعلیق اور نسخ و شفیعا و طغرا و گلزار میں بہت مہارت رکھتے ہیں ۔ شیخ قلندر بخش جرات سے تلمذ تھا ۔ یہ ان کے اشعار ہیں :

نہ پوچھو شورش دست جنوں کہ اے یارو
مدام دامن و جیب اپنا تار تار رہا
دم اس کے جاتے ہی تن سے نکل چلا میرے
ہزار حیف کہ اک دم نہ اور یار رہا
تپ آیا خط ہمیں افسوس اس کا اے کاتب
کہ لکھنے پڑھنے کا جب کچھ نہ اختیار رہا

کاشف

نواب سید علی خاں صاحب ، المعروف جناب لبن صاحب ۔ شاگرد یوسف لکھنوی ۔

تربت پہ فاتحہ نہ پڑھو گر بکا کے ساتھ
ٹھوکر ہی ایک آکے لگا دو ادا کے ساتھ
پھر دیکھیے کہ کیسے بھبھوکا ہوں ہاتھ پاؤں
ملیے جو میرا خون ملا کر حنا کے ساتھ

رقیب جلتے ہیں محفل میں مثل پروانہ
زبانِ شمع کی مانند ہے زبان میری
ہے شغل بادہ کشی ترک اپنی مدت سے
کہ اب مزے سے بھی واقف نہیں زبان میری
شبِ فراق کا قصہ کہوں ، نہیں کہتا کاشف
کہ رات کم ہے زیادہ ہے داستان میری

کاشف

جناب حافظ عنایت احمد صاحب کاشف رئیس بدایوں خلف اصغر حافظ حاجی علی اسداللہ صاحب و شاگرد وحشت - ۱۸۸۲ء تک زندہ تھے - یہ کلام ہے -

عجب یہ بازیٔ الفت الٹ پلٹ کا ہے کھیل
کہ ہار جیت میں ہے اور جیت ہار میں ہے
یہ جان و جسم میں بھی تفرقہ ہوا پس مرگ
کہ روح کوچۂ جاناں میں تن مزار میں ہے
ہمیں بتوں کی محبت نے کر دیا مجبور
کہ دل پہ قابو نہ جاں اپنے اختیار میں ہے
برنگ لالہ ہوئے اپنے داغ دل کاشف
کھلا یہ اور شگوفہ نیا بہار میں ہے

جو اپنا حال کہا ہم نے ان کو نیند آئی
ہمارا قصہ غم بھی انہیں فسانہ ہوا

کاشف

منشی محمد نبی داد خاں کاشف ، وکیل عدالت علی گڑھ -

نمونہ کلام :

کب مائل نگاہِ کرم آسماں کے ہیں
جلوے مری نظر میں بھرے لامکاں کے ہیں
شوخی سے ہائے یار کا کہنا شبِ وصال
نکلیں نہ دل سے ایسے وہ ارماں کہاں کے ہیں
اٹھے تھے میکدے سے جو کل توبہ کر کے ہم
شرمندہ آج سامنے پیرِ مغاں کے ہیں
دیتے ہو گالیاں ہمیں کہنے سے غیر کے
دل میں ہمارے زخم تمہاری زباں کے ہیں

کاشف

سید محمد حسین کاشف شاگرد مولوی محمد بخش شہید ۔

ہے جلوۂ رخ پر نور مہ لقا دل میں
بھرے ہیں معنی والشمس والضحیٰ دل میں
ہوئے ہیں ، عاشق و معشوق ایک الفت سے
نہ کیوں ہو نکہت گل ہر پرِ عنادل میں
سوادِ قلب ہوا رشک ملک چین و ختن
خیال گیسوئے مشکیں جو آ گیا دل میں
خمار ہجر ہوا ناگوار اے ساقی
بھرا ہوا ہے مے وصل کا مزا دل میں
یونہی بسر ہوئی اوقات زاہدا اپنی
لبوں پہ ذکر بتاں یاد کبریا دل میں
لپٹ کے روتا ہوں آغوش قبر سے ہر دم
یہ شوق وصل ہے باقی پسِ فنا دل میں
کہیں نصیب زیارت ہو جلد اے کاشف
بھری ہے الفت سلطان کربلا دل میں

کاشف

لالہ گجادھر پرشاد رئیس اعظم مظفر پور صوبہ بہار - شاگرد وسیم -

ادا کے تیر سے عاشق کے دل کو صید کرو
کہ ہے یہ طائر وحشی شکار کے قابل
لحد پہ ڈال دو زلف سیاہ کا سایہ
یہ شامیانہ ہے میرے قرار کے قابل

کاظم

جناب سید غلام کاظم صاحب رئیس شہر اٹاوہ حال مقیم رام پور -

خدا کا عشق کیوں واجب نہ ہو شیخ و برہمن پر
کہ اس کی مہر کا جلوہ ہے یکساں دوست دشمن پر تہذیب

کہہ رہی ہیں یہی رخسار سے زلفیں ان کی
ہر برہمن دم نظارہ مسلماں ہوگا
جلوۂ روے نبی دیکھ سکندر پہلے
آئینہ لا کے ادھر مفت میں حیراں ہوگا
باندھ رکھنا دل سودائی نہ چھٹنے پائے
اے سر زلف مرے سر پہ یہ احساں ہوگا
خیر مقدم کے جہاں حشر میں چرچے ہوں گے
بس وہیں بندہ نواز آپ کا خواہاں ہوگا

جنت کسے ملی کسے دوزخ کھلا نہ کچھ
انجام کار کافر و دیں دار کیا ہوا
زاہد شراب پر لب کوثر پھسل پڑے
وہ توبہ اب کہاں گئی انکار کیا ہوا

کاظم ذرا سے اشکِ ندامت نے دھو دیا
دیکھو تو وہ گناہوں کا طومار کیا ہوا

کالی کرشنا

راجہ کالی کرشنا بہادر، خلف راجہ راج کرشنا مرحوم۔ ساکن سوبھا بازار کلکتہ۔ عالم شخص تھے۔ ۱۸۰۵ع سالِ ولادت ہے۔ ان کے علم و فضل کے سبب سے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ و لندن و پیرس اس بات کے متمنی ہیں کہ ان کو اپنی سوسائٹی کا ممبر بنائیں۔ گورنمنٹ انگلیشیہ اور سلاطین ہند سے ان کو تمغے اور خلعت عطا ہوئے تھے۔ انگریزی اور بنگالی زبان کی کئی کتابیں انھوں نے طبع کرائیں اور سنسکرت انگریزی میں ترجمہ کرکے چھپوایا۔ اُن کی تصنیف سے "مجمع لطائف" نامی ایک کتاب ہے۔ اس میں قصے اور حکایات السنہ مختلفہ سے خصوصاً فارسی اور انگریزی سے محنت کرکے جمع کیے ہیں۔ مسٹر گے کی کہانی کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام "احسن المواعظ" رکھا ہے۔ اس کتاب میں ایک ساتھ اردو اور ایک ساتھ انگریزی ہے۔ تیسری کتاب نظام شمسی ہے۔

کامل

میر جہانگیر علی صاحب کامل، نبیرہ نواب صلابت جنگ بہادر مرحوم و مغفور نظام دکن۔

نمونہ کلام:

دشمنی ہو وہ محبت نہیں
کھل گیا حال آشنائی کا
عاشق اوس بت پر ہوگیا زاہد
اس پہ دعوٰی تھا پارسائی کا
لالہ رویوں سے کر نہ شوقِ وصال
داغ دیں گے تجھے جدائی کا

کامل[1]

مولوی عبدالغفور نام۔ کامل تخلص ۔ جنوری ۱۸۷۸ء میں پٹنہ میں پیدا ہوئے ۔ خلف الرشید عبدالواحد صاحب مختار عدالت ۔ فارسی اور عربی کی تعلیم خاصی پائی ۔ انگریزی بھی جانتے ہیں۔ زمینداری ذریعۂ معاش ہے پہلے مولوی عبدالغفور دقیق سے اصلاح لی پھر انہیں کی اجازت سے خواجہ عشرت لکھنوی کے شاگرد ہو گئے ۔ اپنے کو یادگار میر علیہ الرحمتہ کہتے ہیں ۔ اچھا کہتے ہیں ۔ مگر ایسا نہیں جیسا کہ خود کو سمجھتے ہیں ۔ انتخاب ملاحظہ ہو ۔

کیوں مٹاتا ہے مجھے عبرت کی میں تصویر ہوں
اے فلک چشم و چراغ خاندانِ میر ہوں
فخر ہے مجھ کو غلامِ خاندانِ میر ہوں
خاک سے کمتر ہوں لیکن ذرّہ اکسیر ہوں
معتقد قسمت کا میں ہوں قائلِ تقدیر ہوں
اس کے یہ معنی نہیں دشمن تدبیر ہوں
میری ہستی نیستی کا دے رہی ہے خود پتہ
سر سے پا تک آپ میں اس خواب کی تعبیر ہوں
ہے تلمذ کا شرف کامل مجھے بالواسطہ
بے سبب کہتا نہیں میں یادگارِ میر ہوں

ترے ابروئے پیوستہ ہیں اے ناوک فگن دو دو
کھڑے ہیں یا کہ میرے قتل کو شمشیر زن دو دو
قریبِ رخ ادھر تل ہے اُدھر زلف پریشاں ہے
ہوئے ہیں اک بتِ کافر پہ شیدا برہمن دو دو

---

۱ ۔ نوموصول

غم دیدارِ شیریں صدمۂ ناکامی قسمت
جہاں سے حسرتیں لیتا گیا ہے کوہ کن دو دو
وہی کعبہ میں نور افزا وہی دل میں ہے نور افگن
فقط اک ذاتِ واحد نے بتائے ہیں وطن دو دو
رخِ پر نور پر گیسو اور اُس پر نیلگوں برقع
یہ گیا اندھیر سا ہے ماہِ انور میں گہن دو دو
فصاحت ہے جو لفظوں میں تو معنی میں بلاغت ہے
کلامِ کاملِ خوش گو میں ہیں لطفِ سخن دو دو

بقیدِ یک قافیہ

فصلِ خزاں میں سن کے ترانہ بہار کا
یاد آ گیا قفس میں زمانہ بہار کا
بجلی تڑپ رہی ہے سرِ شاخ آشیاں
کٹ جائے خیریت سے زمانہ بہار کا
کل کی خبر کسے ہے چلے آج دورِ مے
اب چل چلاؤ پر ہے زمانہ بہار کا
پیری میں اپنی مشق سخن کا ہوا شباب
آیا خزاں کے بعد زمانہ بہار کا
کامل کھلی نہ دل کی کلی ایسی رت میں بھی
فصلِ خزاں ہے مجھ کو زمانہ بہار کا

(رباعی)

گلدستۂ عشرت کا گلِ تر میں ہوں
چرخِ سخنِ میر کا اختر میں ہوں
یہ عرض تعلّی سے نہیں ہے کامل
آئینہ شاعری کا جوہر میں ہوں

(قطعہ)

دنیا کا عیش باعثِ رنج و ملال ہے
بڑھ کر ہلال بدر ہوا پھر ہلال ہے
پستی کی دے رہی ہے خبر حالتِ عروج
کامل ہر اک کمال کو اک دن زوال ہے

کامل

ٹھاکر لال سنگھ شاگرد منشی طاہر فرخ ابادی ۔ مین پوری میں رہتے تھے ۔

دہانِ زخم یہ کہتے ہیں ہنس کے قاتل سے
رکا جو ہاتھ تو خنجر کی کرکری ہو گی

قدم رکھتے ہی صحرائے محبت میں یہ بیتابی
نہ گھبرا اے دلِ مضطر ابھی تو پہلی منزل ہے
فروغ اس سے نہ ہو کیونکر شب تارجدائی کو
جگر کا داغ اے کامل چراغ ماہ کامل ہے

جو نیک ہیں اعمال ہدایت ہے وہ تیری
جو ہیں عمل زشت وہ بندہ کی خطا ہے

دنیا سے طریقہ ہے جدا گانہ ہمارا
ہے رنگ فقیری میں بھی شاہانہ ہمارا

شانِ خالق نظر آتی ہے بتوں میں جن کو
تا قیامت نہیں جانے کے وہ بت خانے سے[1]

---

۱ ۔ از پیام عاشق ۔

کامل (از تذکرہ شوق)

مرزا آدینہ بیگ قوم مغل تورانی متوطن لاہور عرصہ تک شہر فرخ آباد میں مقیم رہے - رشتہ خویشی نواب خان خانان نبیرہ نواب محمد خان بنگش سے رکھتے تھے - تجارت سے بہت فائدہ اٹھایا - خوش اخلاق متواضع سلیم الطبع صاحب دیوان تھے - مرزا رفیع السودا سے تلمذ تھا - شوق کہتے ہیں مجھ سے بھی ملاقات ہوئی تھی - یہ شعر ان کے ہیں - پرانے زمانے کا طرز ہے مگر لطف سے خالی نہیں - ایسے نمونے یادگار زمانہ ہیں -

تیرا جی چاہے تو جدھر کو دیکھ
لطف سے پھر کبھی ادھر کو دیکھ
لے لیا تیرے لب سے میں بوسہ
دلربا تو مرے جگر کو دیکھ
تند خو تیغ مت کمر پر باندھ
تیغ کو دیکھ اور کمر کو دیکھ
دُر کو آنسو سے میرے کیا نسبت
اشک کو دیکھ اور گہر دیکھ

جنس دل بوسے کے بدلے جو اسے دے بیٹھے
اس تجارت میں تو اب ہم نے خسارہ دیکھا

دندان و لب کو تیرے دیکھا جنھوں نے ان کو
خواہش نہ لعل کی ہے نے آرزو گہر کی
ہزاروں غنچہ دہن، ہیں جو خاک میں پنہاں
ہوا شگفتہ گویا گلستاں زمیں کے تلے[1]

---

[1] - مرزا غالب نے بھی مضمون کس خوبی سے سجایا ہے -
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

کامل

مرزا ناصر الدین عرف محمد مرزا خلف ابو سعید بن مرزا طالع مراد ابن عالمگیرثانی ۔ میرزا رحیم الدین حیا اپنے عم زاد بھائی کے شاگرد تھے ۔ فارسی میں بقدر ضرورت بہرہ ور اور موسیقی کے فن میں وحید العصر تھے ۔

نوچ کر پر قید سے چھوڑا تو کیا چھوڑا ہمیں
تو ہی کہہ اس حال میں جائیں کہاں صیاد ہم

اس ستم گر کے عشق میں کامل
جو نہ کرنا تھا سو کیا ہم نے

کامل آشفتہ سر کو دیکھ کر کہنے لگے
رہ گئے تھے اک یہی عاشق مری تقدیر کے

کامل

مولوی سید علی میاں صاحب لکھنوی ۔

انساں نہ ہو حریص تو پھر کوئی غم نہیں
نان جویں بہشت کی نعمت سے کم نہیں

ہماری خاک کے ذروں نے اشغنائے طلعت سے
نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر آئینہ خورشید تاباں کا
خلاف یک دگر دانا نہیں کرتے ضرورت میں

اٹھا لیتے ہیں یک دل ہوکے پلے بار میزاں کا
اٹھائے جائیں گے ہم سے نہ صدمے زندگانی کے
مبارک ہو تمہیں اے خضر چشمہ آب حیواں کا

ہمارے سوز محبت کو دیکھ جائیں کبھی
کہاں ہیں صاعقہ طور کے جلائے ہوئے
بلند نام ہوئے زیر خاک اہل کمال
چراغ شب کو جلے صبح کے بجھائے ہوئے

حسیں آنکھیں چراتے ہیں خدا کی شان دل لے کر
کیا جب پابند گل ہم کو تو اب آزاد کرتے ہیں

راہ عدم میں گرد ہوا و ہوس نہیں
دامن پہ رہ رووں کے غبار نفس نہیں
کامل اٹھا کے سینہ میں دوزخ بھی رکھ لیا
اس پر بھی آگ دل کے جلانے کو بس نہیں

کامل

منشی محمد غفور خان صاحب کامل ۔ خورجوی ۔ تلمیذ مولوی محمد عثمان خان صاحب شہیر ۔

نمونہ کلام :

خدا نے کر دیا افسر تمھیں حسینوں میں
تمھارے آگے ہیں سو داغ مہ جبینوں میں
نہ لو خدا کے لیے دشمنوں کے ہاتھ میں دل
ابھی یہ جھوٹے ہیں کیا لوگے ان نگینوں میں

مشتعل اس کی تجلی سے چمن سارے ہیں
گُل نہیں بلبلوں کی چونچ میں انگارے ہیں

آتا ہوا دیکھوں جو ترا تیر ادھر کو
پہلے ہی قرباں کروں دل کو جگر کو

کبھی کی جو بات اُن کو یاد آ گئی
تو منھ ڈھک لیا آنکھ شرما گئی
میں سمجھا تھا غم کو غذا ہجر میں
مگر یہ غذا مجھ کو ہی کھا گئی
مرے دل کی واں قدر ہے اس قدر
کوئی چیز جیسے پڑی پا گئی

یا الٰہی مجھے وہ دلبر دے
جس کے لاکھوں ہیں اہلِ دل، بردے
یا تو دکھلا دے شعلۂ رخ کو
ورنہ شمعِ حیات گل کر دے

رقیب بوالہوس ان سختیوں کا لُطف کیا جانے
مذاقِ خنجرِ قاتل کوئی پوچھے مرے دل سے

مائل ہوا ہی کبھی تو ظلم پہ وہ
یہ بھی اچھا ہوا کمر نہ ہوئی

کامل

میر کمال الدین حسین رضوی فرزند سید باقر علی باشندہ بندر سورت نواب صاحب کی سرکار میں میر منشی گری اور وکالت کے عہدہ پر ممتاز تھے۔

کھٹک رہا ہوں رقیبوں کو گو نزار ہوں میں
تمہارے کوچہ میں گویا عدو کا خار ہوں میں

کیوں نہ وہ مست مجھ سے لے لیوے
دل بھی شیشے کی ایک صورت ہے

کشتۂ عشق کیا جلایا ہے
تم نے عیسیٰ کو مار ڈالا ہے

کامل

میرزا باقر علی خان کامل خلف اکبر نواب زین العابدین خان عارف ۔ غالب مرحوم نے ان کو اپنا متبنٰی کر لیا تھا ۔ نواب ضیاالدین احمد خان نیر رخشاں کے داماد تھے ۔ عین عنفوان شباب میں بعمر ۲۸ سال دق کے مرض سے انتقال کیا ۔ غالب مرحوم کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے ۔ سالک مرحوم نے جو ان سے بہت انس رکھتے تھے تاریخ کہی ۔ نوجوان باقر علی خان حیف ہے ۱۲۹۳ھ ۔

اٹھانے پڑیں گے نہ ساقی کے ناز
کہ پیر مغاں آشنا ہو گیا

کامل دعا کرو کہ پھر اگلی ہی شکل سے
ہم حال دل کہا کریں اور وہ سنا کریں

یاد آنا کسی کی کاکل کا
تیرہ ساز شب جدائی ہے

مٹ گئے پر نہ مٹا نام و نشان دہلی
لب پہ دلی ہے تو نظروں میں ہے شان دہلی
ضبط گریہ تو دلی نے کیا ہے گویا
نہیں باقی گئی یہ نہر روان دہلی

کامل

پنڈت سدا سکھ کشمیری کاک دہلوی ۔ مرد عمر رسیدہ ۔ عربی فارسی دونوں زبانوں کے ماہر تھے ۔ نظم و نثر دونوں میں دستگاہ تام رکھتے تھے ۔ کلام مجید سب حفظ تھا ۔ فارسی کی زبان دانی کا دعویٰ تھا اور یہ دعویٰ کچھ بیجا نہ تھا ۔ اکثر عالم مقامات مشکلہ کے ان سے حل کرانا فخر سمجھتے تھے ۔ عرصہ دراز تک سیاحی کرتے رہے ۔ سو برس سے زیادہ عمر پائی ۔ دریائے گنگا کے کنارے کشتی عمر کو ملاح قضا کے حوالے کر دیا ۔ فارسی شعر زیادہ کہتے تھے ۔

لائق دفن ہوں میں اور نہ اگن کے قابل
بس مری نعش بہا دیجیو گنگا جل میں

ترجیع بند

گبر کو معجزہ دکھالیں گے آتش رشک میں جلائیں گے
شیخ کو راہ دیں بتائیں گے ہم حرم کو کبھی نہ جائیں گے

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

ہے جہاں میں وہی بحق واصل جس کو حاصل ہوئی صفائی دل
قصہ کفر و دیں ہے سب باطل راہ حق بس یہی ہے اے کامل

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

کاوش

جناب محمد شاہ خاں صاحب کاوش ۔ شاگرد رشید حکیم ضامن علی جلال لکھنوی ۔ ان کے والد مبارک شاہ خاں رام پور کے باشندے اور

وہیں کی ریاست کے متوسل ہیں - یہ خود بڑے ذکی اور ذہینِ سخن ہیں ۔
مذاقِ سخن اچھا ہے ۔ طبیعت رسا ہے - ۱۲۷۰ھ سال پیدائش ہے۔

نمونہ کلام

فرقت لیں آج ڈھنگ دلِ بے قرار کا
دیتا ہے مژدہ وصل مبارک ہو یار کا

اوس وقت ہائے ہم کو قفس سے ملی نجات
جب موسمِ بہار نہ گلزار ہی رہا

منع ہرچند کیا دل کو نہ مانا اوس نے
کاکلوں سے نہ اولجھتا نہ پریشان ہوتا

بیتاب رہنے دے ابھی اس پر رحم نہ کر
اپنے کئے کی یار سزا کچھ تو پائے دل
خود ہی لگاوٹیں کرو خود ہی شکایتیں
آنے نہ دو تو کاہے کو عاشق کا آئے دل

ہائے تقدیر کہ جس دل کو وہ آباد کریں
خاک میں خود ہی ملا کر اوسے برباد کریں

بے رخی صبحِ شبِ وصل یہ اللہ اللہ
یاد کچھ رات کے بھی راز و نیاز آتے ہیں

دل پر منعف ہے ہونٹوں تک آ کر تھک گئے ہو گے
تم اے نالو ٹھہر جاؤ یہیں کچھ دیر دم لے لو

شبِ غم دردِ ہجر سے کاوش
تڑپے کیا کیا مگر سحر نہ ہوئی

مری آہ پر کیا نظر ہو گئی
الٰہی یہ کیوں بے اثر ہو گئی

وہ مٹتا ہے ہزاروں کو مٹا کر
یہی پہچان ہے اوس نقشِ پا کی

عاشق ہوئے جس دن سے بھڑی رہتی ہے ہم سے
یہ آنکھ تمھاری ہے کہ تقدیر ہماری

اس سے کیا کام ہے نکلیں کہ نہ نکلیں لیکن
دل ہمارا ترے ارمانوں سے آباد رہے

ہائے تو میرا ماجرا نہ سنے
آشنا حالِ آشنا نہ سنے
سن لے دشمن سے میری بد گوئی
مجھ سے وہ غیر کا گلہ نہ سنے

کھڑے ہیں آرزومند شہادت منتظر در پر
کہ اب خنجر بہ کف وہ قاتل عالم نکلتا ہے

آرزومند جفا کے ہیں وفا کے بدلے
درد ہم مانگتے ہیں تم سے دوا کے بدلے

جب تمھیں پھر گئے پھر کون ہے غم خوار اپنا
کس کا ہو کر یہ ہمارا دل ناشاد رہے

پھر ادھر دیکھ لے مونھہ پھیر کے جانے والے
خاک میں نیچی نگاہوں سے ملانے والے

ضعف لا کر ترے کوچہ میں بٹھاتا ہے مجھے
اب بھلا دیکھوں تو کون آ کے اٹھاتا ہے مجھے

داور محشر سے قصد داد خواہی کیا کریں
ڈرتے ڈرتے آئے ہیں جب اس ستمگر کے سامنے
اوس کے جلوہ کی بہت مشتاق ہیں آنکھیں مری
دل میں رہ کر جو نہیں آتا نظر کے سامنے

یہ جھوٹے دلاسے ستم ڈھا رہے ہیں
مرے دل کو آپ اور تڑپا رہے ہیں
گھر آنکھوں میں کر کے جگہ کی ہے دل میں
کہاں آ رہے تھے کہاں جا رہے ہیں

دردِ فراق دلبر مجھ کو ستا رہا ہے
جاں اپنی اوس کو دیدوں یہہ دل میں آ رہا ہے

ہوش و حواس برہم ارمان ہیں پریشاں
ایسا ہجوم غم کا اس دل پہ چھا رہا ہے
کیا عشق نے کیا ہے رسوائے خلق مجھ کو
غیروں کے آگے میرے سر کو جھکا رہا ہے
اے ہم و مو نہ پوچھو ایذائی داغِ فرقت
اس درد میں مزہ ہے جو دل اٹھا رہا ہے
نا حوس وصال میں بھی وہ جنگجو ہے مجھ سے
باتیں سنا رہا ہے آنکھیں دکھا رہا ہے

کہنا ہمارا تو نے ایدل ذرا نہ مانا
جو کچھ کہا تھا ہم نے سب آگے آ رہا ہے
صورت یہ ہو گئی ہے کاوش کی اے حسینو
تصویر کو تمھاری دل سے لگا رہا ہے

جان دیدے نہ کہیں کوئی تڑپ کر دیکھو
اس قدر ظلم کرو تم نہ کسی پر دیکھو
یہہ بھی اک طرفہ کرامت ہے مرے ساقی کی
بزم میں چلتا ہے بے پاؤں کے ساغر دیکھو
ذبح کرنے کو ، ستم کرنے کو، تڑپانے کو
لے گیا کوچۂ قاتل میں مقدر دیکھو

روسیا ہی سے خجل ہوں میں خدا کے آگے
روز محشر مرے اعمال کا دفتر دیکھو
بڑھ گئی اور بھی قاتل کی نزاکت دمِ قتل
دستِ نازک سے سنبھلتا نہیں خنجر دیکھو
مجھ سا مینوش زمانے میں نہ ہو گا کاوش
چین دم بھر نہیں بے شیشہ و ساغر دیکھو

کاہش

مولوی اولاد علی صاحب کاہش ـ خلف اکبر حضرت مولانا شاہ عوض علی صاحب مرحوم ـ وطن اصلی شہر جونپور محلہ حمام دروازہ ـ حنفی مذہب ـ کاظمی النسب قادری المشرب ـ ۱۸۰۳ء سال ولادت ـ

دس برس کی عمر میں جونپور سے بغرضِ تحصیل علم لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں کے نامی گرامی علماء سے علم حاصل کیا ـ بعض بزرگوں سے سننے میں آیا ہے کہ آپ نے فارسی کی کل کتابیں مرزا قتیل سے پڑھی تھیں ۔ اور فارسی کی غزلوں میں بھی انہیں سے اصلاح لی تھی ـ عربی کی کل کتابیں جناب مولانا مرزا حسن علی محدث لکھنوی سے پڑھی تھیں ـ جن کی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے تلمذ تھا ـ فنِ شاعری اردو ـ مع عروض و قوافی جناب شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے حاصل کیا تھا ـ

بائیس(۲۲) برس کی عمر میں تمام علوم سے آپ فارغ التحصیل ہوگئے تھے ـ واپسی وطن کے بعد بغرض سیادت صاحب گنج ضلع گیا تشریف لے گئے اور عدالت ججی کے محکمہ میں پیش کار ہوگئے ـ اکثر برسرِ اجلاس فیصلہ حکام و بحث وغیرہ نظم میں لکھ دیا کرتے تھے ـ چنانچہ بعض بعض شواہد ہنوز اس کے موجود ہیں ـ کئی برس تک آپ نے اس عہدے کی

خدمات انجام دیں مگر چونکہ آپ کو درس و تدریس کا بے حد شوق تھا اور کچہری کی وجہ سے اس کا وقت نہ ملتا تھا ۔ اس لیے ملازمت سے مستعفی ہو کر پیشہ؛ طبابت اور درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ بیس (۲۰) برس تک بڑے زوروں کے ساتھ درس دیا۔ طبابت کو بھی کچھ فروغ ہوا۔ غرض یہ کہ تیس برس سے زیادہ یہاں قیام رہا ۔ قریب غدر کے اپنے وطن مالوف کو تشریف لے گئے اور وہاں بھی یہی سلسلہ تا حیات قائم رکھا ۔ ۱۸۶۳ء مطابق ۱۲۸۱ھ میں انتقال کیا ۔ باعث انتقال گزید گئی مار ہوا ۔ مرحوم نے چند رسالے بہ زبان عربی فنون مختلفہ میں سات دیوان و قصائد و رباعیات و مخمس و ترجیع بند مرثیہ و نوحہ جات وغیرہ بہ زبان عربی و فارسی و اردو یادگار چھوڑے تھے ۔ جن میں سے افسوس ہے کہ اکثر ضائع ہوگئے ۔ صرف چار دیوانِ اردو کے نواب احمد علی خاں رئیس حسین آباد ضلع مونگر کے صاحب زادوں کے پاس ہنوز موجود ہیں ۔ مگر کسی سبب سے وہ نہ تو انھیں خود شایع کرتے ہیں نہ ان کے عزیزوں کو دیتے ہیں ۔

حضرت مصحفی اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

''اولاد علی کاہش درسنِ چہاردہ سالہ طبعِ زواں دارد و مزاجِ علیم ۔'' سید انشا اور شیخ مصحفی کے یادگار معرکوں میں کاہش شریک رہے تھے ۔

بعدِ تلاش بسیار آپ کا مختصر کلام بطور نمونہ ہدیہٴ ناظرین کیا جاتا ہے :

قفس میں جو تڑپا چمن یاد آیا
مصیبت زدوں کو وطن یاد آیا
مرقع میں دیکھی جو مجنوں کی صورت
مجھے اپنا دیوانہ پن یاد آیا

ٹپک شیشۂ مے کو پیالہ توڑا
ہمیں جب وہ پیماں شکن یاد آیا

افاقہ درد پہلو میں ہوا تو دردِ دل اٹھا
فراقِ یار میں کس رات غش مجھ کو نہیں آیا
گراں سودا ہے وصلِ یار کا کیونکر نہ سودا ہو
گئے جب آپ سے ہم ہاتھ تب وہ مہ جبیں آیا

ناصحا میں کافروں میں ہوں نہ دینداروں میں ہوں
جلوۂ دیدار جاناں کے طلب گاروں میں ہوں
دیکھتا ہے ہر کوئی چشم حقارت سے مجھے
میں عجب اک جنس ناکارہ خریداروں میں ہوں
ہجر کی شب ہے نہ گھبرا اے دل وحشی مزاج
تو مرا غم خوار ہے میں تیرے غم خواروں میں ہوں
دیکھ گرمی میری آہوں کی جہنم سرد ہو
بحر رحمت جوش مارے ان گنہ گاروں میں ہوں

پریشانی کا قسمت میں ہمارے آب و دانہ ہے
میں وہ طائر ہوں جس کا دامِ کاکل آشیانہ ہے
تیری آنکھوں میں میں سرمہ لگاتا اوبتِ کافر
مگر یہ فتنۂ خوابیدہ کو گویا جگانا ہے
نہ خوں اس سے نکلتا ہے نہ زخم اس کا نمایاں ہے
خدا جانے مرا دل کس کے تیروں کا نشانہ ہے

قفس پر برگ گل رکھنے سے او صیاد کیا حاصل
گزشتہ صحبتوں کو پھر دلانا یاد کیا حاصل
کہاں وہ دن کہاں وہ سن گل مل سے تعلق کیا
جوانی کے مزے پیری میں کرنا یاد کیا حاصل
رسائی اس کے کوچے میں بس مرنے بھی مشکل ہے
صبا اب خاک میری تو نہ کر برباد کیا حاصل
نہ قاصد ہے نہ نامہ ہے نہ پیغام زبانی ہے
مجھے دیتا ہے تو ناصح مبارک باد کیا حاصل
نہ کر کاوش پر اتنے وار تو شمشیر ابرو کے
کسی کا خون کر دینے سے اے جلاد کیا حاصل

قطعہ

وہ درد مند ہوں کہ کبھی میں نے آج تک
آزردہ دل کیا نہ کسی شیخ و شاب کا
پروانہ کے حضور بجھایا نہ شمع کو
بلبل کے آگے پھول نہ توڑا گلاب کا

رباعی

اوس ملک سے دنیا کی ہوس میں آئے
اب جائیں کہاں اجل کے بس میں آئے
مر کر چھوٹے تو کنج مرقد دیکھا
جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے

از اردوئے معلیٰ جلد نمبر ۸۰

عجب اک ہو کا عالم ہے عجب حسرت برستی ہے
خدا جانے کہ یہ گور غریباں کیسی بستی ہے

تردد کیوں تمھیں اے ساکنانِ ملک ہستی ہے
عدم کی راہ سیدھی ہے ، بلندی ہے نہ پستی ہے
عجائب رنگ دیکھا ہم نے دنیا کی دورنگی کا
کہیں بستی میں صحرا ہے کہیں صحرا میں بستی ہے

کبیر

کبیر سکندر شاہ لودھی کے زمانے میں ۵۸ ، ۱۵۴۹ء میں بقیدِ حیات تھا ۔ وہ ذات کا جولاہہ تھا اور اون کا سوت بنتا تھا ۔ رامانند کے معزز مریدوں میں سے تھا ۔ وہ ایک مذہب کا موجد اور بانی ہے ۔ ہندو اسے گرو کبیر ، بھگت کبیر اور مسلمان کبیر صاحب کہتے ہیں ۔ ہند اور مسلمان دونوں اُس کی تعظیم کرتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ اُس کے مرنے کے بعد اُس کے دفن کرنے اور جلانے کے بارے میں ہند اور مسلمان دونوں میں نزاع ہوا اور کبیر اُن پر ظاہر ہوا اور اُس نے کہا کہ میرا کفن اُٹھا کر دیکھو ۔ جب کفن اُٹھایا تو ایک ڈھیر پھولوں کا ملا ۔ اور اس کی لعش غائب تھی ۔ راجہ بنارس نے آدھے پھول لے جا کر اپنے شہر میں جلائے اور اس کی راکھ کو ایک مندر کبیر جوڑا نام میں امانت رکھا ۔ اس کے بر خلاف یحییٰ خاں پٹھان نے جو مسلمانوں کا سردار تھا بقیہ پھول ایک روضہ تعمیر کر کے اس میں دفن کر دیئے ۔ یہہ روضہ مقام مگور میں ہے جو نزدیک گورکھ پور کے ہے جہاں کبیر فوت ہوا تھا ۔ چنانچہ دونوں مقامات پر کبیر پنتھی زیارت کو جاتے ہیں ۔ تصانیف جو اس سے منسوب ہیں وہ بہت ہیں اور اس کے دوہرے بھی ہیں ۔

فیلن صاحب نے اپنے تذکرے میں اس کی تصانیف سے اکیس کتابوں کے نام لکھے ہیں ۔ اس کی تصانیف نہایت سلیس ہیں اور تحریص و ترغیب

عبادت الٰہی پر مبنی ہیں ۔ مصنفات کبیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ توحید ذات باری پر راسخ قدم اور بت پرستی سے دامن کش تھا ۔

کبیر ہی کے مسائل سے سکھوں کے گرو نانک نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی ۔ کبیر اپنے مذہب کی اشاعت وعظ و پند کے ذریعے سے کرتا تھا ۔ چنانچہ بنگال ، بہار اور اودھ میں ،نیز مالوے میں اب تک کبیر پنتھی موجود ہیں ۔ جن کی خوش اطواری مشہور ہے ۔ کبیر کا کلام زبان زد خاص و عام ہے بلکہ بعض اشعار تو ضرب المثل بن گئے ہیں مثلاً

رنگی کو نا رنگی کہیں ، بنے دودھ کو کھویا
چلتی کو گاڑی کہیں یہ دیکھ کبیرا رویا

ماٹی کہے کمہار سے تو کیا روندے مو
اک دن ایسا آئے گا کہ میں روندوں گی تو

کبیر

قاضی کبیر احمد صاحب شاگرد داغ وطن جودھپور ۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو :

کعبے میں نہ ہوں بت یہ نہ مانوں گا کبھی شیخ
ناداں ہے کمی کون سی اللہ کے گھر میں

تو شہر کے دم بھر کہیں جا سکتا ہے پھر بھی
آنے کا نہیں میرا دم باز بس اور
شوخی کے عوض آنکھ میں دیا کام حیا کا
کیوں حیر تو ہے آج مکاں اور مکیں اور

دیکھی ہے کبیر آج جو رفتار کسی کی
رکھتا ہوں کہیں پاؤں تو پڑتا ہے کہیں اور

حیراں ہو عشق کی بھی نیرنگیاں ہیں کیا کیا
چہرے سے رنگ اڑ گیا ، آنکھوں سے خون ٹپکا
جلدی سے تم لپک کر مسجد میں ہو رہو شیخ
دیکھو وہ میکدے سے اک بادہ خوار لپکا

کبیر

حکیم محمد کبیر سنبھلی انصاری از اقرباء نواب امین الدولہ جوان قابل خوش اخلاق مروت و آشنا پرستی میں طاق ۔ یار صادق ۔ حکیم حاذق مدت سے رفاقت میں نواب محمد یار خاں کے ہیں ۔ ذہن مستقیم اور طبع سلیم رکھتے ہیں ۔ دیوان مختصر ریختہ میں ترتیب دیا ہے چند شعر ان کے بہم پہنچے ہیں جو تحریر میں آتے ہیں ۔ (یہ حالات ان کے تذکرہ شوق میں درج ہیں)[1]

آتا ہے وہ بت کیا سج بنائے
اللہ اللہ — اللہ

کر دیا بے پر و بالی نے پریشاں مجھ کو
اس رہائی سے وہی خوب تھا زنداں مجھ کو

نوٹ : ان ایام میں جب کہ فوج افاغنہ کوہ سبز پر محصور تھی غلہ کی گرانی زیادہ ہوئی اور اکثر لوگ سحری اور افطاری کی قلت کی وجہ

---

۱ - از تذکرہ شوق

سے روزے نہ رکھ سکے ۔ انھیں ایام میں شاعر مذکور نے یہ رباعی کہی تھی :

زاہد سے بہت عید کو ہم شرمائے
اس قحط میں رمضان مبارک آئے
ناچار جب اور کچھ میسر نہ ہوا
بھر پیٹ بہت سے ہم نے روزے کھائے

کرامت

جناب سید کرامت حسین صاحب شاگرد حضرت جواہر بھوپالی ۔

حسرت و رنج و محن برسوں سے تھے دل میں مقیم
درد بھی آن کے شامل ہوا مہمانوں میں
موسم گل میں یہ رندوں نے صفائی کر دی
نام تلچھٹ کا بھی باقی نہیں مے خانوں میں
کر گئے نام ہیں سودائی محبت کا بلند
کوہ کن کوہ میں اور قیس بیابانوں میں
وصل اس کا نہ ہوا حیف میسر اب تک
دم نکل جائے گا اک دن انہی ارمانوں میں
خوبرو ہم نے بہت دیکھے ہیں لیکن بخدا
آپ یکتائے زمانہ ہیں طرح داروں میں

کرم[1]

کرم خاں کرم تذکرہ طبقات الشعرا کی تالیف کے وقت کرم حیات تھے ۔ بہ قول اس کے جو ان مسکین مجنون وضع اگرچہ اکتساب ہنر اور

---

۱ ۔ از تذکرہ شوق

دوسرے فنون میں خوش سلیقہ ہے لیکن علم سے باخبر نہیں ہے ۔ طبعیت موزوں پائی ہے ۔ ریختہ میں غزلیں نظم کرتے ہیں ۔ صحت الفاظ سے بے بہرہ ہیں ۔ کچھ عرصہ اگر اسی طرح عشق سخن کرتے رہے تو درست ہو جائیں گے ۔ یہ ان کا کلام ہے :

کلیاں بجا رہی تھیں جو چٹکیاں چمن میں
مقدم کا نخل صبا نے کس کے اوڑا دیا ہے
رہتے ہیں اشک جاری ہر رات اب کرم کے
تن مثل شمع اوس کا غم نے گھلا دیا ہے

یوں رواں ہیں میرے مژگاں اشک کے سیلاب میں
خار و خس جیسے بہہ جائیں کسی سیلاب میں

حیران ہوگی بلبل تصویر کی طرح
اوس گلبدن کے دیکھے جو نقش نگار کو

مرے دل کو ہے اوس کے ابروئے خمدار سے صحبت
سپاہی جس طرح رکھتا ہے ات تلوار سے صحبت

!چھمن اور رام کشن کو مانے نہ کیوں کرم
کافر ہوا وہ ہے مل کے وہ گنگا نشین کے ساتھ

کرم

مرزا مکھو عرف استاد کرم خان باشندہ رام پور شاگرد مولوی قدرت‌اللہ شوق ۔ ذہین اور تیز طبعیت تھے ۔ اپنے وقت میں شعرائے رام‌پو

میں نامور تھے ۔ اخوند زادے احمد خان غفلت ان کے بھانجے تھے
۶۱ برس کی عمر میں ۱۲۵۳ء میں انتقال کیا ۔

آنکھیں ذرا اٹھالیے اوپر کو اے کرم
شب جس جگہ کہ آپ تھے کیا میں وہاں نہ تھا

مرتے تو ہیں پر ایک نظر دیکھ لیں اس کو
اے زندگی ہم سے کوئی دم اور وفا کر

بہشتی[1] یہاں کے کرتے ہیں بڑا قہر
کہ پانی بیچتے ہیں گھول کر زہر

بجھالیں یاں کے پانی میں جو تلوار
نہ مانگے اس کا مارا آب زنہار

پئیں گر خضر آ کر یاں کا پانی
تو پھر آخر ہے عمر جاودانی

یار نے آ کے دم نزع جو کی پرسش حال
بات بھی منہ سے نہ نکلی کہ زباں بند ہوئی

کرم

شیخ غلام ضامن باشندہ کوتانہ ضلع میرٹھ مدتوں حیدرآباد میں

---

۱ - یہ تین شعر مثنوی کے غالباً اس وقت کے رامپور کے پانی کی ہجو میں ہیں (کیفی) ۔

رہے۔ آخر عمر میں دہلی میں سکونت اختیار کی فارسی اور ریختہ دونوں میں فکر سخن کرتے تھے اور مومن خان کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ یہ ان کے شعر ہیں۔ استاد کے رنگ کی جھلک بھی نہیں پائی جاتی :

نسبت ہے میرے داغ سے کیا گل کو عندلیب
گو آہِ سرد و باد سحر دونوں ایک ہیں
روز شمار جان شب ہجر کو کرم
نے شام اسے نہ اس کو سحر دونوں ایک ہیں

کرم

راجہ بھگوان سہائے۔

اس کو جنت میں جگہ کیوں نہ ملے گی زاہد
تجھ سا مکار کبھی رند سیاہ کار نہ تھا
کیوں لگائے وہ کرم تیغ ادا کی چوٹیں
دل سے گران کو مرے کچھ بھی سروکار نہ تھا

خدایا دے تو دے درد آشنا دل
دل بے مہر ہے کس کام کا دل

پڑا لپکا مجھے آہ و فغاں کا
خدا ہے حافظ و ناصر جہاں کا
ترقی پر ہے وہم اس بد گماں کا
نتیجہ دیکھنا ضبط فغاں کا
بھلا زاہد کو میخانے سے نسبت
تصرف دیکھنا پیر مغاں کا

کشتہ ناز تھا ہر ایک خریدار نہ تھا
مقتل عشق تھا وہ حسن کا بازار نہ تھا
ہائے اس آدم خاکی کی رسائی دیکھو
واں پہ پہنچا ہے فرشتوں کو جہاں بار نہ تھا
میں بھی جنت میں ترے ساتھ ہوں دیکھا زاہد
اب تو جانا کہ وہ غفار ہے قہار نہ تھا

یہی صورت ہے گر آہ و فغاں کی
اڑیں گی دھجیاں خوب آسماں کی
ہوا لگتی اگر کوئے بتاں کی
نہ کرتے زاہد و خویش جناں کی
مسیحائی کرو بالیں پہ آ کر
خبر لو اس مریض نیم جاں کی
طبیبوں سے بہت بیزار ہوں میں
الٰہی یہ بلا لپٹی کہاں کی
کرم اچھی نبھائی طرز تم نے
ظہیر دہلوی جادو بیاں کی

آغاز سے انجام تک اپنے جو نظر کی
حیران ہوا دیکھ کے جرات میں بشر کی
مدہوش پڑا ہے در میخانہ پہ زاہد
سدھ پیر کی ہے اور نہ کمبخت کو سر کی
پیری کے سب آثار نمایاں ہیں کرم اب
تیاریاں گویا ہیں یہ دنیا سے سفر کی

سمجھتا نہیں دل ، تجھے کیا ہوا ہے
مرا عشق یا آپ چسکا پڑا ہے
خوشامد میں غیروں کی ہے ہیچ کوئی
جتا دیتے ہیں ہم کہ اس میں دغا ہے
گرا اس میں جو پھر ابھرتے نہ دیکھا
نہیں بحر الفت یہ بحر فنا ہے

حشر برپا ہے خرام ناز سے
مردے زندہ ہو چلے اعجاز سے
پھیر دی گردن پہ یوں میٹھی چھری
ڈال دیں باہیں گلے میں ناز سے

کسری[1]

جناب شاہزادہ مرزا محمد احمد علی صاحب لکھنوی تلمیذ جناب زیبا -

پابند عشق گیسوے خم دار ہو گئے
اے دل یہ کس بلا میں گرفتار ہو گئے
اندھیر ہے نہاں مہِ رخسار ہو گئے
گیسو بکھر کے رخ پر شب تار ہو گئے
دیکھا جو مسکرا کے ادا سے مری طرف
دو تیر تھے کہ دل سے مرے پار ہو گئے
منت کش اجل نہ رہے جاں نثار عشق
خنجر تمھارے ابروے خم دار ہو گئے
میت پہ میری کہتے ہیں درد و غم و الم
ہم سب تمھارے مرنے سے بیکار ہو گئے

---

۱ - از پیامِ عاشق -

کشتہ

جناب غلام حیدر صاحب قاضی پوری خلف قاضی محمد عبدالرحیم صاحب قائم مقام السپکٹر شاگرد امیر۔

شب فراق کی ہوتی ہے کب سحر دیکھو
یہ رات ہوتی ہے کس طرح سے بسر دیکھو
بتو نہ ظلم کرو کچھ بھی تو خدا سے ڈرو
بہت نہ ناز کرو اپنے حسن پر دیکھو

غنچوں سے آپ طرز تبسم کو سیکھئے
اور ہم اڑالیں رنگ فغاں عندلیب سے
ان کے مریض غم کا کرے کا علاج کیا
کچھ عقل کی دوا کرے کہہ دو طبیب سے
کیا میکدہ بھی قبلۂ حاجات ہے کوئی
آتے ہیں اہل ذوق بعید و قریب سے

اس میں ہیں پھول اس میں دل داغ دار ہے
سینہ ہمارا دامن گلچیں سے کم نہیں

تمہارے پاؤں پر ہنگام رفتار
قیامت لڑکھڑا کرگر پڑی ہے

کی جنوں میں ہو گئی داغ جگر تازہ
جنوں انگیز وحشت خیز آواز عنا دل ہے
جناب دل کی خاطر سے وفا کی پائیداری ہے
ستم معشوق کا آخر گوارا ہو ہی جاتا ہے

نہیں چھپتا کبھی راز محبت حضرت کشتہ
ہوا جو عشق کا بندہ وہ رسوا ہو ہی جاتا ہے

آؤ مل جاؤ یہ جانے دو زبردستی کی شرم
رہتے ہو دل میں ہمارے اور پردہ ہم سے ہے

کشتہ

سید محمد شرافت علی خان صاحب اکبر آبادی تلمیذ امیر مینائی -

نہ سر میں درد نہ سستی نہ کچھ خمار رہا
شراب عشق کا نشہ بھی خوش گوار رہا
خمیر کھینچ کے لایا وطن سے غربت میں
جہاں کی تھی مری مٹی وہیں مزار رہا
وہ ناتواں ہوں کہ چکرا دیا بگولے نے
کبھی اڑا بھی تو اڑ کے وہیں غبار رہا

کشتہ

. پیح رحیم بخش کشتہ ابن شیخ کریم بخش باشندہ رام پور - نواب مرزا خان دہلوی سے اصلاح لیتے تھے - ۱۳۰۳ھ میں ۵۲ برس کی عمر تھی -

آزردہ کریں گے نہ کبھی خاطر وحشت
دل چاک کریں گے جو گریباں نہ رہے گا

نہ کیوں کر دل کی ویرانی کو روئیں رات دن کشتہ
کہ یہ وہ گھر ہے جس گھر میں رہی ہے آرزو برسوں

ہم اور دعویٰ خون روز جزا اللہ کے آگے
گوارا یہ نہیں نیچی ہو گردن اپنے قاتل کی

حشر کے دن وعدۂ دیدار ہے
یہ اگر سچ ہے تو کیا دشوار ہے

خاک میں رشک ملائے مجھے روزِ جزا
فتنے اٹھ کر جو تری چال پہ قربان ہوں گے

کفایت

صاحبزادہ کفایت اللہ خاں مرحوم ابن نواب نصراللہ خاں بہادر سلطان مغفور ۔ شاہی خاندان رامپور سے صاحب استعداد تھے ۔ فارسی اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ ٢٦ برس کی عمر میں ١٢٢٨ھ میں قضا کی ۔

صاف طینت بھی کبھی ہوتے ہیں بار خاطر
صبح کب مہر کی ہوتی ہے غبار خاطر

مرنے کو تو سب ہی مریں گے آخر موت کفایت ہے
اس مرنے میں کیا ہے مزہ جو جیتے ہیں مر جانے میں

کفایت

منشی کفایت علی کفایت متوطن میرٹھ ۔ کمشنری دہلی میں سرشتہ دار تھے ۔ یہ ان کا کلام ہے ۔

شمشیر اجل چشم ہے اور قہر خدا ہاتھ
دنیا کی صفائی ہے اگر اس کا اٹھا ہاتھ

کیا ہاتھ لگایا ہے کہ دو ٹکڑے ہوا غیر
قربان صفائی پہ ترے ہاتھ کی لا ہاتھ
تابوت یہ بیمار محبت کا ہے تیرے
تو بھی تو ذرا چل کے جنازہ کو لگا ہاتھ
یہ کہتا ہوا پہلو سے دل ہو گیا رخصت
کمبخت کہا مان مرا مجھ سے اٹھا ہاتھ
تشخیص مسیحا میں مرض میرا نہ آیا
دل پر کبھی رکھا کبھی سینہ پہ رکھا ہاتھ
ملتا رہا تازیست کفایت کف افسوس
جب اس نے سر بزم رقیبوں کو دیا ہاتھ

کلیم

شیخ محمد عبدالرحیم ولد شیخ دلاور علی ابن شیخ زور آور علی مرحوم ادیب تخلص ۔ حضرت ادیب اصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں عہدہ اخبار نویسی پر مامور تھے ۔ ان کے والد شیخ دلاور علی مرحوم عنفوان شباب سے پنجاب میں بوجہ ملازمت سرکاری رہے ۔ لکھنؤ میں وہ رخصت پر چند روز کے لیے آیا کرتے تھے ۔ حضرت کلیم کا وطن لکھنؤ اور سن ولادت ۱۲۸۴ھ ہے ۔ ابتدا میں میر وزیر صاحب نور اور میر سید حسن لطافت سے بعد انتقال لطافت مرحوم کے ان کے چھوٹے بھائی میر عباس حسین فصاحت اور مولوی سید محمد اصطفٰی عرف للّن صاحب المتخلص بہ ۔ ۔ ۔ ۔ کو کلام دکھایا ۔ پھر متھرا میں ملازم مہاراجہ بھرت پور صیغہ تعمیر مندر بندرابن میں ہوگئے اور وہاں پہنچ کر منیر شکوہ آبادی سے تلمذ اختیار کیا۔منیر کے انتقال کے بعد کسی کو کلام نہیں دکھایا ۔ ایک دیوان اردو کلام کلیم نامی ان کا شائع ہو چکا ہے ۔

ترے عاشق تری آنکھوں کو نہ کیوں کر دیکھیں
بادہ خواروں کی نظر پڑتی ہے پیمانوں پر

آئے بہار اور رہے اختیار میں
دیکھی نہیں یہ بات کسی بادہ خوار میں

میر نظر سے میری آنکھ سے میرے دل سے
یہ دیکھنا ہے کہاں وہ نکل کے جاتے ہیں

جو میری جان لیں گے وہی میری جان ہیں
بیمار جن کا ہوں وہی مری دوا بھی ہیں

دل کا نظر کا آنکھ کا خالق بھلا کرے
سب ہو گئے الگ مجھے آفت میں ڈال کے

نظر ہو آنکھ ہو دل ہو کلیسا ہو کہ کعبہ ہو
کھلا اب تک نہیں آخر وہ کس منزل میں رہتے ہیں

پھر سے کیا دو گے کلیجے کو مرے داغ فراق
صاف کہہ دو مجھے سینے سے لگاتے کیوں ہو
دل میں چھپتے ہو مگر پیش نظر پھرتے ہو
پردہ کرتے ہو تو پھر سامنے آتے کیوں ہو

خمیدہ ہو کے کھنچے رہتے ہیں ترے ابرو
کچھ انکسار بھی ظالم ترے غرور میں ہے

بس اب جو کچھ ہے تو ہی ہے خدا رکھے تجھے ظالم
نہ کوئی دوست ہے میرا نہ کوئی میرا دشمن ہے

یہ طرفہ رشک اے ظالم محبت میں تری دیکھا
کہ دل ہے مجھ سے بیزار اور میں بیزار ہوں دل سے

اٹھنا محال ہو گیا دنیا سے بھی ہمیں
افسوس ایسے ہم نظر یار سے گرے

زاہدوں کو کم نہ کہنا چاہیے مزدور سے
سب عبادت اس لیے ہے وصل ہوگا حور سے

باغ میں دیکھ کے پھولوں کو وہ فرماتے ہیں
پھٹے کپڑوں پہ نکھرتے ہیں نکھرنے والے
واہ تاثیر بھی کس طرح مرے عشق نے کی
گالیاں دینے لگے بات نہ کرنے والے

عشق میں تیرے اگر کچھ نہ سجھائی دیتا
ہر جگہ پر مجھے پھر تو ہی دکھائی دیتا

ابھی اور تجھ پہ مرتا جو قضا مری نہ آتی
ابھی اور میں تڑپتا اگر اختیار ہوتا
وہ جدھر نگاہ کرتے مری آنکھ ہوتی نیچی
وہ جہاں لگاتے ناوک مرے دل کے پار ہوتا

دل کو مدت سے ترے عشق میں میں بھول گیا
آج بھولا ہوا برسوں کا مجھے یاد آیا

بات کر آج تو کیوں صبح سے چپ چپ ہے کلیم
کچھ تو کمبخت بتا کون تجھے یاد آیا

کوئی پہلو میں میرے بیٹھا تھا اتنا ہوش ہے
کیا خبر دل کھوگیا کب اور کدھر جاتا رہا

اور بھی پیار مجھے آتا ہے
جب بگڑتے ہیں کبھی پیار سے آپ

الٰہی نامراد ایسا نہ جائے دہر سے کوئی
ہزاروں حسرتیں سر پیٹتی ہیں میرے مدفن پر

توبہ ہو جاتی ہے برسات میں لاکھوں کی شکست
رحمت اللہ کی بڑھ جاتی ہے میخانوں پر

ہو ہی جاتا ہے مرا کوئی نہ کوئی دشمن
بن ہی جاتا ہے مرے یار کا یار ایک نہ ایک

ضرور دفن ہے میخانہ میں کوئی میکش
سبو اچھلنے لگے جام چھلکے جاتے ہیں

کلیم

شیخ محمد حسین دہلوی مشہور مصنف تھے وہ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں صیغہ پولیس میں عہدہ دار تھے ۔ حاجی تجلی ان کے بیٹے تھے اور میر تقی سے بھی ان کی قرابت تھی اور وہ میر تقی کو بہت چاہتے

تھے ۔ زبان اردو میں ان کی متعدد تصنیفات ہیں یعنی ایک رسالہ فن
عروض و قافیہ میں تحریر کیا ہے اور خصوص الحکم کا ترجمہ اردو میں
عربی سے کیا ہے ۔ ایک رسالہ نثر ہندی میں بھی لکھا ہے ایک دیوان
بھی ہے جو مشتمل برغزلیات و قصائد وغیرہ ہے ۔ دہلی میں وفات پائی ۔
فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے چند مثنویاں بھی
تصنیف کی ہیں ۔

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسو کو سونپا

ہو گیا حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

درازی شب ہجراں و زلف یار کلیم
مجھی سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

رکھوں میں آنکھوں میں کیونکر تجھے کہ ہے برسات
پھر ایسا گھر کہ جو خانہ خراب ٹپکے ہے

دیوانہ ترا وادی پر اپنی اگر آوے
منہ دیکھو فلاطوں کا جو عہدے سے برآوے

غرور حسن کیا ممکن کہ اس سے داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

قربان اس اکڑ کے عجب یہ مروڑ ہے
آشفتہ ہو گئیں یہ نہ زلفوں سے بل گیا

چھپا ہے آ مری چشم پر آب میں دریا
کسی نے دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا

کلیم

مولوی عبدالکریم صاحب بہاول پوری تلمیذ حضرت امیر مینائی لکھنوی۔

زلف شب گوں پر نظر کی تھی کہ شامت آ گئی
نام قامت کا لیا تھا بس قیامت آ گئی
وائے ناکامی کہ خلوت میں بھی وہ تنہا نہیں
ناز کا ہے آ گیا کا ہے شرارت ہو گئی
دہریے قائل خدا کے ہو گئے سب اے صنم
آپ پر سائنس والوں کی طبیعت آ گئی
لوگ کہتے ہیں خدا جانے غلط ہے یا صحیح
آج زاہد کی بھی اس بت پر طبیعت آ گئی
عشق کی نیرنگیاں ہم سے کوئی پوچھے کلیم
ایک دن کچھ منہ سے نکلا تھا کہ آفت آ گئی (عالمگیر)

پڑے اس عشق میں جینے کے لالے
خدا جلد اس مصیبت سے نکالے

نہ مرنے دے نہ جینے دے الٰہی
پڑے ہم ہائے کس ظالم کے پالے
جسے پھانسیں نہ چھوڑیں زندگی بھر
خدا زلفوں کے پھندے میں نہ ڈالے
ہمارا ذکر غم سن کر وہ بولے
کہاں کے تمنے یہ قصے نکالے
کہاں تو کھو گیا افسوس اے دل
مرے پیارے مرے نازوں کے پالے
زمانہ تو جفا کرتا ہے تعلیم
کوئی کس منہ سے اب نام وفا لے
یہ حرص اہل جہاں کو ہے جو ہائیں
کریں دونوں جہاں کے دو نوالے

کلیم

صاحبزادہ سید نورالحسن خاں خلف اکبر نواب امیرالملک والا جاہ مولوی محمد صدیق حسن خان بہادر شوہر شاہجہاں بیگم والئے بھوپال خان محمد خان شہیر سے تلمذ ہے ۔ بچپن سے بیگم صاحبہ کے ہمراہ جو ان پر از حد مہربان تھیں درباروں میں شریک رہے اور ان کے ہم رکاب کلکتہ بمبئی ۔ دہلی ۔ لاہور ۔ الہ آباد کی سیر کی ۔ ۲۱ رجب ۱۲۷۸ھ تاریخ ولادت ہے اور نظیر حسن تاریخی نام ہے سلیم الطبع نیک نہاد ہیں عربی اور فارسی میں صاحب استعداد ہیں ۔ اردو میں کلیم اور فارسی میں نور تخلص کرتے ہیں تذکرہ شعرائے اردو و طور کلیم نامی ان کی صغرسنی کی تالیف ہے :

ہیں عجب راز و نیاز حسن و عشق
کچھ کہا اور کچھ سنا کرتے ہیں ہم

سب میں پسند تو ہی مری جان آ گیا
اب جس پر آ گیا میرا ایمان آ گیا
میری طرف ہوا تو مخاطب نہ ظاہرا
پر آہ کیا ادا تھی کہ میں شاد ہو گیا

تجھ سے مجھے نسبت نہیں ہر چند مگر ہاں
جس باغ کا تو گل ہے تو میں خار ہوں اس کا

شاعری مدنظر ہم کو نہیں
واردات دل لکھا کرتے ہیں ہم

اب بھی حسرت ہے تری بیداد کی
داد دینا اس دل ناشاد کی

ہائے کس کو رلا دیا تو نے
نگہ یاس کیا کیا تو نے

نرالا سب سے اس کا ناز معشوقانہ رہتا ہے
کہ دل میں آشنائی ظاہرا بیگانہ رہتا ہے

جو سن کے تیرا نام فقط جاں فدا کرے
تجھ کو جو دیکھ لے تو خدا جانے کیا کرے

کیا لے گئیں لگا کے وہ عالم فریبیاں
کتنا ہمیں بھی دل کے لگانے سے عار تھا

جو درخور قبول نہ ہو وہ سلام ہوں
جس کا جواب کچھ نہ ملے وہ پیام ہو

ذوق شنید نے مجھے مارا کہ ہائے ہائے
بے جا بھی تو کہے تو اسے میں بجا کہوں

ہے گرچہ دور شیوۂ ارباب ناز سے
کرنا پڑا ہے لطف ہمارے نیاز سے

کمال

شاہ کمال‌الدین حسین نام ۔ ان کے آباؤ اجداد مانک پور الہ‌آباد کے رہنے والے تھے پھر صوبہ بہار میں جاکر سکونت اختیار کی اور سلطنت مغلیہ میں عہدہ ہائے جلیلہ پر منصوب رہے ۔ جب کمال جوان ہوئے تو **انھوں** نے درویشی اختیار کی پھر بنگالے کا رخ کیا وہاں سے لکھنؤ گئے ۔ مصحفی کے زمانے میں وہ راجہ بلاس رائے کے مکان میں رہتے تھے ۔ **دواوین اساتذہ کے مطالعہ** سے اس فن میں **انھوں** نے معقول استعداد پیدا کی ۔ ابتدا میں وہ کسی کے شاگرد نہ تھے ۔ پھر شیخ قلندر بخش جرات کے شاگرد ہوئے ۔

جز شکست شیشۂ دل کچھ نہ دیکھا اور کام
مرتفع جس دن سے ہے یہ چرخ مینائی ہوا
آہ جو کچھ ہم سے ہوسکتا سو کر چکنے ولیک
ایک دن تم کو نہ شوق کارفرمائی ہوا
اور دکھلایا تماشا مجھ کو وحشت نے کمال
میں تماشائی تھا جس کا وہ تماشائی ہوا

یہ بھی کچھ بیٹھنے کا بزم میں اسلوب ہے واہ
جوں جوں ہم آگے بڑھیں آپ سرکتے جاویں

کمال

حکیم سید محمد مہدی صاحب طبیب اعلیٰ راج ترروا فرخ‌آباد ۔
خلف جلال لکھنؤی ۔

جو دل سینے سے بھی نازک ہو اس پر
ستم توڑیں یہ بت پتھر سمجھ کر

دل میں اپنے جو تری یاد کو جا دیتے ہیں
ساری دنیا کے مزوں کو بھلا دیتے ہیں

دل لاکھ دکھالیں وہ کمال اُف بھی نہ کرتا
نالوں میں کہاں وہ جو خموشی میں اثر ہے

پہنچا کرے تا عرش بریں کچھ نہیں ہوتا
جو گھر ترے دل میں کرے وہ آہ رسا ہے
بھیجا ہے عیادت کو مری غیر کو دیکھو
اک اور یہ داغ اس نے دمِ مرگ دیا ہے
کہنا وہ کمال آ کے کسی کا دمِ آخر
سنتے ہیں کہ کمبخت تجھے ہم سے گلہ ہے

آنکھ ہم سے پھیریئے لیکن یہ بتلا دیجئے
بھرتی ہے کیوں کر طبیعت آپ پر آئی ہوئی

ہمارا دل بنے وحشت کدہ قیامت ہے
تم آ کے گھر کرو جس میں وہ گھر تباہ رہے

دل اپنا بھول بھلیاں خدا کرے بن جائے
کہ آ کے یاد نہ جانے کی ان کو راہ رہے

میں لیتا ہوں بوسہ وہ دیتے ہیں گالی
کوئی خوش ہے کوئی خفا ہو رہا ہے

ادب سے ہیں سجدہ ادا کرنے والے
یہ بندے ہیں بت کو خدا کرنے والے
لگایا ہے دل اس کی جو کچھ سزا دو
گنہگار ہیں ہم خطا کرنے والے
ادائیں ہیں دل چھین لینے کی یہ بھی
نہیں بات کرتے حیا کرنے والے

کمال[1]

شاہ کمال بہت مہذب صورت، پاکیزہ سیرت اور خلیق تھے۔ جرأت کے شاگردوں میں تھے۔ ذہن اور طبیعت اچھی پائی تھی۔ صاحب دیوان ہیں قدرت کلام اور شوق رکھتے ہیں۔ مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کا کلام لطف سے خالی نہیں۔ مذاق قدیم کا اچھا نمونہ ہے۔

نہ جا چھوڑ کر مجھ کو کلام کہیں تو
بھروسہ ہے کیا دم کا آیا نہ آیا
خدا جانے روٹھا ہے کس بات پر وہ
بہت اوس کو ہم نے منایا نہ آیا

چشمِ خوں بستہ سے پھر اشک نمودار ہوا
طفلِ خوابیدہ بہت دیر میں بیدار ہوا

۱۔ از تذکرہ شوق۔

توڑ کیا کھٹے ترے تیرِ نگہ کا ظالم
بس ادھر چھوٹا کلیجہ کے وہیں پار ہوا

حذر کر ہمنشیں نالہ سے میرے
خدا حافظ ہے مگر شعلہ یہ بھڑکا

قیس کو اُلفت میں مت میرے برابر تو سمجھ
عشق کو کیا خاک سمجھے کا جو صحرائی ہوا

خونِ عاشق میں تو یہ ہاتھ گنہگھوے اور تم
ہم سے کہتے ہو کہ ہے مہندی کی لالی کیا خوب

شمع آفت آوے تیرے گریہ ہائے زار پر
کیوں کھڑی رہ رہ کے تو روتی ہے مجھ بیمار پر

اللہ رے شوخی آنکھ ملائی جو راہ میں
نکلا یہ چنونوں سے کہ تم ہو نگاہ میں

کمالؔ

شاہ کمال الدین صاحب شاگرد قایم چاند پوری۔

شبِ وصال میں جب روزِ غم کی بات چلی
خروش مرغِ سحر نے کہا کہ رات چلی

ہم گدا دیکھتے ہیں اس بتِ گمراہ کی راہ
یعنی آ نکلے تو کعبھ مانگ لیں اللہ کی راہ

۱۰۔ از اردوے معلیٰ۔

کنور

کنور چکروتی سنگھ بہادر نبیرہ مہاراجہ چیت سنگھ والئی بنارس۔ آگرہ میں رہائش تھی۔ ۱۸۲۹ء سال ولادت ہے۔

فریاد بھی کرتے نہیں ہم جورِ بتاں سے
خاموش ہیں، کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں زباں سے
پریوں سے نہ مطلب ہے نہ کچھ حورِ جناں سے
شیدائی ہیں دیوانے ہیں ان کے دل و جاں سے

کوثر

مولوی حکیم محمد عابد علی کوثر خیرآبادی۔ ان کے والد مولوی انور علی کا سلسلہ نسب خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی سے ملتا ہے۔ انہوں نے تحصیل علمی علمای فرنگی محل سے کی اور طب میں حکیم محمد جعفر اور نواب مسیح الدولہ کے بیٹے حکیم مظفر علی خاں سے پڑھا۔ حضرت امیر مینائی مرحوم کے اچھے تلامذہ میں تھے۔ تغزل کا رنگ قدیم ہے۔ مگر تازگی اور جدت سے خالی نہیں۔ خوب کہتے ہیں اور اکثر الفاظِ کہنہ میں جان تازہ ڈالتے ہیں۔ صاحبِ دیوان ہیں۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

شکایتیں سنیں دشمن سے دل دکھانے کی
خدا کرے انھیں عادت پڑے سنانے کی
خدنگِ ناز نے سیکھے ہیں آپ کے انداز
جگر سے راہ نکالی ہے دل میں آنے کی
نگاہِ ناز نے روزن کیا نہ پہلو میں
قصور تیر کا تقصیر کیا نشانے کی
شبِ وصال وہ من من کے روٹھ جاتے ہیں
نئی ادائیں نکالی ہیں روٹھ جانے کی

نہ پس جائے کہیں طرزِ خرامِ نازِ دلبر سے
قیامت سے کہو بچ کر چلے اس فتنہ پیکر سے
بوقتِ ذبح ہائی ہے وصالِ یار کی لذت
لہو ہو ہو کے نکلیں حسرتیں قاتل کے خنجر سے

شرارت کہہ رہی ہے کہوں کسی کا مدعا نکلے
دلہن بن کر رہے خلوت میں کیوں باہر حیا نکلے
نہیں ہے بزمِ خلوت میں مرےیاں کام غیروں کا
مرے دل سے تمنائیں ، ان آنکھوں سے حیا نکلے
نکالا ڈھونڈھ کر معشوق وہ بھی بیوفا نکلا
مثل سچ ہے کہ جتنا چھانو اتنا کرکرا نکلے

صدمے جو گزرتے ہیں گزر کیوں نہیں جاتے
وہ کہتے ہیں اس جینے سے مر کیوں نہیں جاتے
سینے میں چھپے بیٹھے ہیں، کیوں درد کی صورت
جوبن کی طرح داغ اُبھر کیوں نہیں جاتے
عینک ہیں جو آنکھوں پہ چڑھے رہتے ہیں ہر دم
دشمن تری نظروں سے اُتر کیوں نہیں جاتے

حسینوں سے اجی صاحب سلامت دور کی اچھی
نہ ان کی دشمنی اچھی نہ ان کی دوستی اچھی
تصور میں مزے لیتے تھے ہر دم وصلِ جاناں کے
برا ہو ہوشیاری کا وہی تھی بیخودی اچھی

میرے سینے میں چھپا رہنے دے پیکاں کوئی
دل بہلنے کے لیے چاہیے ساماں کوئی
میں جو اٹھتا ہوں بناوٹ سے بگڑ کر کوثر
نیچے زانو کے دبا لیتا ہے داماں کوئی

کوثر[۱]

جناب حکیم محمد نعیم کوثر رضوی سوہانی۔

اے ساکنانِ عالم ایجاد ہوشیار
دنیا نہیں فریب و دغا کا یہ جال ہے
بنتے بگڑتے رہتے ہیں دن رات سینکڑوں
قبضہ میں آج اس کے توکل اس کا مال ہے
آج اس کی شکل دیکھ کے لاحول پڑھتے ہیں
کہتے تھے جس کو کل شہ حسن و جمال ہے
جس گل سے ہے دماغ معطر بہار میں
آئی خزاں ادھر کہ اُدھر پائمال ہے
لازم ہے دوستوں کو چلیں دیکھ بھال کر
ہر اک جگہ فریب ہے پھندا ہے جال ہے
بازار گرم ہے حسد و رنج و بغض کا
پر حیف مہر و لطف و مروت کا حال ہے
وہ ظلم دوستوں نے کیے ہیں کہ میرا حال
عبرت کے واقعات کی پوری مثال ہے

کوثر

مرزا مہدی علی خان ولد قطب الدین خان برادر زادہ موتمن الدولہ

---

۱ - از اردوئے معلیٰ جلد نمبر ۷ -

اسحاق خان امیر عہد محمد شاہی شاگرد ناسخ یہ خود سرکار اودھ میں کمیدان فوج کے تھے ۔ صاحب دیوان گزرے ہیں ۔

خواب میں شب اس پری نے شکل دکھلائی ہمیں
جاگ اٹھے بخت خوابیدہ جو نیند آئی ہمیں

ربط کہتے ہیں اسے ضبط اسے کہتے ہیں
کبھی پیکاں نہ تیرے تیر کا کھٹکا دل میں

تیرا تو آسرا تھا جدائی میں یار کی
اب تو موت بھی مجھ سے گریزاں ہے ان دنوں

مصروف قتل عاشق جانباز ہے وہ ترک
ترکش کمر میں رکھتا ہے شمشیر دوش پر
قاتل کو اپنے دیکھ سکا میں نہ وقت قتل
چمکی بساں برق جو شمشیر دوش پر
شیشوں نے جھک کر مجرے لیے جام ہنس پڑے
لائے سبو جو مغبچہ ہے پیر دوش پر

کوثر

سید مظفر علی خان نام ۔ کوثر تخلص رئیس جانسٹھ ضلع مظفر نگر ۔ آپ کا سلسلہ نسب بواسطہ سید ابوالفرح واسطی حضرت زید شہید ابن حضرت امام زین العابدین ابن حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ سادات بارہ کے اس مشہور خاندان سے ہیں جس میں سید عبداللہ خان و سید حسین علی خاں گزرے ہیں ۔ بادشاہ فرخ سیر کے عہد حکومت تک کل مہمات سلطنت کا انتظام جن کے قبضہ اقتدار میں رہا اور اس قدر با اثر اور حاوی ہونے کے باعث مؤرخوں نے جن کا لقب بادشاہ گر قرار

دیا ہے چنانچہ آپ سید عبداللہ خان اعظم کی آٹھویں پشت میں ہیں ۔

آپ کے والد سید خورشید علی خان مرحوم ایک جلیل القدر رئیس تھے جو ۱۹۰۲ء میں راہگرائے ملک بقا ہوئے جن کے بصلۂ خیر خواہی ایام غدر گورنمنٹ سے چند دیہات و باغات مع خلعت فاخرہ عنایت ہوئے تھے اور عہدہ تحصیل داری بھی عطا ہوا تھا ۔ حضرت کوثر بمقام چاند پور ضلع بجنور ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے جہاں اس وقت آپ کے والد تحصیل دار تھے ۔ آپ کی فارسی کی استعداد اعلیٰ درجہ کی ہے ۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں ۔ شاعری کا ابتدائے سن شعور سے شوق ہے ۔ غزل گوئی جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب بیان و یزدانی مرحوم رئیس میرٹھ سے تلمذ ہے اور مرثیہ گوئی میں مرزا محمد جعفر اوج لکھنوی خلف مرزا دبیر مرحوم سے مشورہ لیتے تھے ۔ آپ نے کچھ ایسی خداداد طبیعت پائی ہے کہ ہر رنگ کی شاعری پر حاوی ہے ۔ آپ نے اپنا کلام جمع نہیں کیا اور نہ کبھی کوئی غزل کسی گلدستہ وغیرہ میں شائع کروائی البتہ ایک ناول عقد ثریا اور مثنوی خواب پریشان حسب اصرار و فرمائش بعض احباب طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہوئی اور چند بار طبع ہونے کی نوبت آئی ۔ علاوہ شاعری کے اکثر فنون و صنعت میں آپ کو دخل ہے ۔ فوٹو گرافی بھی اعلیٰ درجہ کی جانتے ہیں ۔ آپ کو تیس ہزار روپیہ سالانہ کے قریب آمدنی ہے ۔ مزاج میں انتہا درجہ کا انکسار اور سادگی ہے ۔ آپ کا کلام جو کچھ دستیاب ہو سکا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ۔

سوائے بے کسی ٹھہرا نہ دم بھر کوئی تربت پر
مری دل سوز تھی اک شمع روئی میری غربت پر

وہ برہم ہو کے فرماتے ہیں یہ میری شکایت پر
کہا تھا کس نے تم عاشق ہو آ کر میری صورت پر

وہ کیا حسن صنم میں ادائیں ہوں نہ عشوے ہوں
مٹائے آپ کو کیوں آدمی پتھر کی مورت پر

وہ فرماتے ہیں نالے ہم جو زیرِ بام کرتے ہیں
ہمیں یہ چاہنے والے بہت بدنام کرتے ہیں
سر گنج شہیداں کیوں قیامت شور کرتی ہے
کسی کے کشتگان ناز یاں آرام کرتے ہیں

گل عارض ہیں کمھلائے ہوئے گیسو بھی الجھے ہیں
مجھے وسواس آتے ہیں تم آئے ہو کہاں ہو کر
مرے گھر آئے ہیں پر ساتھ غیروں کو بھی لائے ہیں
غضب ہے وہ ستم کرتے ہیں مجھ پر مہرباں ہو کر

زاہد کو فخر ہے کہ عبادت گزار ہوں
اور مجھ کو ناز یہ کہ وہ آمرزگار ہے

خدا جانے عدم بھی کیا کوئی دلچسپ بستی ہے
کہ جس کو جان دے دے کر بشر آباد کرتے ہیں
چلے آؤ یہاں آراستہ ہے بزم مے نوشی
تمہیں کو ہچکیاں لے لے کے شیشے یاد کرتے ہیں

کوچک

شاہزادہ وجیہ الدین دہلوی سفر میں عازم فردوس بریں ہوئے۔ ہمراہیوں نے ان کی لاش کو لے کر دہلی میں حضرت سلطان المشائخ کے مزار کے متصل دفن کیا۔

یاں تلک پاؤں میں پھپولے ہیں
کہ قدم بھر چلا نہیں جاتا

پروردۂ کنار محبت ہے لخت دل
یوں خاک پر نہ او مژہ خونچکاں گرا

اس رشک گل کو دیکھ کے آئی نہ تاب حسن
بلبل ادھر گری تو آدھر باغباں گرا

کوکب

چودھری گنپت رائے صاحب[1]

خمسہ کوکب بر غزل مقصود

شمع پر جل گیا پروانہ اسے کہتے ہیں
مشتہر ہو گیا افسانہ اسے کہتے ہیں
قیس دل بن گیا دیوانہ اسے کہتے ہیں
آفریں ہمت مردانہ اسے کہتے ہیں
سر پہ افلاک کو نالے نے اٹھا رکھا ہے

مثل نقش پا بیٹھا ہوں جم کر
اٹھوں کا مٹ کر تیرے رہگزر سے

کوکب

شیخ یحییٰ علی صاحب کوکب متوطن کاکوری وارد بریلی شاگرد جناب عزیز[2]۔

بجائے چادرِ گل قبر پر ہو چادرِ آب
روانی آنسوؤں کی تا کہ یادگار رہے

شعلہ عارض روشن جو چمک جاتا ہے
طائر جاں قفس تن میں پھڑک جاتا ہے

---

۱ - کارنامہ
۲ - از گلدستہ لطیف

کوکب

میرزا محمد علی نبیرہ احمد علی بیگ دہلوی ۔ مدتوں مدینہ منورہ میں رہے ۔ فارسی اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ ۱۳۰۰ھ میں ۳۱ سال کی عمر تھی ۔ کلکتہ میں رہتے تھے ۔ سید حبیب‌الرحمان سے مشورہ سخن کرتے تھے یہ ان کا کلام ہے ۔

کروں قرباں دل و جاں دین و ایماں
میسر آئے گر دیدار تیرا

حیرت کدہ یہ عالم امکاں نظر آیا
دیکھا جسے انگشت بدانداں نظر آیا

حسن خورشید حجازی کا ہوں دل سے مشتری
کب نظر پڑتی ہے کوکب ماہ کنعاں کی طرف

کوکب

میرزا تفضل حسین خان خوشہ چین خرمن نواب اسداللہ خان غالب ۔ دیوان فضل‌اللہ خاں مرحوم دیوان ریاست‌الور کے بیٹے تھے ۔ ۱۲۹۶ھ میں فوت ہوئے ۔

زخموں نے کہہ دیا مرا سب رازِ دل اُسے
کوکب دہان زخم میں گویا زبان ہے اب

سہمے سہمے نہ رہیں کیونکہ مقیمان فلک
کہ فلک سے ہرے تیر فغان دہلی
ہم تو انسان ہیں جی کیونکر رہے بن روئے
کہ فرشتے بھی ہوئے مرثیہ خوانِ دہلی

جیسے فارس میں خلاصہ ہے زبان شیراز
ویسے ہی ہند میں ہے پاک زبانِ دہلی
جو مکین رہ گئے بے گور و کفن مر مر کر
ڈھانپنے پردہ کرے آن کا مکان بلی
غالب و سالک و ثاقب ہی نہیں ہیں غمگیں
کوکب خستہ بھی کرتا ہے فغانِ دہلی

کوکب

عالی جناب راجہ بلدیو پرشاد رئیس اعظم مظفر پور بہادر برادر جناب کاشف و شاگرد وسیم -

وہ عکس آئینہ میں اپنا دیکھ کر بولے
کہ اس کی چاند سی صورت ہے پیار کے قابل

آتی ہے ان کے جینے پہ کوکب مجھے ہنسی
جو لوگ ان کے کشتۂ ناز و ادا نہیں

کر چکے ذبح مجھے دل کو سنبھالے رکھیئے
کوئی پہچان نہ لے آپ کے گھبرانے سے

بے خودی عشق میں پایا ہے کچھ ایسا مزا
آرزو ہے عمر بھر میرا یہی عالم رہے[1]

کوکب

محمد عبدالرحمٰن خلف ڈاکٹر میراں بخش - احمد مرزا خان صاحب آگاہ دہلوی سے تلمذ ہے - ان کے بزرگ اول ولایت سے آ کر ضلع جموں

---

۱ - گلدستہ گلچیں -

میں مقیم ہوئے ۔ اس کے بعد آپ کے نانا مسمی پیر بخش نے امرتسر میں سکونت اختیار کی ۔ ان کے والد جے پور میں ہاسپٹل اسسٹنٹ تھے ۔ انھوں نے جے پور میں تحصیل علم کی اور مولوی عبدالمجید افگر فرخ آبادی سے بھی پڑھا ۔ یہ کلام ہے :

دل بھی ان کی سی لو لگا کہنے
مجھ کو میرے گواہ نے مارا
مقدر تھا ہر گشتہ تو ہر کام
بگڑتا ہی گیا جتنا بنایا

تری نازک افگنی کا تو مزا تھا جب مری جاں
کوئی دل میں ٹوٹ جاتا کوئی دل کے پار ہوتا

کوکب تھا عجب مرد مسلماں کہ دم مرگ
منہ تھا طرف قبلہ تو دل سوئے صنم تھا

کشش میں دل کی یارب جزب مقناطیس پیدا ہو
کہ رہ جائے کسی صورت سے اس کا تیر پہلو میں

کیشری

عالی جناب کیشری نرائن صاحب ۔ اسسٹنٹ سب ڈپٹی اوپیم ایجنٹ ۔

واں خوش دل حبیب ہے وصل رقیب سے
یاں جان پر بنی ہے فراق حبیب سے
دل پر لگائے سرمگیں آنکھوں نے ایسے تیر
اب آہ بھی نکلتی نہیں اس غریب سے

شوخی تو دیکھیے مجھے دیتے ہیں بزم میں
جام شراب لے کے وہ دست رقیب سے
جیسے چمن میں آئے تھے ویسے چلے گئے
پھولوں نے بات چیت نہ کی عندلیب سے

کیف

جناب شیخ فضل احمد صاحب متخلص بہ کیف مرحوم شاگرد خواجہ آتش ۔ آزاد منش اور وارستہ مزاج بزرگ تھے ۔ بڑے خوش گو اور نازک خیال سخنور گزرے ہیں ۔ آخر عمر میں کئی برس تک مولوی محمد انعام اللہ نجم ڈپٹی کلکٹر کے ہمراہ رہے ۔ ۶۳ برس کی عمر میں ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۹۲ھ کو قضا کی ۔ خواجہ حسام الدین حسام نے تاریخ کہی ۔

گرمئی بازار آتش بود حیف

جہاں سے بعد فنا لے کے ہم حساب چلے
بغل میں داب کے اعمال کی کتاب چلے

چشم بینش کے لیے سرمہ ادراک ہوں میں
نورِ حق جس سے عیاں ہوتا ہے وہ خاک ہوں میں
یا الٰہی دے مجھے صبر و تحمل ایسا
پھٹ پڑے سر پہ فلک تو بھی نہ غمناک ہوں میں

کیف

منشی سید حسن دہلوی سابق ملازم محکمہ بندوبست بدایوں شاگرد رشید حضرت مذاق بدایونی ان کے والد حافظ نعمت اللہ علی عیدگاہ دہلی کے امام اور خطیب تھے ۔ تعجب ہے کہ مندرجہ ذیل اشعار میں سے پہلا شعر شیخ فضل احمد کیف لکھنوی کے دیوان میں موجود ہے ۔ غالباً وہاں

غلطی سے درج ہو گیا ہو۔ صاحب دیوان ریختہ تھے۔ مدت سے مفقودالخبر ہیں۔

کسی نے باغ میں ایسا شگوفہ چھوڑا ہے
کہ آج تک گل و بلبل میں بول چال نہیں

ملا غیروں سے کون اور کون وعدہ پر رہا اپنے
ذرا منہ ڈال کر دیکھیں حضور اپنے گریباں میں

پتہ کیا پوچھتے ہو اپنے دیوانے کا غیروں سے
لقب مجنوں تخلص کیف مسکن ہے بیاباں میں

عجب اعجاز ہیں اے کیف کچھ ساقی کی آنکھوں میں
نظر ملتے ہی متوالا کیا شیخ و برہمن کو

کیف

منشی سید محمد سجاد حسین کیف مینجر رسالہ پروانہ شاگرد مولانا احمد حسن شوکت اڈیٹر تحفۂ ہند۔

سراسر اس میں کلفت ہے مصیبت ہے اذیت ہے
جو عاشق ہے تو راحت کا نہ لینا نام چاہت کا

کعبۂ دل میں خیال ان کا ہے ایماں ہو کر
کلمہ پڑھتا ہوں بتوں کا میں مسلماں ہو کر

اگر گل میں نہ حسن شاہد معنی ہویدا ہو
دل بلبل میں پھر دیکھیں تو کیوں کر عشق پیدا ہو

غضب ہو قہر ہو آفت ہو فتنہ ہو قیامت ہو
تمہیں پر منحصر ہے لو تمہیں کہہ دو کہ تم کیا ہو
دل مضطر کی نسبت ہم سے کہتے ہیں یہی وہ بھی
رہا ہو کر نہ جب میرا تو پھر کمبخت کس کا ہو

خوں بہایا مرا اس کا تو نہیں غم مجھ کو
نعش پر میری دو آنسو تو بہائے جاتے

دیر و حرم کے جانے سے تھی اور کیا غرض
میں دیکھتا تھا اس کو کہاں ہے کہاں نہیں

کیف

پنڈت شیو ناتھ چک ڈپٹی کلکٹر مرحوم ۔ کلام ندارد ۔ حالات ندارد۔ صاحب دیوان حالات الہ آباد ہے ۔

کیفی

سید رضی الدین حسن حیدرآبادی شاگرد مکیش

واعظ خدا کے واسطے لینا سمجھ سے کام
مطلب ہے ایک بتکدہ و خانقاہ کا

خبر کیا آپ کو دردِ جگر کی
مرا اللہ جانے یا مرا دل

چلو کیفی خراباتِ مغاں میں
کہ مسجد سے بہت اکتا گیا دل

تم ہو وہی لیکن وہ نوازش تو نہیں ہے
کچھ میری طرف سے تمہیں کاوش تو نہیں ہے
حیرت ہے یہ خط کس نے لکھا ہے مجھے یارب
اس دست نگاریں کی نگارش تو نہیں ہے

دہن سے پھول برساتی ہے آہ آتشیں اپنی
فلک بھر لے گا دامن گود بھر لے گی زمیں اپنی
الٰہی جلد آنکھیں بند ہو جائیں تو اچھا ہے
کسی کے دل میں کھٹکے گی نگاہ واپسیں اپنی
تری خاطر سے غیروں کی بھی خاطرداریاں کرتے
طبیعت گر الٰہ ہوتی اس قدر رشک آفریں اپنی
سفارش کے لیے کیفی کہیں کیا شرم آتی ہے
خطائیں بخشوائیں گے کسی سے کچھ ہمیں اپنی

گنجائش کلام کہاں خیر و شر میں ہے
جب تم بشر میں ہو تو سبھی کچھ بشر میں ہے
بندہ بشر ہے عفو خطا کا امیدوار
بے بس معاملات قضا و قدر میں ہے
کیفی ہے سو بروں کا برا پھر بھی سچ کہو
ایسا بھی کوئی شخص تمہاری نظر میں ہے

خم سبو ساغر صراحی جام پیمانہ مرا
میرے ساقی جب مرا تو ہے تو میخانہ مرا
ساز و ساماں ہیں میرے یہ بے سر و سامانیاں
باغ جنت سے بھی اچھا ہے یہ ویرانہ مرا

دشمن اپنا آپ ہوں میں دوست اپنا آپ ہوں
کوئی دنیا میں یگانہ ہے نہ بیگانہ مرا
میں یہ کہتا ہوں پرائی آگ میں گرتا ہے کون
شمع کہتی ہے مگر ایسا ہے پروانہ مرا[1]

جہاں تک ہو سکے تم سے کہے جاؤ برا مجھ کو
کبھی میں یہ نہ پوچھوں گا کہ تم نے کیا کہا مجھ کو
بت نے بڑھایا حوصلہ اتنا کہ کہتا ہوں
تمھارے دیکھنے والوں میں ہوں میں دیکھنا مجھ کو
بہار آئی ہے کیفی میں کہیں رکتا ہوں پینے سے
سمجھتے تھے جو اب تک وہ نہ سمجھیں پارسا مجھ کو[2]

بجلی گرے کہ باغ میں باد خزاں چلے
اپنی بلا سے جب چھوڑ کے آشیاں چلے
دوڑیں گے ہم اسی کی طرف روز حشر بھی
حوریں پکارتی ہی رہیں گی کہاں چلے
ہم ہستی و عدم کو سمجھتے ہیں سیرگاہ
آئے یہاں وہاں سے یہاں سے وہاں چلے

کیفی

مخلص بے ریا محب صادق پنڈت برج موہن دتاتریہ کشمیری دہلوی۔ انگریزی فارسی زبانوں میں اعالی درجہ کی لیاقت رکھتے ہیں۔ پہلے اخبار

---

۱ - از اردوئے معالی جلد ۵ -
۲ - از اردوئے معالی جلد ۹ -

خیر اندیش کے اڈیٹر تھے - کنور پرتاپ سنگھ رئیس جالندھر کے سیکرٹری ہیں -[1] ناول برہم دیوی وغیرہ طبع ہو چکے ہیں -

طرز نیوں کوئی اس ڈھنگ کا ایجاد کریں
بت بھی مں کر جسے اللہ سے فریاد کریں

جئے جہاں میں تو رنج و غم و حیا کے لیے
ستم کے واسطے غم کے لیے بلا کے لیے
ملا نہ پھر کوئی ایسا کہ جس سے میں پوچھوں
مرے جہاں میں بھلا کیوں کوئی جفا کے لیے
ہزار شکر کہ ظالم نہیں میں ہوں مظلوم
اک آہ سرد ہے بس اپنے خون بہا کے لیے
ملا جو خضر جہاں میں ڈبونے والا تھا
کریں پھر آرزو کس در سے آشنا کے لیے
مزاج راہ پر ان کا ہو گر تو میں پوچھوں
سزا یہ آپ نے دی مجھ کو کس خطا کے لیے
مگر یہ بدلے تھے جو مرے عشق صادق کے
ستا ستا کے مرا دل جلا جلا کے لیے
نہیں ہے حوصلہ اب رنج و غم کے سہنے کا
اٹھائے موت بھی اب تو مجھے خدا کے لیے
بہت برائی جہاں میں نشہ سے ہے کیفی
بلا یہ دور ہو جلدی کہیں خدا کے لیے

---

۱ - کیفی صاحب ۱۹۰۰ء تا ۱۹۱۶ء جالندھر میں کنور صاحب کے سیکرٹری رہے - ان کے حالات اور کلام کے بارے میں اسی دور میں لکھا گیا ہوگا -

کیفی

مہابیر پرشاد کیفی ۔ مانک گنج لکھنؤ۔ پیشہ وکالت ۔ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے ۔ بچپن ہی سے شعر و شاعری سے لگاؤ تھا ۔ تیرہ چودہ سال کی عمر ہی سے شعر کہنے لگے تھے ۔ اسی زمانے کا آن کا ایک شعر ہے ۔

عاشقو آؤ چلیں پوچھیں یہ اک دیندار سے
ہم لگائیں دل خدا سے یا کسی دلدار سے

۱۹۱۵ء میں امین آباد ہائی سکول کی تعلیم کے دوران اپنے فارسی کے اُستاد مولانا عزیز کی رہنمائی میں ذوقِ شعری کو جلا بخشی ۔ اسی زمانے کے کلام سے چند اشعار نمونے کے طور پر پیشِ خدمت ہیں ۔

یہ بات تو اے خدا نئی ہے
ہر چیز میں اک ادا نئی ہے
مر جائیں یہ بات کیا نئی ہے
ہر درد کی اک دوا نئی ہے
دل اور کہیں ہے ہم کہیں اور
مجرم کی ترے سزا نئی ہے
دل کو کوئی اور رنج پہنچا
یہ درد بھری صدا نئی ہے

بہاری کیا ہے اک آزاد ہیں آئے ہیں جائیں گے
وہی صحرا وہی جوشِ جنوں پھر خاک اُڑائیں گے

دلِ آفت زدہ مدت ہوئی ہم سے خفا ہو کر
نہ جانے کیا ہوا محوِ ادائے دلربا ہو کر

---

۱۰ نوموصول ۔

چمن بگڑا چمن میں آشیاں اجڑا کہاں جاتے
اسیرانِ کہن زنداں میں پھر پلٹے رہا ہو کر
بہارِ نشۂ عہدِ جوانی دیکھ لے اے دل
ابھر آئی ہیں باتیں دل کی نظروں میں حیا ہو کر
یہ باتیں چپکے چپکے ہو رہی ہیں کچھ اسیروں میں
اٹھا لیں گے چمن سے آشیاں ہم بھی رہا ہو کر

یہ تاریکی یہ خاموشی بہت اچھی ہے زنداں کی
کوئی گر خیریت لاتا رہے میرے گلستاں کی
یہ ان سے کہہ کے آنکھیں بند کیں بیمار الفت نے
تمھارے ہاتھ ہے اب آبرو اس جسمِ بیجاں کی

پلٹ جائے گی دنیا گر یہی رہا عالم دل کا
بدل دیتا ہے اک بیتاب نقشہ ساری محفل کا
ازل سے سلسلہ جنبانیاں پابند نسبت ہیں
چٹکنا غنچہ کا دیباچہ ہے شورِ عنا دل کا
موافق ہے ہوا اے ناخدا لیکن یہ کیا باعث
لرز جاتا ہے دل جب نام بھی لیتا ہوں ساحل کا
کہاں جاتا ہوں یا اللہ میں کیسا مسافر ہوں
کہ اپنی بے نشانی میں پتہ پاتا ہوں منزل کا
غریقِ بحرِ غم مایوسیاں کس سے کہیں اپنی
فریبِ شوق! تنکے پر بھی شک ہوتا ہے ساحل کا
انھیں تنکوں کی خاطر عمر بھر تنکے چنے ہوں گے
ہوائے تند رستے میں قفس بھی ہے عنادل کا
گھٹا سوزِ غمِ پنہاں مگر آنسو نہیں رکتے
کوئی امید ٹوٹی ہے کہ ٹوٹا آبلہ دل کا

جوانی کی بہاریں کتنی خوش پوشاک تھیں کیفی
وہی دل ہے مگر پرساں نہیں ہے اب کوئی دل کا

مری بیتابیوں نے آبروئے عشق بھی کھوئی
زمانہ رفتہ رفتہ ہو گیا ہے رازداں میرا
نشیمن کے ہوئے برباد تنکے میں نے یہ جانا
ہوا میں ڈھونڈتا پھرتا ہے مجھ کو آشیاں میرا
بس اتنا جانتا ہوں رونے سے تسکین ہوتی ہے
نہ جانے کیا بلائے بد ہے یہ دردِ نہاں میرا
چمن سے جب چلا حسرت سے دیکھا میں نے مڑ مڑ کر
نظر آیا کیا مجھ کو جہاں تک آشیاں میرا
یہی ہیں ہاں یہی ہیں عشق کی مجبوریاں کیفی
کہ مجھ کو بھی نہیں معلوم ہے دردِ نہاں میرا

ہم نے تو گویا خدائی کی اگر بیداد کی
ہم برے ٹھہرے اگر ہم نے کبھی فریاد کی
ڈال دو بنیاد پھر سے عالمِ ایجاد کی
کیوں لیے پھرتے ہو اب مٹی دلِ برباد کی
ہچکیاں لے لے کر مرنے والے اب یہ بھی بتا
کس کو یہ آواز دی اور کس سے یہ فریاد کی
جلوۂ کثرت نما کی جستجو کو دیکھ کر
جی میں ہے کہہ دیں کہ ہاں ہم نے تمہاری یاد کی
وائے قسمت اب کے شوقِ دیدِ گل کے ساتھ ساتھ
دل میں اک تصویر بھی تھی خانۂ صیاد کی

اے نگاہِ شوق جذب عشق کی تاثیر سے
وہ نکل آئیں گے باہر پردۂ تصویر سے
کم ہوا جاتا ہے اب احساس ہستی دمبدم
درد دل میں بھر دے پھر ظالم کسی تدبیر سے
کیا کہوں دیوانگانِ عشق کی مجبوریاں
توڑ کر سو بار پھر اُلجھے اسی زنجیر سے
کچھ نہ کچھ سب دل میں سمجھے معنیٔ حسن ازل
کس قدر کھینچی گئیں تصویریں اک تصویر سے
رنجِ رسوائی و ضبطِ نالہ و سوزِ فراق
درد دل میں کس قدر پیدا ہوئے اک تیر سے
اک نہ اک تسکین دلِ بیتاب ہوتی ہی رہی
کچھ نہ کچھ کہتے رہے وہ کیفیؔ دلگیر سے

کیفی

منیر احمد معروف بہ مولوی منا خلف مولوی سید واہب حسین موضع روہانی ضلع گیا وطن تھا ۔ مگر زندگی بھر صاحب گنج ضلع گیا میں مقیم رہے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے نانا مولوی غلام قادر صاحب مفتی عدالت گیا سے پائی اور ان کے انتقال کے بعد بقیہ کتب و فن شعر مولوی حکیم سید اولاد علی کاہش جونپوری سے حاصل کیا ۔ جب تحصیل سے فارغ ہوئے تو مولوی کاہش مرحوم کے مشورہ سے ان کے بزرگوں نے ان کو متاہل کرنا چاہا مگر انھوں نے منظور نہیں کیا اور درس دینے کی خواہش کی چنانچہ ۱۵-۱۶ برس تک اپنے نانا صاحب کی درسگاہ میں درس دیتے رہے ۔ مگر طب اور فن شعر کا بھی مشغلہ رہا کیا ۔ اور راجہ صاحب علاقہ مقصود پور ضلع گیا نے آپ کا تلمذ اختیار کیا اور اپنی ریاست میں ان کو عہدہ طبابت پر مامور کر دیا ۔ مگر بعد چند ماہ وہ اس عہدے سے مستعفی ہو گئے پھر تاحیات سلسلہ ملازمت اختیار نہیں کیا ۔ ہمیشہ درس و تدریس

و عبادت الٰہی میں مشغول رہے ۔ گیا و ضلع گیا کے اکثر شرفا و عمائد آپ کے شاگرد ہیں ۔ بعد انتقال کاہش مرحوم کے چھ سات برس زندہ رہے اور ۳۵ برس کی عمر میں ۱۲۸۸ھ میں راہی ملک بقا ہوئے ۔ سید شاہ قطب الدین احمد نامی مرحوم نے جو ان کے شاگرد رشید تھے تاریخ رحلت کہی برج خاکی میں چھپا ماہ منیر

اس کفر محبت کا مزا کیا کوئی جانے
رونق دہ کاشانۂ ایماں ہیں تو ہم ہیں
بیتاب ہمیں دیکھ کے کہتے ہیں وہ ہنس کر
درد دل عشاق کے درماں ہیں تو ہم ہیں
کہتی ہے یہی حسرت دیدار دم ذبح
آتش زن ناموس شہیداں ہیں تو ہم ہیں

حال سارا کھل گیا جب خون ہو کر دل بہا
لخت ہائے دل ہمارے پرچۂ اخبار ہیں
دیکھیں کس کی بات رہ جاتی ہے اس تکرار میں
ہم سے تم بیزار ہو ہم زیست سے بیزار ہیں

ہے دلربا جو یار دل آزار بھی تو ہے
مانا کہ با وفا ہے ستم گار بھی تو ہے

دل لیتے ہی اس نے دشمنی کی
کیا داد ملی ہے دوستی کی
آنا ہو تو جلد آؤ صاحب
ہے دیر یہاں کوئی گھڑی کی

کیفی

منشی نورالدین صاحب کاکوروی سررشتہ دار عدالت چھاؤنی مئو۔ کلام میں مزا ہے۔ پرگو شاعر ہیں مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے۔

دل لگا آبادی میں لگتا ہے نہ ویرانوں میں
ہے عجب طرح کی ر شت ترے دیوانوں میں
فرق آیا ہے کچھ اس طرح کا ایمانوں میں
برہمن کعبہ میں ہیں شیخ ہیں بت خانوں میں
باغ میں سبزۂ خوابیدہ بھی جاگ اٹھتا ہے
آپ کب آتے ہیں جان آتی ہے مے خانوں میں
صبح ہونے ہی نہ ہم ہونگے نہ فریاد و فغاں
رات بھر ہیں شب فرقت ترے مہمانوں میں
آج کل جان کے دشمن ہیں یگانے اپنے
اور ہے خلق و مدارات تو بیگانوں میں

قد قیامت ہے ترا شوخی رفتار آفت
فتنے اٹھ اٹھ کے ترے پاؤں پہ سر رکھتے ہیں

عاصیوں پر جو ہوئی حشر میں رحمت نازل
مل گئے آ کے فرشتے بھی گنہگاروں میں
میں سمجھتا ہوں جہاں سینکڑوں دشمن ہیں فلک
ایک تو بھی سہی کیفی کے دل آزاروں میں

جب تلک حشر نہ ہو کوئی بتائے کیوں کر
روز محشر ہے برا یا شب فرقت تیری

کہ کے تم بات بدل جاتے ہو یا میں صاحب
آپ کی ہے کہ مکر جانے کی عادت میری
ناتوانی نے بنایا مجھے نقش موہوم
آئینہ میں نظر آتی نہیں صورت میری
آپ کو دیکھا ہے یا آپ کو دیکھا میں نے
آپ کے منہ میں نظر آتی ہے صورت میری[1]
داغ ہائے جگر و دل کی دوا ہوتی ہے
لوگو فریاد لٹی جاتی ہے دولت میری

گر یہی عالم ہے شوخی کا تو اڑ جائے گی صاف
اے پری اک دن نکالے گی تری تصویر پر
شوخی انداز کا اللہ رے نقش و نگار
بجلیاں ہیں لوٹ جس کے پیکر تصویر پر

پیدا ہے بجلیوں کی تڑپ انتشار میں
کیا بے قراریاں ہیں دل بے قرار میں
کیوں غیر سے شکایت مہر و وفا کروں
دل ہی مرا نہیں ہے مرے اختیار میں

اس قدر جان جہاں مائل بیداد نہ ہو
خیر سے اسم مبارک ستم ایجاد نہ ہو
کوئی ان کے لیے گھر چھوڑ کے برباد نہ ہو
گر بتوں میں کشش حسن خدا داد نہ ہو

۱۔ کاش دوسرے مصرع کو یونہی کہہ دیتے۔
ع آنکھ کے تل میں نظر آتی ہے صورت میری (مرتب)

رولیے اس دل ناشاد کے ارمانوں پر
ہائے جو گلشن فردوس میں بھی شاد نہ ہو
یہ تو دانستہ تغافل ہے ستمگر تیرا
غیر کی یاد تو ہو اور مری یاد نہ ہو
وہ الگ جرم کہ جس میں نہ کوئی عذر کرے
ہم ایسے ہوں کہ جس کی کہیں فریاد نہ ہو

یہاں رہا تو تپ غم سے بے قرار رہا
وہاں گیا ہو تڑپتا تہ مزار رہا

[illegible] ہم نے کیا شکایت کیا
آخر اک روز یوں ہی مرنا تھا
غیر نے [illegible] کو ہوش کیوں آیا
ڈوبنے دیوں اگر ابھرنا تھا

[illegible] رہ گیا سب تم تھا یہ لوں کہنا ہے
[illegible] کا شکوہ ضرور میں نے کیا
وہ رند ہوں جو تکبرین بھر میں آئے
تو جھٹ سوال شراب طہور میں نے کیا

انسان کے سوا نہ گیا اپنے ساتھ کچھ
دنیا میں رہ گیا وہ جو دنیا کا مال تھا
یکساں صدا کسی کا زمانہ نہیں رہا
جس کو ہوا عروج اسی کو زوال تھا

کیفی

منشی چندر بھان صاحب [illegible] خلف منشی مراری لال صاحب

کایستھ متوطن دہلی - جناب مولانا راسخ مرحوم کے تلامذہ میں ہیں - قوی شاعری کا زیادہ شوق ہے - کبھی کبھی عاشقانہ رنگ میں بھی کہتے ہیں - آپ کی پر مذاق قوی نظمیات دہلی کے پبلک جلسوں میں بہت دلچسپی سے سنی جاتی ہیں - زبان پاکیزہ اور صاف ہے جو کچھ کہتے ہیں عام فہم کہتے ہیں - کلام کا نمونہ درج ذیل ہے -

وہ بلبل ہیں نہ بھولیں گے کبھی ہم آشیاں اپنا
رہے گا یاد بعدِ مرگ بھی ہندوستاں اپنا

عشق کے بندے خدا سے مل چکے
بت کدوں میں خانقاہیں ہو چکیں

ہوئے کس مست کے جلوے سے بے خود
کہو تو حضرت کیفی کہاں ہو

چشم گوہر بار کے کیوں کر نہ ہوں حلقے سفید
جوہری بازار میں ہیرے کا چھلا چاہیے
مار ڈالا یار کی پتلی کمر کے عشق نے
مرقد عشاق پر چھڑیوں کا میلہ چاہیے
پلکیں جھکنے لگیں پتلی تری شرمائی ہے
ہائے کس ناز سے آنکھوں میں حیا آئی ہے

نگہ میں ناز حیا میں سرور ہوتا ہے
ادا ادا میں بتوں کی غرور ہوتا ہے
ذرا سنبھال کے رکھیے گا آئینہ دل کا
یہ دھان پان ہے گرتے ہی چور ہوتا ہے

ہے وہ نازک وصل کا سامان ہلکا چاہیے
چادریں مہتاب کی پھولوں کا تکیا چاہیے

ہاتھ آئے گا کوئی سیم بدن
پھر کھجاتی ہے ہتھیلی میری

رسمِ پردہ

حیا داری کا ہے دستور اچھا نہو پردہ جو رخ سے دور اچھا
سمجھتی ہے اسے ہر حور اچھا کہ چھنتا ابر سے ہے نور اچھا
نکلتا نام ہے پردہ دری سے
یہ مستورات کی جلوہ گری سے

ٹپکتا ہے حیا سے نورِ عصمت پھٹے کپڑوں میں ظاہر ہے شرافت
نہاں پردے میں ہے حسنِ حقیقت ثبوت اس کا ہے خود صانع کی صنعت
ہر چیز اچھی ہے پردے میں ہوتی
صدف کے پیٹ میں رہتے ہیں موتی

تصور یار کا ہے دل کے اندر سدا لیلیٰ رہی محمل کے اندر
ملے لعل و جواہر گل کے اندر رہا نورِ بصیرت دل کے اندر
ہمیشہ پھول پتوں میں رہا ہے
ہمیشہ شہد چھتوں میں رہا ہے

جانثارانِ وطن یک دل و یک جان بنو
ہند والے بنو، ہندو نہ مسلمان بنو
ہو زلیخا کی نگاہوں میں عزیز مصری
چشمِ یعقوب میں تم یوسفِ کنعان بنو

کتھے چونے کی طرح سرخروئی حاصل ہو
سبز بختی ہو میسر جو تمھیں پان بنو
کوئی الجھن نہ رہے دل کی گرہ کھل جائے
بخت برگشتہ سہی ، زلفِ پریشان بنو
بزم میں جشنِ فریدوں کی دکھاؤ شوکت
رزم میں روکشِ صد سام و نریمان بنو
جلوہ گر دیروحرم دونوں ہیں اس بھارت میں
دید پاٹھی بنو یا حافظِ قرآن بنو
آریہ ہند کو رشیوں کی زمیں کہتے تھے
عرش کے لوگ اسے خلدِ بریں کہتے تھے

غزل

تو وہ ساقی مدبھری آنکھیں ہیں پیمانہ ترا
بھر رہی ہے دم ازل سے بزمِ رندانہ ترا
گیان کی جوتوں سے روشن ہے صنم خانہ ترا
تو چراغِ معرفت ہے میں ہوں پروانہ ترا
ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں کوہیاں محو جمال
برج کی حیرت سرا ہے آئینہ خانہ ترا
خود تماشا بن رہا ہے خود تماشہ گر ہے تو
اے فسوں گرا کھیل ہے سب سے جداگانہ ترا
پردۂ پندار ان کے سامنے سے ہٹ گیا
حسن جن آنکھوں نے دیکھا بے حجابانہ ترا

متفرق اشعار

تو خود نما نہ ہو تو کوئی خود نما نہ ہو
آئینہ صاف کہتا ہے آئینہ ساز سے

ہیں ہر نفس کے ساتھ نئی خواہشیں مجھے
پریاں اتر رہی ہیں ہوائی جہاز سے

دل میں نیرنگ جہاں کا ہے تماشا کیسا
بند اس خاک کے کوزے میں ہے دریا کیسا
وصل کی شب بھی رہا محو خیالِ جاناں
ہائے آنکھوں پہ مری پڑ گیا پردا کیسا

چرخ نے رنگ اڑائی تری رعنائی کا
قوس میں عکس نظر آتا ہے انگڑائی کا
ما سوا آئینہ ہے جلوہ یکتائی کا
اپنا ہی عکس تماشا ہے تماشائی کا

عدم سے آئے ہیں ہستی میں دیکھنے کو تجھے
تمنا کھینچ کے لائی کہاں کہاں سے ہمیں
ہماری شان ہے بربادیوں سے اے کیفی
ملی ہے بزمِ خرابات لا مکاں سے ہمیں

ساغر و جام صراحی سے بھرا کرتے ہیں
جو سخی ہیں تہی دستوں پہ جھکا کرتے ہیں
اشک یادِ لبِ شیریں میں نکل جاتے ہیں
ننھے بچے ہیں مٹھائی پہ مچل جاتے ہیں

"گ"

گرم

مرزا حیدر علی بیگ پسر مرزا نثار علی بیگ دہلوی قوم مغل مشہدی ۔ شاہجہان‌آباد میں رہتے تھے (از تذکرہ شوق)شاگرد رشید غلام ہمدانی مصحفی ۔ مصحفی مرحوم کو ان پر اور منتظر پر بڑا ناز تھا اور ان پر بڑا کرم فرماتے تھے ۔ لکھنؤ میں اکثر رہتے تھے ۔ شاہ اودھ کے توپ خانہ میں داروغہ تھے ۔ ۱۱۹۳ھ میں زندہ تھے ۔ دکن میں انتقال کیا ۔" بقااللہ خاں بقا سے بھی تلمذ تھا ۔ شاعر خوش فکر اور خوش تلاش تھے ۔ یہ چند شعر ان کے ہیں ۔

سحر کو منہ لگا دھونے جو وہ سے نوش دریا میں
نشے سے مچھلیاں سب ہو گئیں بے ہوش دریا میں
تمنائے ہم آغوشی ہے کس کی آہ موجوں کو
چلی آتی ہیں جو کھولے ہوئے آغوش دریا میں
لب ساحل پہ سر موجوں نے کیا کیا اپنا ٹکرایا
لٹیں بالوں کی جب ان سے ہوئیں ہم دوش دریا میں

نہ لطف کچھ ان کو زیست کا ہے نہ چین ٹک شب کو خواب میں ہے
لگی ہے جس دن سے تجھ سے پیارے یہ جان پر غم عذاب میں ہے
نقاب جو تو نے شب اُلٹ کر دکھائے زلفوں کے بال یکسر
ہماری اس دم سے جان مضطر بسان موج اضطراب میں ہے

نکہت اس کی زلف کی ایسی حیا لاتی ہے اب
اونگھتے ہی جیسے نیند آنکھوں میں آ جاتی ہے اب

نالے کی گرمیوں سے بھنتے دل و جگر ہیں
لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زباں پر ہیں
یاران رفتگاں کا مت پوچھ مجھ سے قصہ
اے ہم نشیں میں بھی حیراں ہوں وے کدھر ہیں
سینے کے داغ سوزاں دیکھوں کہ اشک خونی
اس نخل عاشقی کے یہ گل ہیں یہ ثمر ہیں

شب رخصت ہے رہو تم مرے گھر آج کی رات
جاں بلب چھوڑ کے جاتے ہو کدھر آج کی رات
کر دیا در کو اجابت کے خدایا کیا بند
نہیں کرتی جو دعا میری اثر آج کی رات

ہم جن کی محبت میں لہو پیتے ہیں اپنا
وے بالدھے ہوئے پھرتے ہیں تلوار ہمیں پر

تم کو دریا میں جو اے شوخ نہاتے دیکھا
شرم کے مارے وہیں شمس و قمر ڈوب گئے

کشتۂ حیرت کا تیرے جس جگہ مدفن ہے واں
بیکسی راتوں کو کیا کیا آ کے چلاتی ہے اب
پنجہ مرجاں نہ ہوئے اس سے کیونکر غرق خون
شاخ گل جس ساعد رنگیں پہ گل کھاتی ہے اب

حسرت سے دیکھتا ہوں جب میں یار کی طرف
لگتا ہے تب وہ دیکھنے دیوار کی طرف

ہیں یاں تک اشک پونچھے آستیں سے
کہ ہے اک موج دریا ہر شکن میں

سیل گریہ سے نہ ہم تابہ کمر ڈوب گئے
اس قدر روئے کہ ہمسایوں کے گھر ڈوب گئے

گرم

لالہ جگن ناتھ صاحب بریلوی شاگرد جناب خواہاں۔

(از گلدستہ لطیف)

کیا گلہ کیجیے برگشتگی قسمت کا
خواب میں بھی نہ نظر رات کو دلبر آیا
حال معلوم نہیں ذبح کیا یا چھوڑا
کوچہ یار سے پھر کر نہ کبوتر آیا

گرم

محمد مظفر خان مرحوم ابن محمد خان ملازم سرکار رام پور شاگرد شیخ ابراہیم ذوق۔ نواب عبداللہ خان برادر محمد سعید خاں والئے رام پور کی رفاقت میں بہت دن دہلی اور میرٹھ میں رہے۔ بقول امیر بڑے خوش مزاج اور زندہ دل تھے۔ میر محمد علی کی تاریخ سے پایا جاتا ہے کہ ۱۲۸۶ھ میں اور بقول بعضے ۱۲۵۰ھ میں بعمر ۶۰ سال جے پور میں انتقال کیا۔

واعظ کا روزہ اور مرا ہجر ایک ہے
ہم دونو پوچھتے ہیں کہ دن کس قدر رہا

۱

مہربانی میں دلستانی ہے
قہر کرتے تو کیا ٹھکانا تھا

آج اک ہدف پہ اس نے لگائے ہیں خوب تیر
اے کرم بے خبر کہیں تیرا جگر نہ ہو

مر جائیں روز ہجر شب وصل جی اٹھیں
گر موت و زندگی پہ خدا اختیار دے

چاہ میں اک بت ہرجائی کی
در بدر ناصیہ فرسائی کی

اے کرم ہم نہ کہتے تھے ہے عشق بد بلا
آئینہ لے کے دیکھ وہ صورت کدھر گئی

گستاخ

حافظ محمد کرامت اللہ خان صاحب لکھیم پور میں داروغہ جیل تھے -
از گلچیں (از اردوئے معلی)

میں وہ نہیں جو سنوں گالیاں بت بد خو
مری زباں بھی چلے گی تری زباں کی طرح

آوارۂ وطن ہوں نہیں ہے مکاں نصیب
قسمت جہاں اٹھائے بٹھائے جہاں نصیب
سن کر ازل میں حال مری سرنوشت کا
قسمت پکار اٹھی مرے پھوٹے کہاں نصیب

اپنے اسیر کی وہ مدارات کیا کرے
جس کو نہ ہوں قفس کے لیے تیلیاں نصیب

گل

ابوالضیا مولوی عمر ابن عبدالکریم صاحب شاگرد جناب ظہیر دہلوی مرحوم -

گمنام نام اپنا گھر لا مکاں ہمارا
کیا پوچھتے ہو ہم سے نام و نشاں ہمارا
تو جانتا ہے کیا ہے راز نہاں ہمارا
عشق خدا ہے زاہد عشق بتاں ہمارا
وعدہ پہ کیوں نہ آئے وہ کیا سبب ہے اس کا
کچھ اور کہہ رہا ہے ہم کو گماں ہمارا
کس کو سنائیں چل کر یہ غم کی داستاں ہم
دنیا میں کون ایسا ہے مہرباں ہمارا
رہتے ہیں ہم زمیں پر اڑتے ہیں ہم فلک پر
یہ بھی مکاں ہمارا وہ بھی مکاں ہمارا

دل میں رہیے کہ میری آنکھوں میں
آپ ہی کے مکاں ہیں دونوں
دیر کس کا ہے اور حرم کس کا
خاص تیرے مکاں ہیں دونوں

چار دن کی زندگی ہے کیوں برائی مول لیں
ہم تو اچھا ہی کہیں گے دشمن اپنا کیوں نہ ہو
میں برا ہوں کیوں نہ اچھی بات ہو میری بری
تم خود اچھے ہو تمہارا کام اچھا کیوں نہ ہو

گلشن

منشی شنکر سہائے صاحب محرر دفتر اجنٹی بھوپال تلمیذ جناب نظمی -

تیر نگہ یار سے حالت یہ ہو گئی
دل زخم کھا کے رہ گیا ٹکڑے جگر ہوا
اڑ کر قدم لیے وہیں خاک مزار نے
بھولے سے قبر پر جو کسی کا گزر ہوا
دیکھا جو دور سے مجھے ترچھی نگاہ سے
اک تیر تھا کہ دل پہ مرے کارگر ہوا

جسے دیکھو ہے وہ شیدا تمھارا
ہر اک دل میں الفت جانی ہے تمھاری

تیرہ بختی کو میری کیا شب ہجراں سمجھے
کچھ جو سمجھے تو ترے گیسوئے پیچاں سمجھے

گلشن

رائے دہراج لکھنوی پیشکار نبیرہ راجہ لال جی بہادر بخشی فوج سلطان اودھ -

جلوہ گر خال جو ہیں چاند سے رخساروں پر
مہرباں ماہ فلک صدقے ہوں ان تاروں پر
بے خودی میں یہ عجب لطف ملا ہے ان کو
جو ترے مست ہیں وہ ہنستے ہیں ہشیاروں پر
یہ چمن میں بھی گلوں کی نہیں رنگت ہوتی
روانی ایسی ہے ترے اترے ہوئے ہاروں پہ

گلشن[1]

دھرم رتن پنڈت رادھے ناتھ کول والد پنڈت دوارکا ناتھ کول کشمیری برہمن رئیس وستوطن لاہور۔ عمر چھپن برس۔ آپ اعلیٰ درجے کے سناتن دھرمی مخیر، ہمدرد اور منکسرالمزاج ہیں۔ ۱۹۳۰ میں شری بھارت دھرم سہامنڈل بنارس نے آپ کو "دھرم رتن" کے خطاب کا اعزاز بخشا تھا۔ ضلع لاہور میں موضع پریم نگر آپ کی ملکیت میں ہے اور پنجاب گورنمنٹ کے درباریوں کی فہرست میں آپ کا نام درج ہے۔ عرصہ بارہ تیرہ سال سے آپ الہ آباد میں سکونت پذیر ہیں اور وہیں سے وقتاً فوقتاً لاہور تشریف لایا کرتے ہیں۔ آپ کا کلام ہندو نصائحؒ سے مالا مال ہے۔

خود غرض سب تھے کسی کا کوئی غم خوار نہ تھا
جز خدا کوئی مصیبت میں مددگار نہ تھا
محوِ نظارہ تھا میں دل کے تماشا گہ میں
اک تماشا تھا کہ جو برسرِ بازار نہ تھا

ہر گل اک آئینہ ہے عروسِ بہار کو
حیراں ہے اپنے دیکھ کے نقش و نگار کو
سیرِ جہاں سے سیر ہے کیوں دل سے پوچھیے
دیکھا ہے جس نے جلوۂ دیدارِ یار کو

ظاہر ہے اس جہان کو ہرگز بقا نہیں
کر اس کی تو تلاش جس کو فنا نہیں

حالِ دل کرتی ہیں روشن صورتیں تقریر کی
طبع سے ہوتی ہیں ظاہر رنگتیں تحریر کی

---

۱ - لودوصول -

ہو گئے آزاد جو اب رو کیے تو آپ انھیں
ہم بھی دیکھیں کون سی ہیں بندشیں زنجیر کی
حق پرستی اس کو کہیے بت پرستی یہ نہیں
ہم پرستش کرنے والے ہیں تصویر کی

کچھ نہیں ہوں ایک بھولے وقت کی میں یاد ہوں
اور وہ بھی کیا ہے گویا صورتِ فریاد ہوں
نیستی ہستی فقط اک سانس پر موقوف ہے
گھر ہوا پر ہے بنا میں ایسا بے بنیاد ہوں

گوہر

جناب نواب مولوی محمد منور خاں صاحب تلمیذ جناب ظہیر و داغ۔ نبیرہ نسبی ہمرہائی نس نواب والا جاہ شاہزادہ ارکاٹ و نواب اعظم جاہ مغفور والی ارکاٹ۔ (انتخاب کلام حاضر ہے۔ اسے دیکھیے اور سوچیے کہ طبیعت کی مناسبت اور استاد کی اصلاح زبان سے اجنبیت کے عوارض کا مدافعہ کہاں تک کر سکتی ہے)۔

اس ستم گر پہ دل آ تو گیا آنے کو
بن گئی جان پہ تیار ہے مر جانے کو
دل جگر دونوں کے سر میں ہے تمھارا سودا
پیار کرتے ہو کہو کون سے دیوانے کو
ان کا اقرار جو ہوتا تو وفا بھی ہوتا
باتیں قاصد نے بنائیں مرے بہلانے کو
میری توبہ ترے وعدہ کی طرح ٹوٹ گئی
کبھی دیکھا جو چھلکتے ہوئے پیمانے کو۱

۱۔ محبوب الکلام۔

بھیجا پیام نزع میں اس شوخ نے مجھے
ہم فاتحہ کو آئیں گے تیرے مزار پر

وہ پردے میں ہے لیکن دیکھتے ہیں دیکھنے والے
جو آنکھیں ہوں تو پنہاں اس کا جلوہ ہو نہیں سکتا
مروت مہربانی چارہ سازی رحم غم خواری
نہ ہوں جس میں یہ باتیں وہ مسیحا ہو نہیں ہو سکتا
مرے ہی دل میں رہتے ہو مجھی سے منہ چھپاتے ہو
حجاب اس کو نہیں کہتے یہ پردہ ہو نہیں سکتا

تو نے اے پیر مغاں ایسی پلائی ہے شراب
کر دیا ہے غم کونین سے آزاد مجھے
داغ سا سحر بیاں اب ہے کہاں اے گوہر
نظر آتا نہیں ایسا کوئی استاد مجھے

گوہر

جناب نواب ذوالفقار علی خاں صاحب رام پوری انسپکٹر آب کاری میرٹھ۔

اے دو جہاں کے مالک چھوٹے بڑے کے داتا
ایمان ہے ہمارا تجھ پر ایمان لانا
سب ہیں ترے بنائے ہم سب ہیں تیرے بندے
راجہ ہوں یا ہوں پرجا نادان ہوں کہ دانا
کیوں چاند اور سورج کرتے ہیں روز دورہ
آتا نہیں سمجھ میں کچھ تیرا کارخانہ

تاروں کا جھلملانا ٹھنڈی ہوا کا چلنا
وقتوں کا وہ بدلنا وہ موسموں کا آنا
چڑیوں کا وہ چہکنا کلیوں کا پھول ہونا
پیڑوں کا سبز ہونا پیڑوں کا سوکھ جانا
یہ صورتیں نرالی دنیا میں جس نے دیکھیں
قدرت کو تیری یارب ہے دل سے اس نے مانا

احسان مند تیرے روزی کے دینے والے
کچھ ہم نہیں اکیلے ہے بلکہ سب زمانہ[1]

گوہر

جناب منشی جوالا پرشاد صاحب محافظ دفتر صدر ریاست رام پور۔

میرے گریہ پر بھی ان کا خندۂ دنداں نما
ابرو قطرہ کی بڑھتی ہے گہر کے سامنے
روبرو آیا تو کچھ منہ سے نہ نکلی بات وائے
رہ گئے چپ ہاتھ ہم سینے پہ دھر کے سامنے[2]

گوہر

جناب گوہر علی خان تلمیذ حضرت احسان رام پوری۔

پڑے آفت نہ الفت کی کسی دشمن سے دشمن پر
جگہ عبرت کی ہے ہنسیے نہ میری آہ و شیون پر
ہوا مشہور تو معشوق میرے پیار کرنے سے
رہے گا حشر تک احسان میرا تری گردن پر[3]

۱۔ تہذیب۔
۲۔ از تصویر مشاعرہ۔
۳۔ از تہذیب۔

گوہر

سر دفتر شعراء نازک خیال منشی کیندن لال صاحب متخلص بہ گوہر نائب سرشتہ دار کلکٹری ضلع بدایوں۔

تشبیہ کس سے دوں گل رخسار یار کو
ایسا نہ صاف چاند نہ ایسا نفیس پھول
بلبل کو ہم سے ہم کو ہے بلبل سے ارتباط
پھولوں کے تم جلیس تمہارے جلیس پھول
باغِ جہاں میں کسے گوہر رہا ثبات
جانے عبث ہیں دولت و زر پرخسیس پھول

میں یہ کہتا تھیں تم گھر کو نہ جاتے جاتے
جھوٹے وعدوں ہی سے تسکین دلاتے جاتے
غلط انداز نظر ہی کوئی ڈالی ہوتی
دل نہ ملتا نہ سہی آنکھ ملاتے جاتے

گوہر

پنڈت موتی لال صاحب ہکو خف رشید پنڈت بابو رام صاحب کشمیری ثم دہلوی وارد حال بدایوں۔ آپ کی اکثر غزلیں منشی رام سہائے صاحب مرحوم کی زندگی میں طبع ہوئیں اور اس مجموعہ کا نام سلک گوہر رکھا گیا۔ ۱۸۹۳ء میں ایک مکمل مجموعہ کلام طبع ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

تیغِ ابرو ہے نگہ تیر ہے خنجر مژگاں
قتل کو میرے کیے تو نے ہیں ساماں کیا کیا

واں سے تو لائے تھے شاید کچھ کہ مٹھی بند تھی
اب کھلے ہاتھوں چلے ظاہر ہے لے جائیں گے کیا

شکر ہے فاتحہ کو آئے وہ مرقد پہ مری
نکلا ارمان و لیکن پس مردن نکلا

تھے سبھی یار اپنے مطلب کے
کوئی دیکھا نہ غم گسار اپنا

ہرگز شریف کوئی کمینا نہ ہو سکا
دستار شیخ پنبہ مینا نہ ہو سکا
پھنس گئے تم جو اس میں مثل مگس
شہد دنیا میں کیا مزا دیکھا
دکھاتا ہے بہاریں عشق کیا کیا
نہو گر یہ جوانی کا مزا کیا

ملاقی حق سے ہے اُن کو ہے جن کا ظرف وسیع
غلط کہا ہے کہ کھوتی ہے ننگ و نام شراب

حیراں ہے ایسے صید کو صیاد کیا کرے
جو پر شکستہ ہو آپ آزاد کیا کرے

کرتے ہو اتنا جور و ستم ہم پہ کیوں بتو
کچھ تو ڈرو خدا سے کہ روز جزا بھی ہے

ہر ایک بات پہ گالی یہ تیری خو کیا ہے
ذرا سنبھال زباں کو یہ گفتگو کیا ہے

پیرہن پر کہیں لگ جائے تو دھو کر چھوٹے
دامنِ دل پہ لگے داغ تو کیونکر چھوٹے
دلِ دیوانہ مرا چاہِ ذقن میں جا کر
گر پڑے زلف کی زنجیر سے گر وہ چھوٹے

دل و دیں کھو کے بت کو رام کیا
یہ مزے ہم نے گھر لٹا کے لیے

قطعہ

زخمِ دل مت سیو یارو
یوں ہی رکھو کھلا خدا کے لیے
گرمیٔ تپ سے بیقرار ہے دل
کوئی روزن تو ہو ہوا کے لیے

مجنوں سے لاکھوں پھرتے ہیں صحرا میں پا فگار
کس کس کے پا سے خارِ مغیلاں نکالیے
قیمتِ بوسہ میں گر دل لے کے بھی ناراض ہو
پھیر دیجیے دل ہمیں اور ہم سے بوسہ لیجیے

رباعی

ہیہات گزر گئی جوانی گوہر
بے لطف ہے اب یہ زندگانی گوہر
اپنا نہ کوئی ہے نہ یگانہ افسوس
آخر کو یہ بات ہم نے جانی گوہر

گویا

رسالہ دار فقیر محمد خان گویا لکھنوی شاگرد رشید خواجہ وزیر

وزیر لکھنوی - ان کے بزرگ اور یہ خود دربار شاہی لکھنؤ میں خدمات جلیلہ پر سرفراز تھے۔ ابتدائے سن شعور سے شعر کا شوق تھا - حضرت ناسخ اور خواجہ وزیر کے معتقد تھے عالی حوصلہ بلند ہمت رئیس گزرے ہیں - دیوان چھپ چکا ہے -

خون ناحق لے نہ سر پر مہندی ہاتھ پر نہ مل
دل پسا جاتا ہے اور ظالم ترے پامال کا

آپ سے جب گزر گئے پہنچے
یاد ہے راستہ ترے گھر کا

زباں کی بند ہر جانب سے روزن کھل گئے دل کے
نظر کی بند پردہ اٹھ گیا پس سد حائل کا

تاثیر نہ ہو جب ان میں ذرا رونے تو کیا تڑپے تو کیا
بجلی نہ گری طوفاں نہ اٹھا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

دیکھ کر کون ترے چہرے کو حیراں نہ ہوا
کس نے دیکھیں تیری زلفیں جو پریشاں نہ ہوا
لخت دل کھائے سدا خون جگر میں نے پیا
پھر یک ناں کبھی منت کش دوناں نہ ہوا

چراغ زیر داماں کیوں بنے ہو
دوپٹہ منہ سے سرکایا تو ہوتا

کھول دی ہے زلف کس نے پھول سے رخسار پر
چھا گئی کالی گھٹا سی آن کر گلزار پر
کفر اپنا عین دینداری ہے گر سمجھے کوئی
اجتماع سبحہ یاں موقوف ہے زنار پر

اسیران کہن پر تازہ وہ بیداد کرتے ہیں
رہی طاقت نہ جب اڑنے کی تب آزاد کرتے ہیں

جانے وہ کیا کسی کے جی کی
جس کو الفت نہ ہو سکی کسی کی

خدا کو بھول گیا محو خود پرستی ہے
تو اور کام میں ہے موت تجھ پہ ہنستی ہے
نظارۂ رخ ساقی سے مجھ کو مستی ہے
یہ آفتاب پرستی بھی مے پرستی ہے

دل بھی اس سے اٹھا نہیں سکتے
ناتوانی سی ناتوانی ہے

یہ اک تیرا جلوہ صنم چار سو ہے
نظر جس طرف کیجیے تو ہی تو ہے

نہیں ہے سوا تیرے کچھ مطلب دل
تمنا تری ہے تری آرزو ہے

ہمیں اس قدر الم سے تو رہائی ہوتی
شب ہجراں کے عوض موت ہی آئی ہوتی

کھب گئی دل میں یہ کس خنجر مژگاں کی ادا
دل تڑپتا ہے جدا ٹکڑے جگر ہوتا ہے

گھائل

سید علی احمد صاحب شاگرد بیدل سہارن پوری ۔

تم سے آخر دلِ بیمار کا درماں نہ ہوا
مر مٹے ہم اسی حسرت میں کہ درماں ہوتا
آرزو تھی کہ ابھی زخم نہ بھرتا گھائل
کاش وہ خندہ نمکیں نمک افشاں ہوتا

ایک میں ہوں کہ ترے ساتھ برنگ سایہ
ایک تو ہے کہ مرے سایہ سے بچ کر نکلا
اٹھنے دیتا نہ مجھے بارِ معاصی دم حشر
قبر سے دامن رحمت کو پکڑ کر نکلا

گہر

سید علی سجاد صاحب عرف ببا صاحب ۔

یہی جائے ورود آدم جنت نشیں نکلی
کہیں بالا فلک سے شان پستی زمیں نکلی
ہزاروں حسرتوں کا خون ناحق ہو گیا قاتل
اگر ایک آرزوئے قتل برسوں میں کہیں نکلی
ہمارے گھر میں آنے کا چلن تم روح سے سیکھو
کہ آئی جس میں دم بھر کو پھر برسوں نہیں نکلی

گہر

جناب محمد فیض اللہ صاحب شاگرد حضرت ضامن۔

جاں مضطرب ہوئی جو بڑھیں دل میں حسرتیں
آباد گھر مرا ہوا کیوں اس کو غم ہوا
کرنا جو کچھ ہو جور و جفا مجھ پہ کیجیے
مر جاؤں گا جو غیر پہ جور و ستم ہوا

گہر

کنزالدولہ خورشید علی خان ولد مجدالدولہ خان ظفرالدولہ کپتان فتح علی خان خزانچی سلطنت لکھنؤ۔ شاہ اودھ کے ہم رکاب کلکتہ گئے تھے۔

وہ غم گسار میرا میں غم گسار اس کا
ہے آشنا مرا دل میں آشنا ہوں دل کا

دل کا ہمارے خون کیا ہے جو آپ نے
دینا پڑے گا آپ کو بھی خون بہائے دل
دیکھا جو روئے یار کو تسکین ہو گئی
آنکھیں نظر پڑیں مجھے حاجت روائے دل

جانتے ہیں ہم محبت آزمائی ہو چکی
آؤ لگ جاؤ گلے بس اب لڑائی ہو چکی

ل

لائق

منشی درگا پرشاد ۔ اہلمد ریاست تروا ضلع فرخ آباد

ہوئی رو رو کے سحر آج آسے اور مجھے
کوئی جز شمع انیس شب ہجراں کب تھا
ہو کے مایوس نہ کیوں دیتے مسیحا بھی جواب
درد دل آہ مرا قابل درماں کب تھا

لطافت

سید حسن لطافت خلف اکبر و شاگرد سید آقا حسن امانت ۔ ۱۲۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۰ھ میں رحلت کی پچیس برس کی عمر تک کتب درسیہ کا شغل رہا ۔ بارہ برس کی عمر سے شعر گوئی شروع کی اور مفتی سید عباس صاحب سے علم عروض اور قافیہ پڑھا ۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ۲۶ برس کی عمر میں عازم عتبات عالیات ہوئے ۔ دو برس اس سفر میں گزارے ۔ چند ماہ یمن میں رہے ۔ دو برس کربلا میں رہے ۔ تخلص کی طرح کلام میں بھی لطافت ہے ۔

برہمن ہیں خدا کہتے بتوں کو ہم حسین کہتے
فقط ہے کفر و دین میں فرق اپنی اپنی نیت کا

قطعہ

مال منعم کو صدا دیتا ہے
جمع کر کے مجھے کیا پائے گا

چھوڑ جائے گا تو اوروں کے لیے
آپ دنیا سے چلا جائے گا

دل چرا کر مجھ سے فرماتے ہیں وہ
ڈھونڈتے کیا چیز ہو کیا گر گیا
اے لطافت آنکھ پھیری یار نے
دفعتاً سارا زمانہ پھر گیا

جوانی تھی مزے تھے لطف معشوقوں سے حاصل تھا
ہمیں ہاں یاد تو آتا ہے سینہ میں کبھی دل تھا

ہمہ سو جان عزیز اس سے بھلا کیا کرتا
اتنی سی بات پہ قاتل کو خفا کیا کرتا

سدا دوستی کا جو بھرتا تھا دم
وہ دشمن مری جان کا ہوگیا

موذی کو اپنے مال سے کچھ فائدہ نہیں
زنبور بہرہ مند ہوئی انگبیں سے کب

ہوئی قید حیات آفت عزیزو ہجر جاناں میں
ہمارے جسم میں ہے روح یا یوسف ہے زنداں میں

کیا منہ پھیر کر قاتل نے مجھ کو ذبح خنجر سے
دم آخر بھی برگشتہ مقدر ہو تو ایسا ہو

کسی کے عشق کا ہیں تیر جب سے کھائے ہوئے
ہم اپنے دل کو کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

احباب چل بسے میں گنہہ گار رہ گیا
بھاری تھا بوجھ چھوڑ گیا کارواں مجھے
پیری میں کیوں نہ قد خمیدہ عزیز ہو
ہاتھ آئی چلہ کھینچ کے ایسی کہاں مجھے

لطف

میر لطف علی صاحب اناجی

حیف ہے اٹھ گئے کیا پیر و جوانِ دہلی
خاک باقی نہ رہا نام و نشانِ دہلی
رہ گیا قالب بے نور فقط آنکھوں میں
ملک الموت اڑا لے گئے جانِ دہلی
سن کے ہر طرز لو اطراف و جوانب والے
وجد کرتے تھے جو ہوتا تھا بیانِ دہلی

لطف

مرزا علی لطف استر آبادی الاصل دہلوی مولد ولد شاعر ظریف مرزا کاظم بیگ شاگرد میر تقی میر و مرزا محمد رفیع سودا۔ ۱۱۵۳ھ میں ان کا باپ نادر کے ہمراہ شہر میں آیا تھا اور نواب صفدر جنگ کے وسیلہ سے سرکار شاہی میں بذمرہ مصاحبین ملازم ہوئے۔ لکھنو اور حیدر آباد بھی گئے تھے۔ آخر عمر میں پٹنہ میں سکونت اختیار کی۔ ۱۲۱۵ھ میں ایک تذکرہ مسمی بہ گلشن ہند ریختہ گو شعرا کے حال میں مرتب کیا تھا۔ اوس میں اپنے زمانے کے شعرا کا حال بڑی توضیح اور تحقیق سے ولدبند کیا تھا۔ یہ پہلا تذکرہ اردو نثر میں ہے۔ کل ۶۶ شعرا کا کلام اور ترجمہ اس تذکرہ میں ہے۔ اپنے زمانے کے استادوں میں گنے جاتے تھے۔

صاحب دیوان بھی تھے۔

خاکساری کا جو مزا سمجھے
تخت جم نقش بوریا سمجھے
کیا بھلی کٹ گئی اونھی کی جو
مدعا ترک مدعا سمجھے
خار ہیں کیا زبان درازی پر
لطف تجھ کو برہنہ پا سمجھے

کہاں پھنسا دیا دل لطف تو نے اے ظالم
اماں مانگتا جس سے ہے اک جہاں رہا

خجل ہم کو ہوا صیاد کر بند
قفس میں پائے جب اک مشت پر بند

ایک دن حال دل زار نہ دیکھا نہ سنا
سچ تو یہ تجھ سا بھی دلدار نہ دیکھا نہ سنا

ساقی لگا دے خم مرے منہ سے کہ بار بار
احسان کون کھینچے سبو اور ایاغ کا

نہ پہونچی ضعف سے لب تک دعا ہی ورنہ سدا
در قبول تو اس آرزو میں باز رہا

لطیف

قاضی لطیف احمد غازی پوری وکیل عدالت - پھر جونپور چلے گئے

اور وہیں وکالت کرتے تھے حضرت وسیم سے تلمذ تھا

مسجد سے میکدے میں میں زاہد کو لے گیا
گم کردہ راہ کو راہ بتائی ثواب کی
مے خالد ازل میں فراغت سے تھا میں رند
دنیا میں بھیج کر مری مٹی خراب کی
کوثر پہ واعظو کہیں پی کر بہک نہ جاؤ
اچھا ہے یاں سے ڈال لو عادت شراب کی
ہنس ہنس کے آپ ابر کی کستے ہو پھبتیاں
کیوں آبرو ڈبوتے ہو چشم پر آب کی

لطیف

میر لطیف علی باشندہ دہلی شاگرد خواجہ میر درد ۔ جواہر شناسی میں اچھا دخل رکھتے تھے ۔ یہ شعر ان کے ہیں ۔

روتے ہیں شیخ و برہمن سبھی دل کے ہاتھوں
گبر نکلا نہ یہ کافر نہ مسلماں نکلا

رہتا ہے درد روز دل ناتواں میں
کیونکر اثر نہ ہووے ہماری زباں میں

دامن کشیدہ جاتے ہو میرے غبار سے
تقصیر ایسی کیا ہوئی اس خاکسار سے

لطیف

حامد علی خیر آبادی خلف حضرت کوثر خیر آبادی ۔

ابر رحمت وہی بنتا ہے فلک پر جا کر
جو دھواں اُٹھتا ہے ساقی ترے میخانہ سے

میں تری نشہ بھری آنکھ کا متوالا ہوں
ساقیا کام ہے شیشہ سے نہ پیالہ سے
ساغر عیش کو کیا منہ لگاؤں گا لطیف
مجھ کو فرصت نہیں دن رات کے غم کھانے سے
کبھی کعبے کو گیا میں تو کبھی جانب دیر
تھی غرض اس دل بیتاب کے بہلانے سے

لطیف

نحیف[۱] لطیف شاگرد حضرت ہوش۔ از گلدستہ لطیف

قابل تصویر کیا وہ حسین عالم گیر ہو
دیکھ لے مانی تو حیراں صورتِ تصویر ہو
اس طرح دل ہو کے زخمی اس کی زلفوں میں بندھا
جس طرح فتراک قاتل میں بندھا نخچیر ہو

دیکھ آیا ہوں جس دن سے جمال بت کشمیر
میں ہند میں ہوں اور مری کشمیر میں آنکھیں
خوب ان سے ہیں آگاہ جو ہیں قتل کے قابل
اے ترک یہ جوہر ہیں کہ شمشیر ہیں آنکھیں

بشر ہیں ہم تو ہمارا بھلا قصور ہے کیا
تمہیں جو حور بھی دیکھے تو مبتلا ہو جائے

کیا مرے بخت پھرے کیا ترے جی پر آیا
کس طرح بھول پڑا کیسے مرے گھر آیا

۱۔ نام پڑھا نہ جا سکا۔

روز کہتا تھا میں مرتا ہوں نہ مانا تو نے
آج لے دیکھ لیا اب تجھے باور آیا
کچھ نہ کچھ عشق کا آخر کو اثر ہوتا ہے
جب الٰہی لاش مری اس کا بھی جی بھر آیا

لڑی جو آنکھ لظر بند اس کو کرنا تھا
کہو تو دل یہ گرفتار کس گناہ میں ہے
اسی کا پرتو ہر شے میں ہے جدھر دیکھو
جو کوہ طور پر ہے وہ ہی برگ کاہ میں ہے

کوچہ زلف میں دل آ کے اٹک جاتا ہے
راہ پر پیچ ہے ناداں ہے بھٹک جاتا ہے
صاف آتی ہے نظر ہم کو خدا کی قدرت
چاند سے چہرے سے برقع جو سرک جاتا ہے
حسن وہ دشمن ایماں ہے عیاذاً باللہ
شیخ صنعاں بھی یہاں آ کے بھٹک جاتا ہے

پنج روزہ بہار ہے گل کی
چار دن ہے حیات بلبل کی
ہم سری کی ذرا جو کاکل کی
کس کی شکیں بندھیں گی سنبل کی
فصلِ گل آئی چھوڑ دے صیاد
جان پر آ بنی ہے بلبل کی

لطیف

بی لطیفن جان صاحبہ طوایف لکھنوی ۔

ساقی کی چشمِ لطف کا محتاج مر گیا
جان دے دی اس غریب نے اک جام کے لیے
آنکھوں پہ تیری مٹ کے سمجھ میں یہ آ گیا
پیدا ہوا تھا گردش ایام کے لیے

(مذاق سخن دہلوی)

لعل

پنڈت کنہیا لال زتشی متخلص بہ لعل شاگرد حضرت داغ دہلوی ۔ پہلے سینٹ کالج آگرہ میں اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر رہے پھر راجپوتانہ مالوہ ریلوے کے دفتر میں سر دفتر ہو گئے ۔ ۱۸۹۹ء میں ۵۹ سال کی عمر میں انتقال کیا ۔

کعبہ و دیر نہیں کچھ بھی وہاں کیا رکھا ہے
دل میں ہے اون کی جگہ آنکھ میں مسکن اون کا
کون رکھتا ہے عداوت ترے دیوانوں سے
تیری الفت کے سوا کون ہے دشمن اون کا

نگاہ لطف تیری چاہتا ہوں
وہ الفت کی گو منزل کڑی ہے

زبان حال سے کہتا ہے بت برہمن سے
گناہگار نہ کر تو خدا بنا کے مجھے
کبھی رقیب جو ملتا ہے مجھ سے کہتا ہے
سکھائیں آپ ہی کچھ قاعدے وفا کے مجھے

عشق خوباں کا نتیجہ دل شیدا دیکھا
ہم نہ کہتے تھے کہا مان ، نہ مانا دیکھا

جسے لعل ہم دل میں رکھتے تھے مخفی
زمانے میں وہ راز مشہور نکلا

لیاقت

منشی لیاقت حسین - کچھ حال نہ معلوم ہو سکا -

آئینہ میں عکس سے اپنے وہ بولے ناز سے
ہے طبیعت بھی تمہاری مجھ پہ للچائی ہوئی

کانٹے پیاسے ہیں مجھے آبلہ پا رہنے دے
اے جنوں چھالوں کو میرے تو بھرا رہنے دے
بتکدے میں بھی وہ جلوہ ہے کہ اللہ اللہ
کعبہ میں کیا ہے یہیں مجھ کو خدا رہنے دے
نہ کرے ذبح تو الزام ہے پھر اس کے سر
تو سر اپنا تہِ شمشیر جھکا رہنے دے

* * *

م

مہر[1]

محمد خورشید علی نام ۔ مہر تخلص ۔ بن سید انور علی صاحب شاد مؤلف رسالہ شاہد غم پنشنر سب انسپکٹر پولیس جو اعلیٰ درجے کے تاریخ گو ہی ہیں ۔ تاریخ پیدائش ۲۱ جمادی‌الاول ۱۳۲۲ء (تیرہ سو بائیس ھ) مطابق ۴ اگست ۱۹۰۴ء یوم پنجشنبہ ۔ ابتدائی تعلیم اردو فارسی اپنے نانا سید رحمت علی صاحب مرحوم سے حاصل کی کسی قدر انگریزی بھی پڑھی ۔ پھر ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ء کو محکمہ گیرائی (محکمہ پولیس) جے پور میں اہل کار مقرر ہوئے ۔ طبیہ کالج جے پور سے ''طبیب فاضل'' کا امتحان پاس کرکے سندِ فضیلت حاصل کی ۔ ۱۹۳۱ء میں مولانا ابوالوفا افضل قرولوی کے زیر تعلیم رہ کر پنجاب یونیورسٹی سے علوم شرقیہ کا ابتدائی امتحان پاس کیا ۔ ۱۹۳۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ۔ طبیہ کالج جے پور سے طب کی انتہائی سند ''عمدۃالحکما'' حاصل کی ۔ ۱۹۲۲ء سے شعر و سخن سے ذوق ہے ۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ۔

ظہور ہے تری شانِ کبریائی کا
کہ ذرہ ذرہ ہوا راز داں خدائی کا

مرے مزار پہ اُس خود نما کے آنے سے
ہر ایک سنگ ہے آئینہ خود نمائی کا

ڈھلے ہیں ایک ہی سانچے میں یہ حسیں سارے
جسے بھی دیکھیے پتلا ہے بیوفائی کا

---

۱ ۔ نوموصول ۔

بہار آنے سے پہلے ہی میکدہ پہنچے
وہ مہر جن کو کہ دعویٰ تھا پارسائی کا

جس کی نظر پڑی وہ خریدار ہو گیا
آئینہ تم سے حسن کا بازار ہو گیا
ساقی جو مے پلانے کو تیار ہو گیا
زاہد بھی توبہ توڑ کے میخوار ہو گیا
پیتے ہی مست ہو گئی قاتل کی تیغِ ناز
میرا لہو بھی بادۂ گلنار ہو گیا
مجھ کو گماں ہے کہ کہیں مہر ہی نہ ہو
اک پارسا سنا ہے کہ میخوار ہو گیا

دیوانہ جان کر نہ کوئی ہم سخن ہوا
اپنا تو پردہ پوش یہ دیوانہ پن ہوا
آوارہ پھر رہا ہوں کوئی پوچھتا نہیں
میں تو وطن میں رہ کے غریب الوطن ہوا
دشتِ جنوں کی خاک میں ہم دب کے مر گئے
منت کشِ کفن نہ ہمارا بدن ہوا

علاجِ دردِ فرقت ہم نے مانا ہو نہیں سکتا
مگر تم ٹھان لو دل میں تو پھر کیا ہو نہیں سکتا
جناب شیخ! کچھ بھی آپ سمجھیں، موسم گل میں
مرا تو بے پیئے دم بھر گزارا ہو نہیں سکتا

جاؤں گا میں تری محفل سے مگر یاد رہے
نقشۂ عالمِ امکاں کو بدل جاؤں گا

حج کعبہ کے لیے جاؤں جب میں اے شیخ
پیرِ میخانہ سے دستار بدل جاؤں گا

کچھ کچھ مٹا ہوا سا نشاں میرے دل میں ہے
ورنہ وفا کا نام جہاں میں کہاں ہے اب
اے مہر آپ اور درِ میکدہ سلام
حضرت وہ پارسائی کا دعویٰ کہاں ہے اب

الٰہی یہ تمنا ہے جو موت آئے تو یوں آئے
کہ دم آنکھوں میں ہو آنکھیں لگی ہوں روئے جاناں پر
بس اب یہ انتہائے نازشِ حسن و محبت ہے
کہ تیرے شوق میں جھک گئے ہم پائے درباں پر
ابھی اے مہر ہمت ہار بیٹھے تم محبت میں
نہیں معلوم کیا کیا مشکلیں پڑتی ہیں انساں پر

ساقی نہ دے شراب ہمیں اس کا غم نہیں
بے اعتنائی شیوۂ اہلِ کرم نہیں
مستی ٹپک رہی ہے تری بات بات سے
موجِ شراب سے کوئی انداز کم نہیں
تھے روزِ ازل سے یہ سزاوارِ محبت
تقدیر کے لکھے کو بشر دیکھ رہے ہیں
اے مہر ترا میکدہ کیا چیز وہ سمجھیں
جو ساقیٔ کوثر کی نظر دیکھ رہے ہیں

جامِ جمشید تو تھا آئینۂ دلیاوی
نظر آتے ہیں دو عالم مجھے پیمانے میں
ضبط کہتا ہے قدم گھر سے نہ نکلے باہر
اور لیے جاتی ہے وحشت مجھے ویرانے میں
مہر سے پی کے وہیں ہم تو تڑپتے رہتے ہیں
اک طرف چھوٹی سی مسجد جو ہے میخانے میں

ہے آج تو میرا دل دیوانہ مرے پاس
کل کی نہیں کہتا کہ نکل جائے کدھر کو
جس وقت بنائے گئے تب ہم نے کہا تھا
دل کھول کے لوٹیں گے یہ اللہ کے گھر کو

ڈبو دیں بحرِ الفت میں دلِ پردرد کو اپنے
یہی اک صورتِ تسکینِ دردِ دل سمجھتے ہیں
انہیں کیا واسطہ اے مہر دنیائے محبت سے
جو ہر شی کو فقط ترکیب آب و گل سمجھتے ہیں

اک دھوم میکدے میں ہے فصلِ بہار کی
اب میکشوں کو تاب کہاں انتظار کی
سونے نہ دے گا چین سے یہ قبر میں مجھے
تربت الگ بناؤ دلِ بیقرار کی

محبت سے تم نے جو دیکھا مجھے
تلافیٔ جور و جفا ہو گئی

ترے طاقِ ابرو کو سجدہ کیا
نیازِ محبت ادا ہو گئی

خونِ توبہ لے چلا ہوں سر پہ میں
غسل دو مجھ کو بادۂ گلنار سے
جانتا ہوں اپنے دل کے رنگ ڈھنگ
یہ نکلوائے گا بزمِ یار سے
ایک مسجد بھی بنا رکھی ہے مہر
دو قدم پر خانۂ خمار سے

قافلے والو تم چلو آگے
زندگی ہے تو ہم بھی آ لیں گے
سوچ یہ ہے کہ تم تو جاتے ہو
دل کو ہم کس طرح سنبھالیں گے

* * *

ن

ناجی

محمد شاکر ناجی معاصر ولی ۔ محمد شاہ کے وقت میں دہلی میں تھے ۔ اکثر ہجو کہتے تھے ۔ مزاج میں شوخی بہت تھی ۔ طبقہ اول کے شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں ۔ عمدۃ الملک امیر خاں کے ہاں داروغگی کی خدمت پر مامور تھے ۔ نادر شاہی حملہ کی تباہی کا سماں ایک مخمس میں دکھایا ہے ۔ ہم عصر شاہ نجم الدین آبرو ۔ صاحب دیوان اور وضع سابق میں شاعرِ خوش بیان ہیں ۔

مت کر آزاد دامِ الفت سے
بال باندھا غلام ہے تیرا

زلف کے حلقہ میں دیکھا جب سے دانہ خال کا
مرغِ دل عاشق کا تب سے صید ہے اس جال کا

غرض غصے میں کبھی اہل وفا کی نہ سنے
ہٹ پہ آ جائے وہ کافر تو خدا کی نہ سنے

رنگ تیرا گندمی دیکھ اور بدن مخمل سا صاف
ہوش کھو کر آدمی بھولے ہیں اپنی خورد و خواب

غم نہیں گر دل بری سے دل کو لیجاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

وظیفہ راگنی کے سر میں زاہد کفر سے مت پڑھ
نہیں تسبیح تیرے ہاتھ میں یہہ راگ مالا ہے

ہوا جب آئینہ میں جلوہ گر میں تب لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ہے

انا الحق بولنے لگتا ہے اوس کے زخم کا بسمل
کٹاری آبدار اس شوخ کی منصور ثانی ہے

تصور سے ترے رخ کے گئی ہے نیند آنکھوں سے
مقابل جس کے ہو خورشید کیونکر اوس کو خواب آوے

ناچیز

منشی بہادر خان ناچیز تلمیذ مولانا سید محمد مرتضی صاحب بیان و یزدانی - میرٹھ کے رہنے والے اور صاحب دیوان مطبوعہ ہیں -

غیر سے گرمی صحبت کیا خوب!
آگ بجھ اور نہ بھڑکالیے گا

ہمارے قتل کو مقتل میں جبکہ یار آیا
تو مجھ کو تیغ پر اور اس کو مجھ پہ پیار آیا
حرم میں دیر میں کعبہ میں کلیسا میں
بدل کے نام تیرا ہر جگہ پکار آیا

دوش پر بکھری ستم اے زلف پیچاں کر دیا
خود پریشاں تھی سو تھی مجھ کو پریشاں کر دیا

کس طرح ہو قلب پر تاثیر ان کے اے خدا
نالۂ شب گیر کا ان تک اثر جاتا نہیں

دل و سینہ ترچھی نظر کے ہیں زخمی
جگر تیر مژگاں سے گھائل ہوئے ہیں

کیا کہا پھر تو کہو غیرت تو کچھ آئی نہیں
غیر سے ملنے میں کہتے ہو کہ رسوائی نہیں

نادان

نام آمراؤ مرزا صاحب ۔ تخلص نادان ۔

منہ اٹھائے چلے آتے ہیں عدو روک نہ ٹوک
یہ تو فرمائیے بازار ہے یا محفل ہے
مجھ سے وہ کہتے ہیں کیونکر وہ سمائیں اس میں
حسرتیں سینکڑوں اتنا سا تمھارا دل ہے
کس کا میں شکر کروں اور کروں کس کا گلا
کہ مسیحا ہے وہی اور وہی قاتل ہے

مزا جب اتحادِ عشق کا ہے ایسا ایکا ہو
ہمارا دل تمھارا ہو تمھارا دل ہمارا ہو
سوالِ وصل پر حجت جو کی ان سے تو فرمایا
کہ ہم تو بے وفا ہیں آج سے تم اور کو چاہو

وہ دل بے مثل ہے سردار ہے عشاق میں وہ سر
کہ جس میں تیری اُلفت اور جس میں تیرا سودا ہو
مرے گھر کس گھڑی سے آئی ہے تو اے شب فرقت
خدا وہ دن کرے جلدی کہیں منہ تیرا کالا ہو
نہیں کچھ بے سبب رونا مرا دنیا میں آتے ہی
خوشی کیا جب کہ مرنے کے لیے انسان پیدا ہو
مجھے یہ فکر ہے اے اہل محشر تم ذرا دیکھو
کہ میرے خون کا دامن پہ قاتل کے نہ دھبا ہو
دوا دیتے نہیں اس کو دعا ہوتی نہیں تم سے
مریضِ عشق اچھا ہو تو کس صورت سے ہو

کیونکر نہ کہوں اس کو نصیبے کا سکندر
آئینہ رہے جب تری تصویر کے گھر میں
نخل خزاں رسیدہ رہا ہجر یار میں
پھولا پھلا نہ میں چمنِ روزگار میں
یہ کال دوستوں کا ہوا روزگار میں
ڈھونڈے سے ایک بھی نہیں ملتا ہزار میں
جنگل میں ہے بگولہ تو بادل فلک پہ یہ
ایسی ہوا بھری ہے ہمارے غبار میں
دیں گے نہ تم کو وعدۂ فردا پہ دل کبھی
اٹھ جائے گی دکان ہماری اُدھار میں
کھٹکا شبِ وصال ہے صبح فراق کا
پژمردہ اپنے دل کی کلی ہے بہار میں

جان بھی لو دل لیا جس ناز سے
دیکھو دیکھو پھر اسی انداز سے

دوست دشمن خوش ہیں تیری بزم میں
ساز سیکھے تجھ سے دلبا ساز سے
کیا عجب آنکھیں چرائے اس کے بعد
وہ چرا کر دل نگاہِ ناز سے

گنہ گاری سے بہتر زاہدا اس جبہ سائی سے
رہا جاتا ہے محروم شفاعت پارسائی سے

کیوں سونپتا ہے مجھ کو خدا پر بتِ کافر
دیتا ہے غمِ تازہ دمِ باز پسیں اور
آئے بھی شبِ وعدہ تو یہ کہہ کے پھرے وہ
آنکلے یہاں بھول کے جاتے تھے کہیں اور
گرتے ہی مری آنکھ سے کہتا ہے یہ آنسو
الھیں جو اٹھائے سے وہ ہیں خاک نشیں اور
آئینے کو تارے نظر آئے دمِ تزئین
افشاں جو چنی اس نے تو چمکی وہ جبیں اور
لیلیٰ کے سوا بھایا نہ حسنِ نمکیں اور
مجنوں سا نمک خوار بھی دیکھا نہ کہیں اور

کہاں وہ نشہ جوانی کا عہد پیری میں
کہ لے رہے ہیں اب انگڑائیاں خمار سے ہم
بتوں کے کوچے میں گم ہوگئے دل و ایماں
کہ بچ سکے نہ لٹیروں کی لوٹ مار سے ہم

افسوس وعدہ کر کے وہ پلٹا ستم ہوا
کیسی خوشی منائی تھی کیسا یہ غم ہوا
دل لیتے ہی وہ روٹھ گئے کیا ستم ہوا
لالے پڑے ہیں جان کے یہ غم یہ غم ہوا
زندہ ہوں میں تو شغلِ جفا کے لیے ہنوز
مرگِ عدو کا آپ کو بے کار غم ہوا

پھنسا ہے زلفِ پیچاں میں مرا دل
خدا سلجھائے یہ اُلجھا ہوا دل

نادر

اعتصام الدولہ سبحان رماں نواب ڈپٹی مرزا کاب حسین خان مبارز جنگ رئیس بنارس شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ ۔ بڑے پر گو تھے ۔ کئی تذکرے شعرائے ریختہ کے شوکت نادری ۔ تلخیص معلے تذکرہ خمسات وغیرہ مرتب کیے تھے ۔ کئی دیوان قصائد ، مراثی اور سلاموں کے بھی چھپے تھے ۔ تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے ۔ شعرا کے ساتھ خواہ اپنے پاس سے خواہ سرکاری ملازمت سے برابر سلوک کرتے رہتے تھے جس ضلع میں جاتے تھے محفل مشاعرہ ضرور کیا کرتے تھے ۔

ہم کہاں اور شاعری اے نادر محزوں کہاں
فیض یہ بھی ہے جناب ناسخِ مغفور کا
عوض قلقل کے ساقی نالۂ محزوں نکلتا ہے
صراحی کا گلو گویا گلو ہے مرغ بسمل کا
زلفیں بل کھائی ہیں اور ہے موج زن دریائے حسن
پانی میں لہرا رہا ہے کیا ہی جوڑا سانپ کا

اک بار خدا اور بھی دکھلائے بہارس
آنکھوں میں سمایا ہے تماشائے بنارس

دل میں ہوس زلف چلیپا نہیں رکھتے
ہم سر نہیں رکھتے کوئی سودا نہیں رکھتے
ہم خاک نشینوں سے کدورت نہیں لازم
کیوں آئینۂ دل کو صفا نہیں رکھتے

کون سا لطف زندگانی ہے
جائے غم یہ سرائے فانی ہے

شیخ نادر حسین نادر لکھنوی شاگرد حضرت اسیر۔ مدظلہ[۱]

وطن کو کیا نکل کر جاؤں سوے دشت و صحرا میں
پڑی ہے پاؤں میں سب احبا بیڑیاں ہو کر
وہ برگشتہ مقدر ہوں پئے تفریح گر جاؤں
مرے جاتے ہی گلشن میں بہار آئے خزاں ہو کر
تمنائے دم شمشیر قاتل کیوں نہ ہو ہر دم
رہے شوق شہادت جب دل عاشق میں جاں ہو کر
مرا دل کوچۂ گیسو سے ٹکڑے ٹکڑے ہو آیا
گیا تنہا یاں سے تنہا واں سے آیا کارواں ہو کر
سفینہ قسمت نادر کا چکر میں ہے یا مولا
خبر لیتے نہیں تم ناخدائے بیکساں ہو کر

۱۔ از گلدستہ ادیلی

غم نہیں اس کا کہ فرقت میں کٹی عمر تمام
عین راحت ہے تری یاد میں مرتا ہوں میں
باغ میں چلتی ہیں کیا ٹھنڈی ہوائیں دم صبح
سرد آہیں یہ تری یاد میں بھرتا ہوں میں
ان کا آنا نہیں ممکن تو خدا موت کو بھیج
دل بہل جائے کسی طرح کہ تنہا ہوں میں
خبر ہو دل کی کہ پہلو سے صدا آتی ہے
لگ گئی آگ خبر لیجیے جلتا ہوں میں

نادر

شاہزادہ مرزا محمد نادر شاہ دہلوی شاگرد پیارے صاحب رشید لکھنوی :

حال ہے روشن سبھی پر ابروئے خم دار کا
ہے چمک میں ماہ نو اور کاٹ ہے تلوار کا
لاغری نے کر دیا ہے مجھ کو آنکھوں سے نہاں
ڈھونڈتے ہیں لوگ لاشہ مجھ ضعیف و زار کا

نادر

جناب محمد شمس الدین صاحب

وصل میں لپٹا جو میں کہتے ہیں جھنجھلا کے وہ
یہ تمھیں عادت خراب دیکھیے کب تک رہے
آئے ہو مدت کے بعد محفل رنداں میں شیخ
آپ کی مٹی خراب دیکھیے کب تک رہے

---

۱ - محبوب الکلام

نادر

جناب شیخ نادر حسین صاحب شاگرد جناب فصاحت[1]

بھلا معشوق کیونکر آئے جائے کس طرح عاشق
نزاکت سے کوئی عاجز ہے کوئی ناتوانی سے
وہ متوالی گھٹا آئی ہے سوئے میکدہ ساقی
پیالے جام و ساغر بھر شراب ارغوانی سے

فرشتے کانپتے چرخ بریں پر
تڑپتے ہم جو فرقت میں زمیں پر
فلک تو ان پہ کرتا ہے جفائیں
ترس کھاؤ تمہیں اہل زمیں پر

ہمدمو ایذائے فرقت اب سہی جاتی نہیں
منتیں کرتا ہوں میں لیکن قضا آتی نہیں

ایسے وقت آئے ہیں حال دل وہ میرا پوچھنے
جب اشاروں میں بھی مجھ سے بات کی جاتی نہیں

نادر

محمد نادر علی خاں نادر رئیس کا کوری ضلع لکھنو

کتنے سرشار ہیں خمخانۂ وحدت والے
آپ ہی میں نہیں آتے کبھی یہ متوالے

رشک سے کوئی بھی خالی نہیں اس محفل میں
سب جہنم میں پڑے جلتے ہیں جلنے والے

۱۔ گلدستہ گلچیں

ساقیا دیر نہ کر لے کے سبو جلد پہنچ
تیرے میخوار ہیں پھر ہوش میں آتے جاتے
کس طرف جاتے ہیں کیوں جاتے ہیں کب آوینگے
مرنے والے ہمیں اتنا تو بتاتے جاتے

تیرے عیش کے دن تھے جب تک
ہنسنے والے جمع بہت تھے

تجھ پر غم کا وقت پڑا تو
رونے والا کوئی نہیں

عاجز سب کی عقل رسا ہے
جس نے کہا ہے خوب کہا ہے

دنیا ہے اک اندھی نگری
اس میں بینا کوئی نہیں

ٹھمری ٹپہ اور غزل پر
اہل محفل کان دیے ہیں

نادر اس فریاد سے حاصل
جس کو سنتا کوئی نہیں[1]

---

۱ ۔ از رسالہ مخزن ستمبر ۱۹۰۱ء

نادر

منشی محمد وزیر علی صاحب شاگرد حضرت سخی مرحوم[1]

بام پہ آج اپنے وہ بیٹھے ہیں انداز سے
دیکھنے والوں کو تاب دیکھیے کب تک رہے
ہوتی ہیں رسوائیاں تاکئے یوں دہر میں
عشق میں حالت خراب دیکھیے کب تک رہے

نادر

عبدالرحیم خان نادر دہلوی مقیم حیدر آباد دکن شاگرد علوی

نادر ترے غم میں مر رہا ہے
قاصد کہنا یہ اس سے جا کر

قید اور اس پہ یہ ستم صیاد
چھیڑتا ہے بہار کی باتیں

نہ مانا کہا جس نے وہ دل یہی ہے
تمہاری اداؤں کا بسمل یہی ہے
میں دکھلا کے تجھ کو کہونگا خدا سے
شہید محبت کا قاتل یہی ہے
کسی بت پہ نادر فدا ہو کے دیکھو
کہ دنیا میں آنے کا حاصل یہی ہے

مانا کہ ذکر خیر نہیں ذکر بد سہی
چرچا کسی طرح تو تری انجمن میں ہے

---

۱ - محبوب الکلام

نادر

صاحبزادہ محمد محمود علی خان بہادر برادر نواب کاب علی خان والی رامپور شاگرد نواب میرزا خان داغ دہلوی ۱۸۸۰ء میں انیسواں سال تھا۔ کلام سے فکر کی رسائی اور سخن آفرینی ہویدا ہے۔ صبا مرحوم کا دیوان انھوں نے مرتب کیا ہے۔

جاتے رہے حواس بھی کچھ اضطراب میں
قاصد سے پوچھتا ہوں لکھوں کیا جواب میں

ایک ہی جلوہ سے بیخود ہوئے غش میں آ کر
تم نے اے حضرت موسیٰ ابھی دیکھا کیا ہے

فرقت میں بھی وصال کے حاصل ہوئے مزے
جب لطف یاد آ گئے بوس و کنار کے

بتوں کی نذر کر دی جان میں نے
خیانت کی امانت میں خدا کی
ادا تیرے تغافل نے یہ کیا کی
کہ بھڑکیں حسرتیں دل میں جفا کی

ناز

بی شیریں جان تخلص ناز[1]

سبب یہ ہے جو بلبل نالاں فریاد ہوتے ہیں
سفر ہے موسم گل کا چمن برباد ہوتے ہیں

۱۔ کارنامہ

ہزاروں ان کے ہاتھوں اور گھر برباد ہوتے ہیں
حسینانِ جہاں بھی کس قدر جلاد ہوتے ہیں
بہم سامان میخواری ہے میکش شاد ہوتے ہیں
بہار گل میں ساقی میکدے آباد ہوتے ہیں
نہیں ہوتی دل عشاق کو تسکین کبھی حاصل
یہ وہ اجڑے گھر کب ہیں کہ جو آباد ہوتے ہیں
تجھے پرہیز لازم ناز ہے عشق حسیناں سے
یہ وہ کوچہ ہے جس میں سینکڑوں برباد ہوتے ہیں

ناز

منشی امراؤ مرزا صاحب دہلوی تلمیذ منشی نظام الدین صاحب عشق کیرالوی

تسلی کی کوئی تدبیر ہوتی
نہ ہوتا تو تری تصویر ہوتی
ذرا ہوتا جو چتون کا اشارہ
بھری محفل تہ شمشیر ہوتی

افسوس غم گساروں نے ناخن کٹا دئے
اب آبلے اٹھائیں گے احساں خار کے
کس درجہ بے کل ہوگئے اٹھنے سے ہار کے
کیا کیا تمہیں گھمنڈ تھے صبر و قرار کے

ناز و ادا

بی نازک ادا بیگم صاحبہ شاگرد و ہمشیرہ خورد بی نشاط افزا بیگم صاحبہ نشاط

وعدہ پر آپ نہ آئے تو مصیبت ہوگی
شام سے میرے لیے صبح قیامت ہوگی
میں تو چپ بیٹھا ہوں اب آپ ہی منہ آتے ہیں
عرض کچھ میں بھی کروں گا تو شکایت ہوگی
ظلم پر ترے ہمیں سوجھی ہے پھبتی کیا خوب
ملک‌الموت کی تیری سی طبیعت ہوگی
قتل کرکے مجھے ہٹ جاؤ دہل جاؤ گے
دیکھو ننھے سے کلیجے کو اذیت ہوگی
انہیں چالوں سے اگر آپ چلیں محشر میں
دیکھنا کیسی قیامت میں قیامت ہوگی
ہائے کس ناز سے محشر میں کھڑے ہیں وہ ادا
جانتے ہی نہیں گویا کہ قیامت ہوگی

(از پیام عاشق)

نازاں

لالہ میوہ رام صاحب نازاں بریلوی شاگرد خواہاں ۔ خوشنویس نسخ و نستعلیق

ناصحا باتیں بناتا ہے ہمارے روبرو
جب میں جانوں سامنے تیرے بت بے پیر ہو
ہم دعاے وصل مانگیں گے تو ہاتھ آئیگا ہجر
شکوۂ تاثیر کیا برعکس جب تقدیر ہو
قتل کرتے ہیں اشارے اس پری کی آنکھ کے
مرغ دل کیسے بچیں نوک مژہ جب تیر ہو[۱]

---

۱ ۔ از گلدستہ لطیف ۔

نازک

مسماۃ زینت ۔ تخلص نازک ۔ فرخ آبادی

کوچہ میں کوئی سسکے کوئی در پہ مرے ہے
انصاف سے کہہ تو یہ کیا ظلم کرے ہے
غش میں مجھے کل دیکھ کے وہ شوخ یہ بولا
سن ہوش میں آ کیوں مجھے بدنام کرے ہے
نازک سفر دور کو کیا یار سدھارا
قریہ طلب شوق کی نزدیک پڑے ہے[1]

ناسق

حکیم یعقوب حسین صاحب مقیم کوٹلہ نواح فتح پور ہسوہ ۔ فرخ آباد وطن ہے یہ ان کے اشعار ہیں

ہزار حیف کہ عاشق کے خون کے ہوتے
حنا کا رنگ ہو پائے نگار کے قابل

ناسق تجھے زندہ تو ملا شکر کی جا ہے
بیچارہ ترے ہجر میں مر مر کے جیا ہے
لذت ستم و جور کی ہم سے کوئی پوچھے
ان کی تو جفاؤں میں وفاؤں کا مزا ہے

نہ تم قاتل نہ ہم بسمل فقط ہاں بات ہے اتنی
نظر قاتل تمہاری دل ہمارا نیم بسمل ہے

---

۱ ۔ سرقہ سودا کا

تری تصویر میں وہ بات تیری سی نہیں لیکن
وہی صورت وہی نقشہ وہی شکل و شمائل ہے

ہوا ہے کون برے وقت میں کسی کا شریک
نہیں کسی کا بھروسہ سوا خدا کے ہے

ناشاد

سید آل حسن صاحب لکھنوی شاگرد خورشید

عین راحت ہے وہ رکھتے ہیں قفس پیش نظر
مجھ کو ہرگز نہیں درکار رہا ہو جانا

ناصر

مولانا محمد شفیع ناصر رامپوری ۔ تلمیذ رشید مولانا شوکت میرٹھی ۔

تھا سب تصور خیر گئی چشم عقل کا
ورنہ تیرے جمال کا جلوہ کہاں نہ تھا

چشم میکوں یاد آئی ساقیا
جام شاید زندگی کا بھر گیا

ولگ وحدت جلوہ گر تھا بزم حسن و عشق میں
عاشقوں کی بیخودی میں ناز معشوقانہ تھا

وہ بھی کیا دن تھے کہ دل تھا مشرب و ملت سے دور
کہ چراغ کعبہ تھا کہ نور آتش خانہ تھا

وادی ایمن جسے کہتے ہیں وہ تھا صحن دل
نام جس کا طور سینا ہے مرا کاشانہ تھا

جلوہ گر جب دل میں حسن شاہد معنی ہوا
ہر بن موسیٰ تھا شہ طور کا پیدا ہوا

نہ کر اے چارہ گر چارہ تو میرے زخمِ خنداں کا
کہ ہے یہ یادگار ابرو کہاں کے تیر مژگاں کا
نہ پوچھو دل جلو افسانہ مجھ سے سوختہ جاں کا
کہ ہے ہر داغِ دل مد مقابل مہر تاباں کا
تماشہ دیکھ زاہد چشمِ حق بیں سے گلستاں کا
چمن کا پتہ پتہ آئینہ ہے حسنِ عرفاں کا
کہاں جاؤں بتوں سے بچ کے میں جب عین کعبہ میں
لیا دل چھین اک عشوہ سے مجھ سیدھے مسلماں کا

مرے سینہ کے زخموں کا جو تھا مدنظر سینا
لگانا تھا تمھیں تار نگہ ناز کا ٹانکا

رضائے یار میں مرنا ہے اوس کا مشرب و ملت
نہ پوچھو کچھ فسانہ عاشقوں کے دین و ایماں کا
نکلتی حسرتِ دل کس طرح اپنی دمِ کشتن
کہ تھا وقتِ طپیدن پاس قاتل تیرے درماں کا
پڑا کیوں افرقہ میں جلد ناصر پی مے اُلفت
کہ ہے اس میکدہ میں ایک مشرب کفر و ایماں کا
وہ کیا عالم تھا جب نظارہ وقفِ چشم حیراں تھا
فقط وحدت کا جلوہ تھا ظہور نورِ یزداں تھا
تماشا گاہ یکتائی تھا خود وہ شاہدِ مطلق
دوئی کا مرغ گمنامی کے گلشن میں غزل خواں تھا

عالمِ مستی ہے آئینہ رخِ پر نور کا
بیخودی میں دیکھتے ہیں ہم تماشا دور کا

کس لبِ میگوں کی اُلفت کا اثر ہے یا خدا
زخم کے انگور میں بھی ہے مزہ انگور کا

بزمِ ہستی میں جو ہستی کو مٹا دیتے ہیں
کچھ وہی ہستیِ وحدت کا پتہ دیتے ہیں
دہنِ زخمِ جگر میں وہ نمک چھڑکا ہے
زخمِ دل خنجرِ قاتل کو دعا دیتے ہیں

بنایا جس نے حسن و عشق کا عالم میں کاشانہ
وہ صورت خانہؐ دل میں مرے خلوت نشیں نکلے
خدا کا شکر ہے ناصر کہ نکلے دل کے سب ارماں
دمِ آخر جب اون کو دیکھ کر جانِ حزیں نکلے

ناصر

نواب میر ناصر علی خاں بہادر سردار درجہ اول و جاگیردار اعظم ریاست بڑودہ ۔ مولوی نادر علی برتر سے تلمذ ہے ۔ حضرت ظہیر دہلوی سے بھی ارادت رکھتے تھے ۔ خاندانی امیر ہیں ۔ ان کے بزرگ قدیم الایام سے فرمانروایان بڑودہ کی رفاقت میں رہے ہیں ۔

زمانہ ہے فدائے حسن صورت اس زمانے میں
مگر عنقا صفت ہیں حسن سیرت دیکھنے والے
تماشائی حسنِ مہ وشاں بن کر ، اے ناصر
بنے ہیں صانع قدرت کی صنعت دیکھنے والے

ناصر

سید ناصر نواب دہلوی خلف خواجہ محمد ناصر۔ امیر نواسہ خواجہ میر درد کے شاگرد تھے ۔ عرصہ سے دہلی کی سکونت ترک کر دی ہے پہلے کئی

سال نواح پشاور میں رہے اب قادیان میں اپنے داماد غلام احمد قادیانی کے پاس رہتے ہیں ۔

ہے دل میں ان کے غیر کی صورت بسی ہوئی
دل میں بھی اب تو اُن کو بٹھایا نہ جائےؔ گا
قسمت میں غم ازل سے ہے رونے سے فائدہ
تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہ جائےؔ گا
کیوں اس کی بزم ناز میں ناصر گئے تھے تم
دیکھا وہ کچھ کہ جی سے بھلایا نہ جائےؔ گا
اے شیخ ہم سے کعبہ کو جایا نہ جائےؔ گا
دل بتکدہ ہے بار اٹھایا نہ جائےؔ گا
اے آہ اس کے دل میں تو تاثیر کچھ نہ کی
کیا آسماں کو بھی ہلایا نہ جائےؔ گا
کیا کہتے ہو کہ قتل کروں گا ، ابھی سہی
خنجر بھی نازکی سے اٹھایا نہ جائےؔ گا
قابو میں دل ہے اور نہ زباں اختیار میں
افسانہ ہے دراز سنایا نہ جائےؔ گا

ناصر

سعادت خان ناصر ولد رسالت خان متوطن قصبہ نگینہ مقیم لکھنؤ۔ مرزا محمد حسن مذنب مرثیہ گو کے شاگرد تھے اور بہت پر گو تھے ۔ پانچ دیوان اور ایک تذکرہ ان سے یادگار ہے ۔

اے بت ترے خیال کا احسان مند ہوں
پتلی کی طرح اُس نے رفاقت کی آنکھ سے
اے پیر خانقاہ وہ کچھ تجھ سے کم نہیں
پیرِ مغاں کو دیکھ ارادت کی آنکھ سے

باطن کا حال ہوتا ہے صورت سے آشکار
ہر لک کو دیکھتا ہوں میں صورت کی آنکھ سے
ناصر ہر ایک جنس سے ہے تو حقیر تر
ذرہ کو بھی نہ دیکھ اہانت کی آنکھ سے

پھر بھی کبھی وصلِ یار ہوگا
وہ یار گلے کا ہار ہوگا
تا حشر خیال رخ رہے گا
وہ شمع سرفراز ہوگا

ہر چند سخن ہیں سن لو ان کو
تا دے نہ فریب کوئی تجھ کو
دم میں کسی شخص کے نہ آنا
میلے ٹھیلے کبھی نہ جانا
مت کھالیو پان دے جو تجھ کو
بیڑہ ہے ہمارے قتل کا وہ
میٹھا بھی نہ کھالیو کسی کا
تم جانیئو ہے یہ زہر میٹھا
مت پھینکیو موئے سر کبھی تو
لے جاتے ہیں لوگ بھر جادو
ہاہا جو کسی نے بال لٹ کا
بے شبہ کرے گا کوئی لٹکا

ناصر

نواب امتیازالدولہ نصیرالملک سید ناصرالدین حیدر خان بہادر نصرت جنگ عرف یوسف مرزا ۔

کون اُلجھن میں پڑے ہم تو ہیں آرام پسند
تیرہ بختوں کو رہے زلف سیہ فام پسند
سبحہ وہ جبہ و سجادہ ہو زاہد کو نصیب
کرتے ہیں رند خرابات مے و جام پسند
تیری آنکھیں یہ رسیلی جسے آ جائیں نظر
اس کو کیا آئے بھلا نرگس و بادام پسند

ناصر

محمد ناصر علی صاحب مالکپوری شاگرد داغ امیدوار کللکڑی میرٹھ[۱]

ادھر سے سرد مہری تو ادھر سے گرم نالہ ہے
ہوئی جنگ آگ پانی میں نتیجہ دیکھئے کیا ہو
سما کر میری آنکھوں میں مرے دل میں نہیں آتے
وہ کہتے ہیں کہ اس گھر میں نہ کوئی غیر بیٹھا ہو

آتے ہی مرے دل میں وہ گھبرا کے یہ بولے
ہم سے نہ رہا جائے گا اجڑے ہوئے گھر میں
وحشت میں کیا خیال بندھا اس کے ہار کا
کلیاں پرو رہا ہوں گریباں کے تار میں
آئینہ گھورتا ہے انہیں کچھ خبر نہیں
مصروف بے طرح ہیں وہ اپنے سنگھار میں

---

۱ ۔ محبوب الکلام

قابو ہو ان کے دل پہ مرا یہ مجال ہے
اپنا ہی دل نہیں ہے مرے اختیار میں
باد صبا نے یار کو جب گدگدا دیا
تو ان کے ساتھ ہنس اڑیں کلیاں بھی ہار میں
کیا اٹھنے بیٹھنے کے لیے درد یار نے
گھر ایک ہے بنایا دل بے قرار میں
رہ رہ کے بوسہ لیتے ہو ناصر جو پیار میں
زلفیں بگڑ نہ جائیں کہیں بار بار میں

تم کنکھیوں سے نہ اس طرح کسی کو دیکھو
اس ادا میں کسی عاشق کی قضا رکھی ہے
آج چوٹیں ہیں برابر کی خدا خیر کرے
یار نے آئینے سے آنکھ لڑا رکھی ہے
وہ نہیں آتے ہیں اے موت تو آجا تو ہی
مہندی کیا پاؤں میں تو نے بھی لگا رکھی ہے

ناطق

منشی چرونجی لال فرخ آبادی تلمیذ حضرت طاہر مدظلہ۔

کشمکش لاکھ ہو محفل سے نکالیں نہ کبھی
غیر کو وہ دل کا ناشاد کا ارماں سمجھے
قدر جوہر تو ہوئی شکر ہے ان کے نزدیک
دل خوں گشتہ کو وہ لعل بدخشاں سمجھے
ایسے لپٹے کہ دم قتل نہ چھوڑا ہم نے
دامن تیغ کو اس ترک کا داماں سمجھے

کیا جل رہا ہے دل جو دھواں ساجگر میں ہے
بے خود ہیں کچھ خبر نہیں کیا حال گھر میں ہے
زلفِ سیاہ یار کا سودا جو سر میں ہے
تاریک اک جہاں ہماری نظر میں ہے
راہ عدم ہے طے دل بریاں جو بر میں ہے
توشہ بغل میں ہے تو بھروسہ سفر میں ہے
شام فراق دن کو بھی اپنی نظر میں ہے
وہ شمع رو نہیں ہے تو اندھیر گھر میں ہے
کچھ اصل بھی ہو جس کے لیے اتنی جستجو
کیوں دل کو پیچ و تاب خیالِ کمر میں ہے
عنقا کے پر کا خامہ ہو چشم ہما دوات
لکھنا کچھ آج وصف دہان و کمر میں ہے

نہ گھبراؤں جو بیداد بتاں سے
میں وہ دل وہ جگر لاؤں کہاں سے
اکیلے آئے تھے ہم لامکاں سے
ہزاروں لے چلے ارماں یہاں سے
ہوا عشق بتاں میں پارہ پارہ
بنا تھا دامن دل کیا کتاں سے
نہیں ملتے ہیں اب وہ تخلیہ میں
کچھ ایسے ہوگئے ہیں بدگماں سے
خدا کے آگے کیا منہ لے کے جائیں
بتوں نے کھودیا دونوں جہاں سے
قمر داغی رخ روشن ذرا صاف
ہے کیا نسبت زمین اور آسماں سے

بتانِ سر زمینِ ہند کا ظلم
کہیں بڑھ کر ہے جور آسماں سے
جگر میں چبھ گیا سینے میں چھد کر
ترا ناوک کہاں پہونچا کہاں سے
بنے ہو کس کے غم میں غم کی تصویر
بھلا کچھ تو کہو ناطق زباں سے

دل تو جاتا ہی رہا جان بھی رخصت ہوگی
ایک دن تو بھی جدا اے شب فرقت ہوگی
جب نہ تیری سی ادا اور نہ صورت ہوگی
حور و غلماں سے مجھے خلد میں نفرت ہوگی
نامہ لے جائے مرا بھیس بدل کر قاصد
کھل گیا راز تو معلوم حقیقت ہوگی

ناطق[1]

حکیم ابوالعلا سید سعید احمد صاحب ناطق لکھنوی۔ ابن مولوی سید محمد عبدالبصیر صاحب حضور بلگرامی۔ مولد لکھنؤ محلہ باغ قاضی۔ سن ولادت ۱۸۷۲ء۔ تعلیم ابتدائی فارسی و انگریزی مکان پر اور تعلیم عربیہ نصاب نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ میں تا بہ اختتام۔ تحصیل فنِ طب حکیم محمود خاں دہلوی سے اور تعلیم شعر و شاعری اپنے والد ماجد اور حضرت امیر مینائی سے۔ علماً فلسفہ و تصوف سے اور عملاً طب و ادب اردو سے خاص ذوق ہے۔ فلسفہ تصوف و طب اور تاریخ وغیرہ میں بیس سے زیادہ تصانیف ہیں۔ مضامین کئی ہزار لکھے ہیں اُن میں اکثر فلسفیانہ اور دقیق مسائل پر ہیں۔

۱۔ نوموصول۔

انتخاب کلام حضرت ناطق

ہجر جب تک ہے زندگانی ہے
وصل ہو تو حباب فانی ہے
کونسا ظلم کرنے والے ہو
آج کیوں مجھ پہ مہربانی ہے
ہے جوانی پر اس کی شیفتہ حسن
حسن پر شیفتہ جوانی ہے
ہر اشارہ تمھاری آنکھوں کا
ایک گنجینۂ معانی ہے

پہنچ جاتے ہیں جب نزدیک چبھ جاتا ہے اک کانٹا
ہمیشہ دور رہتا ہے ہمارا کارواں ہم سے
کجا ہنگامۂ محشر کجا خلوت سرائے دل
بلایا تھا کہاں ہم کو ملے آ کر کہاں ہم سے

دنیا و دین و عشق سبھی کو ہے مجھ سے کام
دو روز کی حیات میں کیا کیا کرے کوئی
میں بے طلب نثار کروں جان و دل مگر
غیرت ہے عشق کی کہ تقاضا کرے کوئی
محروم انبساط دلِ چاک چاک ہے
یہ عقدہ وہ نہیں کہ جسے وا کرے کوئی

ان جفاؤں پر بھی دل کیا جانے کیوں گرویدہ ہے
عشق ہے اک راز جو عاشق سے بھی پوشیدہ ہے

چھپاؤں سب سے منہ کب تک پتا اپنا نشاں مجھ کو
کہ تیری جستجو میں ڈھونڈھتا ہے اک جہاں مجھ کو
مرا دشمن کوئی مجھ سے زیادہ ہو نہیں سکتا
شریکِ غالب اپنا تو سمجھ اے آسماں مجھ کو

ناطق

حکیم سید محمد صادق باشندہ سرسہ ۔ ضلع مرادآباد میں بھی رہے تھے اور حضرت شمشاد سے تلمذ ہے یہ اشعار ان کے ہیں :-

ابھر ابھر کے یہ کہتا ہے یار کا جوبن
میں دل نہیں ہوں کہ رکھ لو دبا دبا کے مجھے
وہ اپنے عکس سے آئینے میں یہ کہتے ہیں
کہ آپ کون ہیں جو گھورتے ہیں آ کے مجھے

جناب شیخ میخانے سے کیوں بچ کر نکلتے ہیں
مگر پیر مغاں کے دام کچھ ان پر نکلتے ہیں
تمھاری بزم میں اک شمع کا اقبال یاور ہے
کہ جتنے سر قلم ہوتے ہیں اتنے سر نکلتے ہیں
ترا دل سخت تھا اب کس لیے جوبن ابھرتا ہے
یہ اک پتھر ہی کیا کم تھا جو دو پتھر نکلتے ہیں
تعجب کیا جو مجھ سے پہلے قیس و کوہکن گزرے
کہ لے کر پیش خیمہ پیشتر نوکر نکلتے ہیں
مثال آئینہ یکساں ہے جن کا ظاہر و باطن
جو دیکھو تو وہی کچھ صاحب جوہر نکلتے ہیں
مرے دل میں وہ بیٹھے تو ہیں لیکن دیکھیے کیا ہو
مجھے دم دے کے جاتے ہیں کہ دم لے کر نکلتے ہیں

ناطق

شیخ احمد شاہ متخلص بہ ناطق۔

زلف کا مضمون کیا تحریر اپنے ہاتھ سے
ہم نے ڈالی پاؤں میں زنجیر اپنے ہاتھ سے
بعد مردن بھی نہ ہو احسان کسی کا اس لیے
کر رہا ہوں قبر کی تعمیر اپنے ہاتھ سے
چومتے ہیں پھر ان ہاتھوں کو مصور اے صنم
کھینچتے ہیں جب تری تصویر اپنے ہاتھ سے
ایک دم تو خون لگا رہتا مرا مثل حنا
ذبح کرتا گر بت بے پیر اپنے ہاتھ سے
جب بگڑتا ہے مقدر سب بگڑ جاتے ہیں یاں
ہوتی ہے نقصان کی تدبیر اپنے ہاتھ سے
یہ دعا ناطق کی ساقیٔ ازل سے ہے مدام
جام کوثر دیں مجھے شبیر اپنے ہاتھ سے

ناطق

سید ابوالحسن صاحب ناطق۔

مری گواہی کو محشر میں آپ تو آئے
تری نگہ سے ٹپکتا ہوا لہو آئے
نہ ہو کمال تو اتنا ہو بادہ نوشی میں
کہ دے نہ کوئی تو خود دوڑ کر سبو آئے
مریض عشق کو مرنے کی ہے دعا درکار
الٰہی راس اسے شیخ جی کی چھو آئے

ناطق

جناب منشی ابوالحسن صاحب مقیم چھتیس گڑہ -

شترِ غمزے ترے اے عشق اب بھکتے نہیں جاتے
ستم گر گھس گئے ہیں ہونٹ منت اس کی کر کر کے
تمہارا ہی نہیں اک رنگ فق حیرت سے اتنوں میں
حسیں سب آئینہ خانے میں بت ہیں سنگ مرمر کے
خیال نرگس مخمور میں سے کس کو بھاتی ہے
ہم اکثر پی لیا کرتے ہیں آنسو آنکھ میں بھر کے

ناظر

ناظر علی صاحب باشندہ کسمنڈی ناظر کالکڑی -

رقیب سے کبھی ملنے کا ذکر گر آیا
تو صاف کہنے لگے دل پہ اختیار نہ تھا
بہار آئی ہے جوش جنوں پہ کی جو نظر
ہماری جیب و گریباں میں ایک تار نہ تھا
نگاہ مست نے ساقی کی کر دیا یہ مست
وہ بادہ خوار بنا ہے جو بادہ خوار نہ تھا

سر میں سودائے جنوں دل میں خیال مہرومہ
یہی انجام جوانی یہی آغاز بھی تھا

مرکر نہ چین لے گا یہ وہ بے قرار ہے
تربت سے میری دور بنانا مزار دل

ناظر

نام ناظر الدین - تخلص ناظر - سکونت موضع اوجلہ کلاں - ضـ

۱ - لوموصول

گوجرانوالہ ۔ تاریخ پیدائش فروری ۱۹۰۱ء تعلیم میٹرک ۔ اقتصادی مشکلات کے باعث تعلیم ادھوری ہی رہی ۔ جدِ اعظم (پردادا) حکیم مولوی احمد یار خاں بڑے عالم و فاضل تھے ۔ جنھوں نے تمام علوم متداولہ ۔ فقہ، اصول ۔ حدیث ۔ صرف و نحو اور منطق و حکمت میں کماحقہ، تعلیم پائی تھی ۔ آپ شاعر بھی تھے اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے ۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :

(۱) داستانِ امیر حمزہ منظوم (بزبان پنجابی) (۲) حیدر نامہ پنجابی منظوم ۔ (۳) تولد نامہ اور وفات نامہ پیغمبر اسلام ۔ (۴) قصۂ گل و صنوبر ۔ (۵) جمال نامہ (حکمت کی کتاب) (۶) حسن نامہ (درخطوط نویسی بزبان فارسی)

ان کی یادگار ایک بڑا قلمی کتب خانہ بھی تھا جو بقول ناظر صاحب ان کے والد صاحب کی گھر سے غیر حاضری کے باعث خوردبرد ہوگیا۔ ناظر صاحب کے دادا حکیم مولوی شیخ احمد صاحب بھی اپنے والد کے ہم پلہ عالم تھے ۔ شاعر بھی تھے ۔ ناظر صاحب کے والد حکیم مولوی نظیر حسین خاں نظیر نے فارسی اور عربی کی نہایت اعلیٰ تعلیم پائی تھی ۔ طبابت کا شغل تھا فارسی اردو اور پنجابی میں حسب ضرورت شعر کہتے تھے ۔ ناظر صاحب راولپنڈی میں ملٹری اکاؤنٹس آفس میں ملازم رہے ۔ اردو زبان و ادب سے فطری مناسبت تھی ۔ چونکہ ناظر صاحب کے والد صاحب مقامی بزم سخن کے سرگرم کارکن تھے اس لیے ان کو بھی اکثر مشاعروں میں شرکت کا موقع ملتا رہا اور ذوقِ شاعرانہ پرورش پاتا رہا ۔ اپریل ۱۹۳۱ء میں ایک ادبی انجمن "بزم اردو" کی داغ بیل ڈالی اور جولائی ۱۹۳۳ء میں ایک ماہوار جریدہ "خمستان" کا اجرا کیا ۔

ہاں بہار آنے تو دو، جوش جنوں ہونے تو دو
خود بخود اڑ جائیں گے ٹکڑے میری زنجیر کے

چیر کر کیا دیکھتے ہو، دل میں ہے رکھا ہی کیا
چند مردہ آرزوئیں چند ٹکڑے تیر کے

زمانہ بھر کے ستم کیا تمھیں کو کرنا ہیں
کوئی تو مشغلہ رہنے دو آسماں کے لیے
تغیر اب جہاں کو نہ دیکھ حیرت سے
بہار لازم و ملزوم ہے خزاں کے لیے

دم توڑتا ہوں منزلِ مقصود کے قریب
اے دوست خونِ حسرت تدبیر دیکھنا
پھر چشمِ مہر سے مجھے دیکھا حضور نے
پھر قصرِ آرزو ہوا تعمیر دیکھنا

نوازش ! فریب تمنا ! نوازش
کہ اب میں فریب آشنا ہوگیا ہوں
میں جب عزم محکم سے اٹھا ہوں ناظر
تو آپ اپنا مشکل کشا ہوگیا ہوں

روپوش ہوا حق دبا ہے باطل نے جھنڈے گاڑ دئے
اب اس دنیا میں جینے سے انساں مر جائے تو اچھا
انساں کی مذمت کرنے میں بے چارے فرشتے سچے تھے
کوئی اب دنیا کا نقشہ اُن کو دکھلائے تو اچھا
تسلیم و رضا کے بندوں کی دنیا ہی نرالی ہوتی ہے
محبوب ہنسائے تو اچھا اور خوں رلائے تو اچھا

ناظر

چودھری خوشی محمد صاحب بی ۔ اے ۔ ممدوح مولانا حالی ۔

گلشن میں گو نہیں وہ فصل بہار باقی
اب تک ہے یاد گل میں صورت ہزار باقی
آنکھوں میں بزم جم کا نقشہ سما رہا ہے
ہے جام جم کا اب تک سر میں خمار باقی
خالی ہیں قصر و منزل بغداد و اندلس کے
ہیں بام و در پہ لیکن نقش و نگار باقی
گزرا تھا جس زمیں سے خیل و چشم ہمارا
اس رہگزار میں ہیں کچھ شہسوار باقی
گلزار آصفی میں ہو فصل گل ہمیشہ
خلد آشیاں کی دایم ہو یادگار باقی
برطانیہ کی ان سے افزوں ہو شان و شوکت
ہو باغ قیصری میں ان سے بہار باقی
دل قوم کے رہیں گے الفت سے ان کی روشن
سینے میں سنگ کے ہے جب تک شرار باقی
لے گا خبر کسی دن اس کشت آرزو کی
ابر بہار پر ہے اپنا ادھار باقی
اس آستاں تک اپنی ہو یا نہ ہو رسائی
ہو بزم یار دائم اور حسن یار باقی
اے آب دجلہ تیری دائم رہے روانی
سرسبز کھیت ہوں گے پیاسے پیئیں گے پانی[1]

۱ ۔ از رسالہ مخزن اپریل ۱۹۰۱ء

ناظر

سید فیاض حسین خلف مولوی سید مشرف حسین باشندہ الوبر پور ضلع خیر آباد - پہلے حضرت ریاض سے مشورہ کرتے تھے پھر امیر مینائی سے تلمذ اختیار کیا ۱۳۰۳ھ میں ۲۰ برس کا سن تھا

زباں جل جائیگی فرقت میں ناظر
نہ لانا سوز غم دل سے زباں تک

باب توبہ کی طرح اس کو بھی رہنے دو کھلا
واعظو بند نہ میخانہ کا در ہونے دو

اگر ساقی مرا کہدے زباں سے
شراب ناب برسے آسماں سے

دست جنوں نے خوب اڑائی ہیں دھجیاں
کہا بخیہ گر کو پیرہن اپنا دکھالیے

جلوۂ رخ دیکھ کر بیتاب رعنائی ہوئی
سادگی پر آپ کی قربان زیبائی ہوئی

تیغ میں ہے اثر آب حیات
اس کا کشتہ کبھی مرتا ہی نہیں

ناظر

محمد علی اصغر رام پوری مقیم کلکتہ شاگرد حضرت داغ ۔

وہ صورت جلوہ گر اپنے ہی دل میں دیکھ لی ہوتی
زلیخا کیوں ہوئی بدنام عشق ماہ کنعاں سے

چلی جاتی ہے جان اے جوش گریہ کر مدد میری
شرار آہ نے دل میں غضب آتش لگائی ہے
خدا جانے قیامت قتل گہ میں کیا بپا ہوگی
کہ اک قاتل ہے مشتاق شہادت سب خدائی ہے

اک قدم جبکہ اٹھایا دم رفتار اس نے
اس کی پابوسی کو سو فتنۂ محشر آئے

ناظم

فردوس مکان نواب یوسف علیخان والئی رامپور خلف نواب محمد سعید خان مغفور حکمران ریاست مذکور اوائل مشق سخن میں تدبیرالدولہ منشی مظفر علیخاں اسیر لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ ایام ولیعہدی میں اور اپنے والد کی مسند نشینی سے پیشتر ایک عرصہ تک دہلی میں مقیم رہے۔ اس زمانہ میں مفتی صدرالدین خاں آزردہ اور مومن خاں سے بھی کچھ روز علوم فارسی اور عربی کی تحصیل کی۔ غدر سے چند سال پیشتر نجم الدولہ دبیرالملک نواب اسداللہ خاں غالب دہلوی کے شاگرد ہوئی اور پھر مدت العمر کسی اور کے طرز روش مرغوب خاطر نہ ہوئے۔ نواب مرحوم نہایت ستودہ خصائل تھے۔ غالب مرحوم سے دوستانہ و شاگردانہ ارتباط رکھتے تھے اور بڑی تعظیم سے پیش آتے تھے۔ ۱۸۵۵ء میں صدر ریاست پر جلوس فرمایا۔ مسند نشینی کے دو برس بعد فساد غدر ہوا۔ دوران آشوب میں نواب فردوس مکان نے سرکار انگلیشیہ سے بہت ارادت

و خیر خواہی ظاہر فرمائی ۔ ان جذبات کے صلہ میں سوا لاکھ روپیہ سال کا علاقہ عطا ہوا ۔ اور خطاب ستارۂ ہند و فرزند دلپذیر سے مشرف ہوئے ۔ نواب گورنر جنرل کی کونسل کے بھی ممبر مقرر ہوئے تھے مگر بہ سبب ناموافقت آب و ہوا تھوڑے عرصہ بعد رامپور واپس چلے گئے ۔ حضرت کو علوم شرقیہ کی طرف ہمیشہ سے رغبت تھی ۔ کاملوں سے صحبت تھی ۔ جملہ کمالات میں فرد تھے ۔ سخن گوئی کا ذوق بدرجہ غایت تھا اور اس فن میں استادی کا رتبہ حاصل کیا تھا ۔ دیوان اور چار واسوخت جو نتائج انکار والا ہیں چھپ کر مقبول عام ہو چکے تھے ۔ پچاس برس کی عمر میں ۱۸۶۵ء میں اس حکومت کے بعد کوس رحلت بجایا نواب صاحب عدخان بڑے صاحبزادے مسند نشین ریاست ہوئے ۔ فردوس مکاں مرحوم حضرت غالب سے کمال عقیدت رکھتے تھے ۔ چنانچہ اس امر کا اکثر غزلیات میں فخریہ اظہار کیا ہے ۔

کیوں نہ غالب کے ہوں اسرار کا قائل ناظم
دور سے جس نے سکھایا مجھے ایسا کہنا

قطعہ

نہیں یوں سے کبھی کہا ہوگا
کہ دریا تم پہ دل نثار ہوا
کی جو کچھ دل کی بیقراری کا
تذکرہ ویسے ایک بار ہوا
ہنس کے کہنے لگے کہ کیوں صاحب
دل کہاں تھا جو بیقرار ہوا

پیدا ہے تو نہ انھیں کرنے ہی بن آئی
جب بعد مرے کوئی نہ مجھ سا نظر آیا

کر کے خون ایک کا جا بیٹھے ہیں گھر میں اور پھر
پوچھتے ہیں کہ مرے در پہ ہے غوغا کیسا

ناظم وفائے عہد کی امید ہے کسے
مرنا بھی اس فریب میں دشوار ہو گیا

ہے لڑائی اہتو آؤ سامنے
صلح میں ہم سے بہت پردہ کیا

لڑ تو آیا اوس سے لیکن ہم نشیں
دل میں کہتا تھا کہ ناظم کیا کیا

شرمندہ ہوئے پر کہیں ضد اور نہ بڑھ جائے
عہد اوس کا اوسے یاد دلانا نہیں اچھا

ہوا تھا خوش کہ میں اچھا رہا اب رشک آتا ہے
کہ ملتا ہے پتہ تربت سے میری کوئے قاتل کا

نے سجہ ہاتھ میں نہ ہے زنار دوش پر
ناظم نہ تو ادھر نہ ادھر پھر کدھر ہے تو

سو قدم پر سے ہوا بسمل برا ہو تیر کا
دیکھ تو لینا جو کھاتا زخم میں شمشیر کا

کبھی خوں ہوتے ہوئے اور کبھی جلتے دیکھا
دل کو ہر بار نیا رنگ بدلتے دیکھا
ہے یہ ساقی کی کرامت کہ نہیں جام کے پاؤں
اور پھر بزم میں سب نے اوسے چلتے دیکھا

خریداری ہے شہد و شیر و قصر و حور و غلماں کی
غم دیں بھی اگر سمجھو تو اک دھندا ہے دنیا کا

معتقد ہوں کعبہ کا ناظم مگر جا کر وہاں
عبرت آتی ہے کہ کیا بت خانہ ویران ہوگیا

کچھ غم نہیں ہے صاف مجھے گر دیا جواب
کیا کم ہے یہ خوشی کہ دیا بات کا جواب
بات ایسی کون سی ہے کہ جس کو بڑھایئے
ایک مختصر سوال ہے یا بوسہ یا جواب
ناظم تم اون سے روز کہے جاؤ حالِ دل
کب تک نہ دیں گے از رہِ شرم و حیا جواب

وہی تم ہو وہی خنجر ہے پر انصاف کرو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو کیا میرے بعد
خط مرا پڑھ کے تمھیں رحم تو آیا لیکن
یہ بھی قسمت کا لکھا تھا کہ پڑھا میرے بعد

ناظم اگرچہ میر بھی تھا خوش سخن مگر
ہے ہم کو شیوۂ اسد اللہ خاں پسند

ناظم ہمیں تتبع غالب پہ ناز ہے
ہوگا کسی کو پیروی میر پر گھمنڈ

ترا بیمار مسیحا سے نہ اچھا ہوگا
اور ہوگا بھی تو مر جائے گا اچھا ہو کر
نہ جانے تم نہ جاتی جان میری
بنے کیوں جان کے دشمن تم آ کر

سنبھال واعظ زبان اپنی خدا سے ڈر اک ذرا حیا کر
بتوں کی غیبت خدا کے گھر میں خدا خدا کر خدا خدا کر
جو یاد آتا ہے مجھ کو ناظم تو لوٹ جاتا ہے سانپ دل پر
بلائیں لینے کو منع کرنا وہ اون کا آنکھیں جھکا جھکا کر

اس گھر کے تھا نصیب میں لٹنا اسی طرح
غم ہائے جانگداز ہوئے مہمان دل

کیا فائدہ ناحق ستم اتنا نہ کرو تم
حق سے تو ڈرو گر مری پروا نہ کرو تم
کہتے ہیں کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کروں کیا
کہتے ہو کہ دلجوئی اعدا نہ کرو تم

فسانۂ ستم ہجر ہے سوال نہیں
نہ دو جواب منے جاؤ کچھ ملال نہیں

معشوق کس کے بس کے ہیں ناظم خدا سے ڈر
میرا ہی دل ہو کاش مرے اختیار میں

وہ سن کر درد دل کہتے ہیں پھر میں کیا کروں ناظم
خلاصہ آپ کی تقریر کا یہ ہے کہ مرتے ہیں
جلا خرمن تو کیا پر جو دھوئیں اٹھتے ہیں خرمن سے
ستم ہے بن کے بادل کشت دشمن پر برستے ہیں

مرے دردِ دل کی پرسش دوا
اگر مجھ کو پوچھیں تو اچھا کریں

نبض پر مجھ دل جلے کی انگلیاں رکھیں اگر
اے مسیحا آگ لگ جائیگی سارے ہاتھ میں

لب جاں بخش کا ہوں کشتہ
حیاتِ جاوداں ہے اور میں ہوں

عاشق حق ہیں ہمیں شکوہ تقدیر نہیں
پیچ قسمت کا کم از زلفِ گرہ گر نہیں
اپنے استاد کے انداز پہ میرا ہے کلام
مجھ کو ناظم ہوس پیری میر نہیں

جی چھوڑ دیں گے دولو چل تو سہی چمن میں
جھ رنگ و بو یہ جھگڑا نسرین و نسترن کا

اک مزہ البتہ ملتا ہے سو وہ بھی مشترک
بوسہ کیا شے ہے کہ جس کے دینے میں انکار ہو

ہوا گر نامہ بر واں قتل ہم کیوں غم کریں ناظم
چلو ہاتھ آئی اک تقریب اوس کوچہ میں جانے کی

ہم نہیں چاہتے کہ دولت ہو
کون ممنونِ بخت و قسمت ہو
رخصتِ عرضِ حال کیا مانگوں
کہہ نہ بیٹھیں کہیں کہ رخصت ہو
بیوفائی کا داغ کیسا ہے
ہم نے مانا کہ ماہ طلعت ہو
اوس پہ کیجئے گمان شکوے کا
بات کرنے کی جس میں طاقت ہو
تم سا ناظم ذہین اور دانا
اس طرح مبتلائے الفت ہو

نواب محمد علی خاں ناظم رئیس مدراس۔ شاگرد جناب جلال لکھنوی۔

نہ ادا کا تری کشتہ نہ جفا کا میں ہوں
یار شرمائی ہوئی آنکھ کا مارا میں ہوں
نگہ ناز کے بسمل کی تڑپ کہتی ہے
جیسے دیکھا کرے قاتل وہ تماشا میں ہوں

زخمِ دل نے یہ اشارے ہیں ترے خنجر سے
کیا بتاؤں تجھے کیوں دیکھ کے ہنستا میں ہوں
نہ رہوں گا ترے قابو میں یہ دل کہتا ہے
جب ذرا آنکھ بچی مال پرایا میں ہوں

پوچھ لیتے کبھی بیمار کو جاتے جاتے
کچھ دوا دردِ محبت کی بتانے جاتے

ناظم

میر یحییٰ ان کے والد شجاع الملک کے ساتھ کابل سے وارد ہند ہو.
یہ خود بھی جنگ کابل میں شریک تھے۔ پھر دہلی آن رہے :

رشک نے کب مجھے جیتا چھوڑا
اس کے پیکاں نے اگر چھوڑ دیا
دیکھ ہمراہوں کو جوں نقش قدم
ہم نے اب عزم سفر چھوڑ دیا
دل گم گشتہ کا ہم نے پوچھا
سود تھا یا کہ ضرر چھوڑ دیا

ناظم بتوں سے ملیو تو انجام دیکھ کر
انسان کو چاہیے کہ کرے کام دیکھ کر
نقش قدم کی طرح اٹھا مت ہمیں صبا
اس راہ میں پڑے ہیں ہم آرام دیکھ کر

ناظم

منشی محمد شفیع اوورسیر مین پوری ۔

آتا ہے بار تری تسلی کے واسطے
اے دل تڑپ کے اور ذرا بیقرار ہو

اے بیکسی بتا دے تو ہی پوچھتے ہیں وہ
حسرت برس رہی ہے یہ کس کا مزار ہے

دعائیں مانگتے ہو تم جو روز اے ناظم
بتاؤ پہلے مجھے ان میں کچھ اثر بھی ہے

ناظم

بابو درگا پرشاد خلف بابو چھوٹے لال داروغہ نواب جعفری بیگم صاحبہ رئیسہ شمس آباد ۔

اگر شمشیر ہو روکوں سپر سے
بچے دل کس طرح تیر نظر سے
اگر وہ صندلی اوڑھے دوپٹہ
تو مجھ کو ہو افاقہ درد سر سے
نہیں معلوم کہ محرم کے اندر
چمکتے کیا ہیں دو شمس و قمر سے

ناظم

پنڈت کامتا پرشاد کشمیری لکھنوی تحصیل دار و منتظم راج بھرت پور ۔

نیرنگ زمانے کے ہیں شام اور سحر اور
شب داغ جگر اور سو سوز جگر اور

فرصت میں فقط حالت دل عرض کروں گا
حاضر میں رہوں آپ نہ سمجھیں کچھ اگر اور
فردوس سے حوریں تیرے نظارے کو آئیں
آنکھوں سے تری سیکھ لیں جادو کے ہنر اور

ناظم

منشی سید ناظم حسین خان لکھنوی مقیم لاہور -

ذبح ہم جسدم ہوئے بیتاب داماں ہوگیا
ڈال کر باہیں گلے میں عشق گریاں ہوگیا
حسن چولی ہو گیا اور عشق داماں ہوگیا
درد ساتھ اس چولی دامن کے گریباں ہوگیا

ہوگئی ترچھی نظر کھب کر دل دلگیر میں
پڑ گیا بل بوجھ سے پلکاں کے نازک تیر میں
دو فرشتوں کے برابر ایک میں کرتا ہوں کام
میں ہوں مصروف عمل مشغول وہ تحریر میں
ابروئے پرخم نظر میں رکھتے ہیں ہم رات دن
تیر دیکھے تھے کہاں میں اب کہاں ہے تیر میں
مے میں ہیں دل میکشوں کے میکشوں کے دل میں مے
مے میں ہے انگور گویا اور مے انگور میں
آب و تاب حسن کی عالم میں پھیلی روشنی
نور کی قندیلیں چھوٹیں چشمہ کافور میں
یا کٹورے موتیوں کے بھر کے ابھرے بحر میں
یا گرے پھولوں کے دستے چشمہ کافور میں

وہ لہو اگلا گیا اور خون یہ رونق رہی
فرق ناظم رہ گیا کیا آنکھ اور ناسور میں

نافذ

منشی سید احمد حسین ابن سید امیر علی لکھنوی ۔ استاد پھکیت ۔ حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں اور ریاست بھوپال میں ملازم ہیں ۔ یہ اشعار ان کے ہیں ۔

ہوگئی اور قیامت یہ قیامت برپا
کچھ عجب ناز سے وہ فتنہ محشر آیا
مثل گل کھل گئے سب زخم شہید الفت
چادر گل جو چڑھانے وہ لحد پر آیا
چھوڑ جاتے ہو جو فقرہ ہے مرے مطلب کا
خط کا پڑھنا تو تمھیں خوب ہے فرفر آیا

نالاں[1]

سید عنایت نبی نالاں بریلوی ۔

وائے دیتے نہیں بوسہ کبھی زلف و رخ کا
وعدہ ہر روز یونہیں شام و سحر کرتے ہیں
ہے تعجب کا مقام آپ نہ ٹس سے مس ہوں
یہ وہ نالے ہیں کہ پتھر میں اثر کرتے ہیں

عالم رویا میں دیکھی ہاتھ میں زلف صنم
اس پریشاں خواب کی کیا دیکھیے تعبیر ہو

---

۱ ۔ از گلدستہ لطیف ۔

ہو کے آشفتہ مجھے پر آشنا کہنے لگا
یا تو وصل یار ہو یا پاؤں میں زنجیر ہو

دہن ہے تلخ مرا ہوتے ہوتے زہر ملال
جو ایک بوسہ دیں تبدیل ذائقہ ہو جائے

جو آپ لائے ہیں تشریف فاتحہ بھی پڑھیں
دعائے خیر سے خالی نہ یہ مزار رہے
دیا نہ ساتھ کسی نے فراق دلبر میں
مگر رہے تو غم و درد غم گسار رہے

جس کو تم ماہ سمجھتے ہو وہ یہ ماہ نہیں
داغ دل کا شب فرقت میں چمک جاتا ہے

آ گئی کیا قفس میں بو گل کی
غیر حالت ہے آج بلبل کی
تیغ ظالم فلک سے کیا وہ ڈرے
رکھتا ہو جو سپر توکل کی

کرتے کرتے جستجو پہونچے سوئے ملک عدم
راز اس پر بھی نہیں کھلتا دہان یار کا

نالاں[1]

ماسٹر گوربخش سنگھ نالاں ولد سردار سندر سنگھ ابن سردار بھگوان سنگھ

---

۱ - نوموصول -

ولادت ۱۸۸۱ء - عمر ۳۴ سال - آپ کے مورث اعلی سردار بلاق سنگھ مہاراجہ گجپت سنگھ والئی جیند کے حقیقی بھائی تھے - ابھی چھ سات سال کی عمر تھی اسکول میں داخل ہو چکے تھے کہ والد صاحب کا عین شباب میں انتقال ہوگیا - والد صاحب کے انتقال کے بعد ڈرولی ضلع فیروزپور چلے گئےاور وہاں دیو سماج ہائی اسکول موگا میں داخل ہوگئے- ابھی چھٹی جماعت میں تھے کہ شاعری کا ذوق ہوگیا - اتفاق سے اسکول کے دو اُستاد شاعری کا شوق رکھتے تھے - دونوں میں شاعرانہ نوک جھونک ہوا کرتی تھی - ان کے فیضِ صحبت سے اس فن میں بہت مدد ملی - اصلاح سخن بھی ہونے لگی - پھر مولانا اسماعیل صاحب فائق دھرم کوٹی کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ فن کیا - فارسی علم و ادب کی تکمیل کر کے جناب فائق کی رہنمائی میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحان منشی فاضل میں کامیابی حاصل کی - ۱۹۱۸ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا - اب دیو سماج ہائی اسکول موگا میں فارسی کے مدرس اول ہیں - اردو کے علاوہ فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے- نمونۂ کلام پیش خدمت ہے-

غزل

رضائے دوست فرمانِ خدا معلوم ہوتی ہے
مرے حق میں یہی وجۂ بقا معلوم ہوتی ہے

وہ میرے پاس آ جائے نگاہ اک بار ہو جائے
یہی میرے لیے یارو دوا معلوم ہوتی ہے

مرے دل میں جھلک اُمید کی پھر ہوگئی پیدا
یہ خاموشی حقیقت میں رضا معلوم ہوتی ہے

سرِ بازار پردہ چھوڑ کر چلمن کا بیٹھے ہیں
لبِ بام اُن کو آنے میں حیا معلوم ہوتی ہے

جسے چشمِ غضب سے آپ نے دیکھا اجل آئی
نگاہ ناز پروردہ قضا معلوم ہوتی ہے
سوالِ وصل پر ہم سے بگڑ بیٹھے ہیں وہ نالاں
طبیعت آپ کی برہم خفا معلوم ہوتی ہے

قفس میں بیٹھ کر کچھ دیر یادِ آشیاں کر لوں
فغاں و شیون و فریاد زیرِ آسماں کر لوں
نمایاں کر دیا ہے آنسوؤں نے رازِ دل میرا
بتائیں کس طرح جذبات اُلفت میں نہاں کر لوں
بہار آئی ہے اے صیاد کر دے اب رہا مجھ کو
کہ تنکے چن کے میں آباد اپنا آشیاں کر لوں

غزل

چمن میں جلوہ پیرا لاکھ ہو آمد بہاروں کی
نظر ہر پھر کے پڑتی ہے ترے رخ پر ہزاروں کی
رکھائی کی شکایت اپنے لب پہ آ نہیں سکتی
کہ طوطا چشم ہو جانا ہے عادت گلعذاروں کی
مقابل میں ترے پھیکا پڑے جوبن حسینوں کا
کہ جوں مہتاب میں ہو روشنی مدھم ستاروں کی

دانا کو مناسب نہیں تحقیر کسی کی
کم کر نہیں سکتا کوئی تقدیر کسی کی
وہ چیں بہ جبیں مجھ سے یونہی ہوتے ہیں دیکھو
ہوتے ہیں خفا مجھ پہ ہے تقصیر کسی کی
نالاں سدا مصروف رہو یادِ خدا میں
یہ سنتے نہیں ہیں بت بے پیر کسی کی

کچھ تو ہو تسکینِ دل مجھ عاشق دلگیر کو
کاش سینے سے لگا لوں میں تری تصویر کو
جذبۂ عشق و محبت کا یہ سارا فیض تھا
کاٹ لایا دور سے فرہاد جوئے شیر کو
عاشقوں کے واسطے تلوار کی حاجت نہیں
خود گلا کٹ جائے گا کھینچو نہ تم شمشیر کو

نامی

والا خطاب فرخندہ القاب مبارز الدولہ ممتاز الملک نواب مرزا حسام الدین حیدر خاں حسام جنگ نامی مرحوم خلف نواب سراج الدولہ غیاث الدین محمد خاں قیامت از اولاد امجاد میر محمد ہیں ۔

برہان الملک نیشا پوری بانی سلطنت اودھ ۔ وزیر الممالک نواب نجف خاں اس خاندان کے اجداد مادری میں سے تھے ۔ حضرت نامی نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ دہلی اور لکھنؤ میں گزارا ۔ میر تقی میر کے شاگرد تھے ۔ خلق و مروت میں یگانہ روزگار تھے ۔ ان کے چھوٹے بھائی نواب سید محمد خاں رند تخلص سے مشہور عالم ہوئے ۔ حضرت نامی بھی صاحب دیوان تھے ۔ اصل نسخہ میرے پاس موجود ہے ۔ اوس پر حضرت غالب کی تقریظ ہے ۔ دو بیٹے نواب مفاخر الدولہ شہید و نواب ناظر حسین مرزا یادگار چھوڑے آخرالذکر کی اولاد اب بھی دہلی میں موجود ہے ۔ نواب نامی کا مکان سکوتی بلی ماران کے محلہ میں تھا اور اوس کا احاطہ ایک گاؤں کے رقبہ سے کم نہ تھا ۔ حضرت نامی کا کلام بہت پرلطف اور شیریں ہے ۔ انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے :-

بدنامیٔ الفت کو یہ عار نہ سمجھے گا
اس دل کو نہ سمجھاؤ زنہار نہ سمجھے گا

غفلت کو جوانی کی کچھ پوچھو نہ اے زہد
بیہوشی کی لذت کو ہشیار نہ سمجھے گا

گیا مدت میں اوس در پر تو یہ ہنس کر لگا کہنے
نہیں سے پھر ہوا لو آج یہ بے خانماں پیدا

نعش پروانے سے کہتی ہے شمع
میری خاطر یہ میزبان جلا

مر مر گئے عشاق خبر تو نے نہ پوچھی
کشتہ ہوں میں اے یار تیری بیخبری کا

دین و دل ہوش و خرد جس کو دیا ہم نے وہ شوخ
ایک بوسہ دے کے ہم کو مفت پر کہنے لگا

ہر گھڑی کیوں یہ سناتے ہو کہ گھر جاؤں گا
دل ہے بیتاب تڑپ کر کہیں مر جاؤں گا
سچ بتا کچھ تجھے افسوس بھی ہوگا ظالم
واسطے تیرے اگر جی سے گزر جاؤں گا

دل کسی دلبر کو تم دے کر ہو مضطر کیوں میری طرح
تم لٹیرے کہلاتے تھے کوئی تمہیں بھی لوٹ گیا

مر گیا مارے خجالت کے جو پوچھا اوس نے
تو تو مرتا تھا رہا کاہے سے اب تک جیتا

جب گئے جاں سے ہوئے خو سے تری ہم واقف
سچ ہے یہ ہر کوئی کچھ سیکھے ہے کھو کر اپنا

دن گزارا ہے تم نے غیروں میں
ہم سے اب عذر کچھ نہ لائیے گا
کون سی ہوئے گی قیامت گر
آج کی رات گھر نہ جائیے گا

شعر یا سحر ہے یا معجزہ ہے اے نامی
میں سدا قائل طرزِ سخنِ میر رہا

ٹوٹ جاتے ہیں مرے زخم جگر کے ٹانکے
لے ہے انگڑائی وہ جب عالم مخموری میں

کوچہ میں اپنے دیکھ کے ہم کو آپ خفا کیوں ہوتے ہیں
جان سے اپنی ہاتھ اٹھایا دل کو بیٹھے روتے ہیں

ز بس یاد میں اوس کی بے ہوش ہوں
سدا شکلِ تصویر خاموش ہوں

یار کے ملنے کی اب دل کو ہوس مطلق نہیں
کیا ہوس اوس چیز کی جس پر کہ بس مطلق نہیں

اے صبا یاروں سے کہہ جاکر جہاں آباد میں
تم تو بھولے ہو یہ نامی ہے تمھاری یاد میں

جب نہ تب لڑنے ہی کو طیار ہو
خوش رہو صاحب اگر بیزار ہو

سچ بتاؤ مجھے تم اے آنکھو
آج یہ انتظار کس کا ہے
مجھ کو کہتے ہو بدشعار ہے تو
روٹھ جانا شعار کس کا ہے

نزدیک رہنے سے تو ہمارے خفا نہ ہو
ہیں دور جب کہ دل سے ترے دور ہو گئے

وہ جو دشمن ہے تو دل نے بھی کنارہ چاہا
دوست بھی سچ ہے برے وقت میں ٹل جاتا ہے

نہ اپنوں سے اوسے اُلفت نہ بیگانوں سے ملتا ہے
دل وحشی کا اپنا طور دیوانوں سے ملتا ہے

حیرتی ہے چمن میں یہ کس کی
آنکھ لگتی نہیں ہے نرگس کی

اوس بیوفا کی یاد دلاتا ہے کیوں مجھے
اے دل ترا برا ہو ستاتا ہے کیوں مجھے

نامی

مرزا غلام مہدی عرف اورنگ بخت گورگانی خلف مرزا حسین بخش مرحوم از اولاد عالمگیر ثانی ۔ استعداد علمی بہت معقول ہے اور مرزا

صابر مرحوم کے تلامذہ میں سے ہیں - پچاس سال کے قریب عمر ہے اور دہلی میں سکونت ہے -

شہید ناز کو قاتل رہے گا یاد تا محشر
نہ بھولے گا مزا ہرگز تری شمشیر براں کا

تصور میں دلا اوس کے تماشہ یہ لیا دیکھا
بتوں کی بندگی میں ظاہرا نور خدا دیکھا
وہی ہے تشنگی الفت کی بعد مرگ بھی قاتل
ترے آب دم شمشیر کو آب بقا سمجھا
دل انسان اے نامی خدا کا خاص مسکن ہے
نہ ہو سوز نہاں جس میں چراغ اوس کا بجھا دیکھا

تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم
حق کی صورت کو دیکھتے ہیں ہم
دل کو دیکھو گیا ہے زلفوں میں
اس کی شامت کو دیکھتے ہیں ہم
ہاں درد نالۂ فلک فرسا
تیری طاقت کو دیکھتے ہیں ہم

ہے وہاں مشق ستم اور یہاں ضبط بکا
اون سا ظالم نہیں اور مجھ سا وفادار نہیں
قتل کیوں کرتی ہیں اوس کی نگۂ قہر آلود
کچھ وہ خنجر نہیں ، نیزہ نہیں تلوار نہیں
ایک بوسہ پہ یہ حجت ہے خدا سے ڈریئے
مانگتا آپ سے بندہ کوئی دو چار نہیں

دکھلاتے ہو تبسم لعلِ نمک افشاں
اچھا نمک ملا مرے دل کے کباب میں
اُن کو رنگیں کہ ملتے کسی رنگ میں نہیں
عامہ شیخ جی کا ڈبولیں شراب میں
کہتا تھا بات کان میں بوسہ بھی لے لیا
رہتی نہیں تمیز مجھے اضطراب میں
نامی ہمیں کشاکش گیسو کا کیا گلہ
خود ہم نے دل کو ڈال دیا پیچ و تاب میں

مزا آتا ہے جب عاشق رہے ارماں ہی ارماں میں
نہیں میں جو مزا ہے وہ نہیں ظالم تری ہاں میں
تری زلفوں کے روز آتے ہیں یاں دو چار سودائی
یونہی بس رفتہ رفتہ ہو گئی بستی بیاباں میں
کہاں ہے پیرہن کاوش ہے ناحق دست وحشت کو
رہا ہے زخم دامن دار اپنے جسم عریاں میں
کسے وحشت ہے مہرِ حشر کی گرمی سے اے واعظ
شرر در سوز ہیں ایسے نالہائے آتش افشاں میں

خیال زلف و عارض میں تمھارے
کبھی کافر کبھی دیندار ہوں میں

کس قدر شوق شہادت ہے ترے نخچیر کو
وہ ہلال عید سمجھا ہے تری شمشیر کو
ہنس کے کہتے ہیں کہ مردے پر اٹھاؤں ہاتھ کیا
قبر عاشق پر جو پڑھنے کو کہیں تکبیر کو

تم نے تو اکثر کئے ہیں اس سے روزن چرخ میں
کیا ہوا نامی تمھاری آہ کی تاثیر کو

یا آپ کی نگاہ میں رنگ حجاب ہے
یا یہ نہاں نیام میں تیغ پر آب ہے
جلتا ہے غیر روز مرے سوزِ اشک سے
کافر یہ زندگی ہی میں ہوتا عذاب ہے
شاید کہ شیخ جی کا دل آیا کسی طرف
ریشِ شریف پر جو لگایا خضاب ہے
نے چرخ کا قصور نہ اوس چشم کا گناہ
گردش نصیب یہ دلِ خانہ خراب ہے

میں نے کیا آپ سے برائی کی
بس یہی نا کہ آشنائی کی

نامی

مرزا شجاع نامی گورگانی خلف مرزا داؤد شاہ نبیرہ مرزا بابر۔ قادر بخش صابر مرحوم صاحب تذکرہ گلستان سخن کے نواسے ہیں۔ ان کی حین حیات کلام بھی انہی کو دکھاتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت داغ کے شاگرد ہوئے۔ عرصہ سے رام پور میں رہتے ہیں۔ نواب وقار الامرا وزیر دکن کے عرصہ تک ہمدم و ہمراز رہے ہیں۔ نواب میر لائق علی خاں سالار جنگ ثانی کی وزارت میں ۱۸۰ ماہوار مقرر ہوئے اب دہلی میں رہتے ہیں۔

دل تھام کے بیٹھے وہ جگر تھام کے اٹھے
اتنا تو کیا ہے مرے نالوں نے اثر آج

کچھ نشہ ہے کچھ نیند ہے کچھ شرم و حیا ہے
آنکھوں سے کھلا رات کی صحبت کا اثر آج

ناوک

منشی احمد حسین صاحب مجاریہ نویس شاگرد حضرت سلام ۔

ہتوں کے دوش ہو ہاتھ لب پہ نام خدا
دم نشور اٹھیں اس طرح مزار سے ہم

نثار[۱]

عزیز اللہ خاں نام ۔ نثار تخلص ۔ ولد محمد یار خاں ۔ وطن قصبہ فیروز آباد ، ضلع آگرہ ۔ تاریخ پیدائش ۱۸۹۸ء ۔ تلمیذ حضرت بسمل بھرتپوری ۔ شروع شروع میں دست کاری کا شغل رہا ۔ اس کے بعد ملازمت کر لی ۔

جب الفت دونوں جانب ہے پڑیں کیوں ایسی الجھن میں
نہ ہم تاکیں نہ تم جھانکو لگا دو آگ چلمن میں
یہ کیا حالت ہے اے جوشِ جنوں یہ کیسی وحشت ہے
نہ صحرا مجھ کو بھاتا ہے نہ دل لگتا ہے گلشن میں
نثارِ خستہ کی اب تک سمجھ میں کچھ نہیں آیا
خدا جب ایک ہے جھگڑا ہے کیوں شیخ و برہمن میں

ماہ و خورشید نظر آتے ہیں گردن ڈالے
پھر نظر کیا کوئی سوئے رخِ روشن ڈالے
بعد مردن بھی نہ اپنا گلِ مقصود کھلا
آ کے دو پھول نہ تم نے سرِ مدفن ڈالے

---

۱ - نو موصول

نقاب اس زلف نے کیسا رخ روشن پہ ڈالا ہے
کسی کے گھر اندھیرا ہے کسی کے گھر اجالا ہے
مزے کے چٹ پٹے مضمون لکھے کس طرح کوئی
نثار آخر غزل کہنا کوئی منہ کا نوالا ہے

نثار[1]

محمد امان ابن سعادت اللہ معمار اولاد حامد استاد معمار مسجد شاہجہاں آباد ۔ شاہ حاتم سے اصلاح لیتے تھے ۔ مدت ہوئی کہ انتقال کیا ۔ صاحب دیوان گزرے ۔

اس ابر میں وہ ساقی گلفام نہ آیا
کیا یار جو یاروں کے کبھی کام نہ آیا

پوچھا جو اس نے خوش ہو کہا میں نے شکر ہے
بولا کہ ہے یہ شکر شکایت بھرا ہوا

سو بات پوچھئے تو نہ دے ایک کا جواب
کر دے تھکا تھکا کے ہمیں یونہی لاجواب

اے محتسب نظر کی تو نے اگر سبو پر
سنتا ہے مر مٹیں گے ہم اپنی آبرو پر

گردش کا اس نگاہ کی اب طور اور ہے
اے ساکنان میکدہ یہ دور اور ہے
صورت موافقت کی کبھی سوجھتی نہیں
صاحب کی وضع اور مرا طور اور ہے

---

۱ ۔ از بیاض

میں جو کہا لے گئی زلف تری دل مرا
ہنس کے کہا سب غلط اس کی بلا لے گئی

نثار

منشی سدا سکھ مرحوم خلف منشی سیتل چند منصب دار شاہی مقیم الہ آباد شاگرد مرزا رفیع السودا اُردو فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں صاحب تصنیف تھے ۔

ہمارا ہی دل جب ہمارا نہیں ہے
تو شکوہ ہمیں کچھ تمہارا نہیں ہے
لقب جس کا دل ہے وہ ہے گھر خدا کا
یہ کعبہ بتوں کا سنوارا نہیں ہے
دل و جاں و ایماں ہیں قرباں تمہارے
کوئی تم سوا ہم کو پیارا نہیں ہے
نثار ایسے ہی لوگ ہوویں گے شاید
کہ جن میں ہمارا تمہارا نہیں ہے

نثار[1]

محمد پناہ خان ولد محمد شریف خان ۔ آپ خاندان عالی سے ہیں اور ملازم شاہی ۔ خواجہ میر درد کے شاگرد ہیں ۔ یہ آپ کا کلام ہے ۔

کیا ہی اس کے بالکے ہاتھوں زخم دل ٹانکا لگا
سوئی کج ہوئی تار نے بل کھایا تب ٹانکا لگا

یہ دل کیا ہے جو تیرے قرباں جاوے
سعادت ہے اپنی اگر جان جاوے
نثار اس کے کوچہ میں پوشیدہ جانا
مبادا کوئی تجھ کو پہچان جاوے

---

۱ ۔ از تذکرہ شوق ۔

زاہد تو کہے ہے زہد کوشی کیجیے
مے خوار کہے ہے بادہ نوشی کیجیے
پر ہم سے جو پوچھے ہے تو دونوں سے نثار
بہتر ہے یہی کہ عیب پوشی کیجیے

اس شوخ سے نہ کر اظہار غم اے دل
بیزار جو وہ تجھ سے ہے مل کم اے دل
اپنی خواہش اٹھا دے یکسر جی سے
خاطر کو اسی کی رکھ مقدم اے دل

نثار

میر عبدالرسول صاحب نثار سیادت و نجابت اطوار متوطن اکبرآباد ۔ میر تقی میر سے تلمذ تھا ۔ آپ سنجیدہ و فہمیدہ اور حسن خلق سے آراستہ و پیراستہ تھے ۔ یہ کلام ان کا ہے :

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ہم
یہ گریباں دامنِ صحرا کو دکھلاویں گے ہم

قاتل جو قتل کیجو سسکتا نہ چھوڑیو
خنجر تجھے قسم ہے کہ تو منہ نہ موڑیو

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

نثار

محمد نثار حسین صاحب نثار مالک قومی پریس مہتمم پیام یار و کارخانہ عطر لکھنو ۔ زبان اردو کا سب سے پرانا رسالہ انہیں کے اہتمام سے

شائع ہوتا ہے ۱۸۸۳ء سے پیام یار کا اجرا شروع ہوا - یہ اشعار ان کی تصنیف سے ہیں :

توبہ کر کے میکشی کا مشغلہ جاتا رہا
سچ تو یہ ہے زندگانی کا مزا جاتا رہا

یوں بھی ہزاروں لاکھوں میں تم انتخاب ہو
پورا کرو سوال تو پھر لاجواب ہو
زاہد حرم میں رند خرابات میں ہے مست
دونوں میں کس کی دیکھئے مٹی خراب ہو

کوئی نام لیتا نہیں آسماں کا
جدھر جاؤ ان کا گلہ ہو رہا ہے

دیکھنے کو بھی وہ آئے تو نہ پوچھا کیا ہے
منہ سے اتنا نہ کہا حال تمہارا کیا ہے

نجم

مولوی انعام‌اللہ نجم شاگرد میر وزیر علی صاحب مرحوم صبا لکھنوی :

غضب کی بے نیازی ہے نہیں کچھ بولتے منہ سے
یہ بت اللہ اکبر کس قدر مغرور ہوتے ہیں
چڑھا دے دار پر جو چاہے کچھ پروا نہیں ہم کو
انا الحق کہہ کے ہم بھی پیرو منصور ہوتے ہیں

سبزہ ہو باغ ہو وہ صنم ہو شراب ہو
پھر کیوں نہ دل رقیب کا جل کر کباب ہو

دو دفن کا بھی حکم کیا ہے مجھے جو قتل
مٹی مری عزیز ہو تم کو ثواب ہو
غش ہوں فرشتے حوروں کو سودا ضرور ہو
مکھڑے سے تیرے دور جو دم بھر نقاب ہو

تاج و نگیں نہ دے نہ مجھے ملک و مال دے
اللہ ایک حور عدیم المثال دے
حوریں بٹھالیں آنکھوں پہ مجھ ناتوان کو
دل میں جگہ جو اپنے وہ صاحب جمال دے

غبار قیس سے کہتی ہے حسرت دست بوسی کی
کبھی تو دست لیلیٰ پردہ محمل سے نکلے گا
گلا منظور کٹوانا ہے ان کے دست نازک سے
ذرا سا کام ہے لیکن بڑی مشکل سے نکلے گا
تہ و بالا کبھی تو بزم دشمن ہو ہی جائے گی
قیامت زا کوئی نالہ تو میرے دل سے نکلے گا
مجھے بھی آئیں گے خنجر کے نیچے نیند کے جھونکے
اگر جھونکا ہوا کا دامن قاتل سے نکلے گا
نظر آئیں گے چھالے مثل انجم دل میں گردوں کے
کہ جس دن نالۂ پرسوز کوئی دل سے نکلے گا
بنایا خوگر آزار تجھ کو نجم قسمت نے
بھلا پھر شکوہ احباب کیوں کر دل سے نکلے گا[1]

نجم

شاہزادہ میرزا محمد انجم قدر بہادر نجم خلف جناب میرزا محمد عزیزالقدر بہادر شاہزادہ دہلی :

---

۱ - عطر فتنہ

شکستہ دل بھی اپنا دے دیا اس شاہ خوباں کو
یہی اک ٹھیکرا تھا یہ بھی کھو بیٹھے گدائی میں

رہ کے پہلو میں ہوا دشمن جاں دل سا رفیق
اب زمانے میں کرے کس پہ بھروسا کوئی
حسن کی بھی تو نہیں قدر جہاں میں ہوتی
ہائے جب تک کہ نہ ہو دیکھنے والا کوئی
سینکڑوں کشتہ شمشیر ستم عاشق ہوں
ابھی ہو جائے جو ابرو کا اشارہ کوئی
جان کیوں دیجیے الفت میں کسی کی نجم
مول لیتا نہیں سر بیچ کے سودا کوئی

نجم

میر نجم الدین ولد میر قمرالدین دہلوی مرحوم۔ صاحب دیوان تھے۔

نظروں نظروں میں ہو گیا غائب
ہوگیا طرفہ ماجرا دل کا
نجم کیوں اتنی بے قراری ہے
تو ذرا کہہ تو ماجرا دل کا

تری چشم خمار آلودہ کی مانند اے ساقی
اگرچہ مست ہوں لیکن بہت ہشیار پھرتا ہوں

یہاں جو آیا ہوں تو شاید مری موت آئی ہے
ترے کوچے میں مگر مجھ کو قضا لائی ہے

نجم

نواب محمد عابد علی خان صاحب شاگرد ثروت ۔

لا کے اس دلبر کو کیونکر اپنے پہلو میں بٹھالیں
کس طرح پوری تری ضد اے دل نادان کریں
سن کے آمد کی خبر ایسی ہے اللہ رے خوشی
ذہن میں اپنے نہیں آتا ہے کیا سامان کریں

نجم

سید نجم الدین علی خان خلف حکیم ابو سعید خان ۔ ضلع جھانسی میں محکمہ پولیس میں ملازم تھے ۔

جو درد کہ سر میں ہے وہ سر جائے تو جائے
یہ بارگراں تن سے اتر جائے تو جائے
مقتل سے ابھی جائے نہ جلاد سے کہہ دو
ہم پر بھی کوئی وار وہ کر جائے تو جائے
عیسیٰ سے دوا عشق کی ہرگز نہیں ہوتی
یہ مرض ہے وہ جب کوئی مرجائے تو جائے

نجم

کنور کامتا پرشاد صاحب ۔

بہت نازک ہے میرا شیشۂ دل
گرے یارب نہ اس بت کی نظر سے

نجم

سید نجم الدین احمد تحصیل دار ضلع فرخ آباد متوطن دہلی

سنا ہے اٹھ گیا دنیا سے وہ آج
گرایا کل جسے تم نے نظر سے

کسے ہے نجم دل دینے میں انکار
وہ مانگیں تو تلطف کی نظر سے

نجیب

عالی جناب سرجیت پرتاب بہادر ساہی صاحب راجہ تمکوہی ضلع گورکھپور شاگرد وسیم[1] ۔

شمع کا سوز محبت اور ہے
چھپکے جل جانے میں لذت اور ہے
ہے بیان درد مشکل ضعف میں
وہ نہیں سنتے یہ آفت اور ہے

کسی کے ملنے کی آرزو پھر جگر میں لیتی ہے چٹکیاں اب
کسی کا شوق وصال دل کو ہمارے پھر گد گدا رہا ہے
جو بس میں ہوتا مرے یہ ظالم تو چاہتا کیوں کسی حسیں کو
کسی سے مجھ کو گلہ نہیں ہے یہ دل ہی مجھ کو ستا رہا ہے
نگاہ اٹھاتے ہیں جس طرف ہم اسی کے جلوہ کو دیکھتے ہیں
وہی بسا ہے ہمارے دل میں وہی نظر میں سما رہا ہے
کہو یہ محشر سے اے فرشتو نہ جانے سونے بھی دے لحد میں
کبھی نہ اٹھیں گے ان کے کشتے یہ شور ناحق مچا رہا ہے
جو موت آئی امید ٹوٹی جو وہ نہ آئے تو جان نکلی
کسی کے آنے کا مرتے دم تک نجیب کو آسرا رہا ہے

---

۱ - از گلچیں نمبر ۳ -

ہر دم انہیں کی یاد انہیں کا خیال ہے
آنکھوں سے گو جدا ہیں وہ دل سے جدا نہیں

یہ داغ دل نے کہا میں عزیز دل جو نہیں
تو لوگ رکھتے ہیں چھاتی سے کیوں لگا کے مجھے
رہا نہ دل بھی سلامت طریق الفت میں
مٹانے والا مٹا آپ بھی مٹا کے مجھے

عدم کا قصد سر پر بار عصیاں
اندھیری رات اور منزل کڑی ہے

ہوگا جو سامنا نگہہ شوخ یار سے
چوٹیں چلیں گی خوب دل بے قرار سے

ندرت[1]

نذیر احمد نام ۔ ندرت تخلص ۔ مولد و مسکن کانپور ۔ سال پیدائش ۱۹۰۳ء مذہباً سنی حنفی ۔ علوم رسمیہ کی تحصیل و تکمیل گھر میں کی ۔ کچھ عرصہ گورنمنٹ ہائی اسکول اورئی میں تعلیم حاصل کی ۔ اردو اور فارسی سے خاصا ذوق ہے ۔ نہایت خلیق متواضع اور منکسرالمزاج واقع ہوئے ہیں ۔ جناب سخا شاہجہانپوری یادگار جناب طاہر فرخ‌آبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا ۔ خم خانہ جاوید جلد چہارم میں جناب سخا کو ناطق لکھنوی کا شاگرد بتایا گیا ہے جو درست نہیں ۔

آپ کا کلام رنگین ، جذبات پاکیزہ ، تخیل بلند ، مضامین دلکش اور بندش چست ہوتی ہے ۔ غزل خوانی کا انداز خاص ہے ۔ جس مشاعرہ میں

---

۱ ۔ لوموصول ۔

پڑھتے ہیں ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان تمام خوبیوں کے ہوتے ہوئے کبھی اپنے کلام پر ناز نہیں کیا۔ نہ شاعرانہ رعونت پائی جاتی ہے۔ جامِ جہاں نما لکھنؤ ماہ فروری و مارچ ۱۹۲۹ء میں آپ کا تذکرہ شائع ہو چکا ہے۔ اکثر مقامی ہم عصر آپ کے کلام کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ غزل کے علاوہ نظم بھی کہتے ہیں۔ نمونۂ کلام پیش خدمت ہے۔

رنگِ رخ بدلا ہوا ہے اور میں خاموش ہوں
درد کا اظہار بھی ہے ضبط کے انداز میں
رفتہ رفتہ ہو گئی بیتابی دل کامیاب
حسن کو دیکھا ہے میں نے عشق کے انداز میں

آ رہی ہے حرم و دیر سے اُس کی آواز
اب مجھے چاہیے کس سمت کو سجدہ کرنا
اُس کی ان مصلحت آمیز اداؤں کے نثار
جلوہ آرا کبھی ہونا کبھی پردا کرنا

ایک عالم میں نہ گزری ترے دیوانوں کی
سرخیاں روز بدلتی رہیں افسانوں کی
وحشتِ عشق کا اب عام زبانوں پہ ہے ذکر
اس فسانے کو ضرورت نہیں عنوانوں کی
حسن نے خود مجھے تعلیمِ محبت دی تھی
میر ہستی ہے بنا عشق کے افسانوں کی
اصل میں اب مجھے عرفانِ جنوں ہے ندرت
دل کے ہر گوشے میں وسعت ہے بیابانوں کی

آج نظریں اٹھ گئیں اُس کی طرف بے اختیار
اضطرابِ دید تو نے کر دیا رسوا مجھے
مشربِ منصور سے ہے عشق کا مسلک جدا
درد دینا اے خدا تو ظرف بھی دینا مجھے
سازِ ہستی کی صدائیں اس قدر دلکش کہاں
ہر نفس پر ہے تری آواز کا دھوکا مجھے
پیکرِ ہستی میں ندرت پھونک دی اک روحِ عشق
اُس نے اس انداز سے روزِ ازل دیکھا مجھے

حرم و دیر کا پابند نہ کر شوقِ سجود
یہ تو سجدہ نہیں توہینِ جبیں سائی ہے
سرد آہوں سے نہ کر لے کوئی اندازۂ غم
سانس لینے میں بھی اندیشۂ رسوائی ہے
بے نقاب اُس کو سرِ حشر جو دیکھا ندرت
یاد آیا کہ مری اس سے شناسائی ہے

ہمہ تن محو کوئی لذتِ تقریر میں ہے
دل کی جو بات ہے ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے
اس سے ملنے کی بھی ندرت نکل آئے گی سبیل
سعیٔ ناکام ابھی منزلِ تدبیر میں ہے

جناب حاجی سید شاہ نذرالرحمن صاحب عظیم آبادی[1] ۔
ہزار شکر اسی کا یہ دل نشانہ ہوا
خراب جس کے اشارے سے اک زمانہ ہوا

---

[1] از اردوئے معلی ۔

دکھائیں خوب سی نیرنگیاں دو عالم کی
نگاہِ یار کا ممنون اک زمانہ ہوا
نگاہِ یار کا مجھ سے نہ پوچھیے عالم
کہ اس کے سامنے جو آ گیا نشانہ ہوا
اب اور کیا کہوں صیاد مختصر یہ ہے
سبب قفس میں پھونچنے کا آب و دانہ ہوا
بہار آئی تو اگلے گلوں کی یاد آئی
بلا نصیبوں کو رونے کا اک بہانہ ہوا
بگڑ کے تیری محبت میں بن گیا ہے دل
لٹا تو اور بھی انمول یہ خزانہ ہوا
غرض بھلوں سے نہ مطلب بروں سے ہے اسکو
الگ سبھوں سے ہوا جو ترا دوانہ ہوا

نذر

مولوی محمد نذیر رام پوری ۔

نزہت

رفیع الدرجات

نساخ

مولوی عبدالغفور خان بہادر مرحوم ۔ رئیس کلکتہ ۔

مولوی عبدالغفور خاں بہادر متخلص بہ نساخ کا سلسلہ نسب حضرت خالد بن ولید تک پہنچتا ہے ۔ سنہ ولادت آپ کا ۱۲۲۹ ھجری قدسی ہے ۔ بنگالہ کے نامور رئیس تھے ۔ ان کا خاندان علم میں عزت میں جاہوچشم میں امتیاز خاص رکھتا ہے ۔ ان کے برادر معظم نواب عبدالطیف خان بہادر سی ۔ آئی ۔ ای مرحوم کی ذات پر کلکتے کو ہزارہا ناز تھے ۔ خاندانی اعزاز اور نیز نساخ کی ذاتی قابلیت پر نظر کر کے سرکار نے ان کو ڈپٹی مجسٹریٹی کے عہدے پر سرفراز کیا تھا ۔ فارغ البالی سے گذران

ہوتی تھی - علمی مشاغل میں اوقات صرف کرتے تھے - عربی کی استعداد بہت اچھی تھی - فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے - زبانِ اردو میں بڑی قدرت پیدا کی تھی - حالانکہ وطن اُن کا فریدپور تھا - جہاں کی زبان کو اُردو سے کوئی مناسبت نہیں - شعر و سخن سے بیحد شوق رکھتے تھے - سخن فہمی میں طاق تھے - علم نجوم و فن رمل میں کمال حاصل تھا - حافظ رشیدالنبی مرحوم رامپوری متخلص بہ وحشت سے تلمذ رکھتے تھے - ۱۳۰۳ھ میں عمر ۲۷ سال تھی - چندے حافظ اکرام احمد متخلص بہ ضیغم راسپوری سے فیض حاصل کیا - ہندوستان کے اکثر مقامات کی سیر کی اور مشاہیر عصر کے روشناس ہوئے - غالب - آزردہ - شیفتہ اور دیگر اربابِ کمال کی صحبت پائی - مجموعہ اردوئے معلیٰ میں غالب کا خط ان کے نام موجود ہے - بڑے صاحبِ خلق اور نیک نیت تھے - احکام مذہب کے سخت پابند . شریف‌النفس اور والا نظر - فیاضی کا یہ حال کہ شاعر کو قصیدہ کے صلہ میں پانسو روپے تک دیے ہیں - حالانکہ خود تنخواہ ان کی اسی قدر تھی - کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا - زرِ کثیر صرف کرتے تھے - دواوین کا نہایت بیش قیمت ذخیرہ فراہم کیا تھا - نادر و نایاب کتابیں موجود تھیں - ”سخن شعرا“ اون کی تالیف دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے - کتنے دواوین ان کی نظر سے گزرے ہیں - افسوس کہ ان کا بیمثل کتب خانہ اون کی وفات کے بعد منتشر ہو گیا - ”سخن شعرا“ نساخ مرحوم کی بہترین یادگار ہے - راقم سطور کے خیال میں یہ تذکرہ بہ لحاظ جامعیت کے کل اُردو تذکروں پر سبقت لے گیا ہے - ۲۰۸۳ شاعروں کا ذکر ہے - کلام کا انتخاب نہایت عمدہ ہے اور رائے بیباکانہ ظاہر کی گئی ہے - بنگالہ اور بہار میں ان کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد تھی - مولوی عصمت‌اللہ نسخ مرحوم متوطن ہوگلی مقیم کلکتہ ان شاگرد رشید تھے . ان کا دیوان راقم کی نظر سے گزرا ہے - کلام لکھنؤ کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے - مگر اوستادانہ پہلو لیے ہوئے - زبان شستہ بندشیں چست مضامین بلند مرصع غزلیں کہی ہیں حافظ مولوی عبدالمجید

صاحب حمید سلمہ اللہ تعالٰی باشندہ کلکتہ بھی نساخ مرحوم کے تلامذہ میں یگانہ ہیں۔

نساخ مرحوم کی تصنیف سے چار دیوان یادگار ہیں۔ دفتر بیمثال۔ اشعار نساخ۔ ارمغان۔ ارمغانی پہلے دو دیوانوں میں لکھنوی شاعری کا رنگ ہے۔ آخر آخر دہلی کا رنگ غالب آ گیا۔ عیوب شاعری سے ان کا کلام اکثر پاک ہوتا ہے۔ پاکیزہ اور پرلطف و پرمضمون اشعار کی دیوان میں کمی نہیں ہے لکھنؤ کا رنگ چونکہ مزے سے خالی ہے اس لئے باوجود بلندی فکر کے،اکثر اشعار بے نمک ہیں۔ حسرت موہانی نے ناسخ مرحوم کے دیوان کی نسبت سچ کہا ہے "کہ یہ ایک گلدستہ ضرور ہے مگر کاغذی پہلوان کا" اسی طرح بیشتر حصہ نساخ کے کلام کا بھی مصنوعی رنگینی کا ممنون ہے۔ با ایں ہمہ ان کی اُستادی میں کلام نہیں۔۔ صنائع اور بدایع کی طرف ان کی طبعیت مایل رہتی تھی۔ چنانچہ نواب صدیق حسن مرحوم نے اپنے تدکرہ شمع انجمن میں ان کے ایک مطلع کا ذکر کیا ہے جو بیس مختلف طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے۔ وھوا ہذا۔

بازوے او شاخِ سمن مژگان او تیغ قضا
گیسوئے او مشکِ ختن مژگانِ او تیرِ جفا

نساخ نیک باطن آدمی تھے۔ دبیر اور انیس لکھنؤی کے مرثیوں میں انھوں نے بہت سی غلطیاں نکالیں۔ لیکن انھوں نے جو اعتراضات اہل لکھنؤ کے کلام پر کیے حصول شہرت یا بدنفسی سے نہیں کیے ہیں۔ بلکہ اہل لکھنؤ کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آ کر اور کچھ طبع تدقیق پسند کی ولولہ انگیزیوں سے۔ لیکن اوس کا انجام اچھا نہ ہوا۔ چاروں طرف سے شکایتیں ہونے لگیں۔ ان کے بھی کلام پر مخالفین نے اعتراضات کیے۔ بقول ذوق۔

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

اعتراضات کے موجب ہم دیکھتے ہیں تو نساخ کی تحقیق پر بے اختیار دل سے آفرین نکلتی ہے ۔ وسعتِ نظر ، نکتہ فہمی ، استعداد علمی کس کس کی داد دیجئے ۔ قریب قریب جملہ اعتراضات بجا اور بر محل ہیں ۔ نساخ کے شاگرد کے نام سے ایک ماہواری رسالہ موسوم بہ "طومار اغلاط" منسوب ہے ۔ اس میں ناسخِ آتش ۔ وزیر ۔ صبا اور امیر سب کے کلام پر اعتراضات ہیں ۔ ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں اور ایسے ہیں کہ جن کا جواب دینا مشکل ہے سنا جاتا ہے کہ یہ بھی نساخ ہی کے ہتھکنڈے ہیں ۔ واللہ اعلم ۔ خیر اس جملہ معترضہ سے قطع نظر اب ان کے کلام کا انتخاب ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ۔

کلام نساخ

موم دل جو ہے ستاتا ہے اُسے ہر سنگ دل
شمع کا سر کاٹنا اک کھیل ہے گل گیر کا

کثرت عشاق نے پردے میں بٹھلایا تمھیں
یہ نگاہوں کا ہجوم ایمان چلمن ہوگیا

یہ کہوں کیونکر کہ غافل ہیں وہ میرے حال سے
رات دن تو ہے خیال اُن کو مرے آزار کا

جو ہیں عالی منزلت ہے خود بخود ان کو فروغ
مہرومہ کا چرخ پر جلتا ہے بے روغن چراغ

تم سے ہوا نہ دردِ دل زار کا علاج
پھر کون سے مرض کی بتا دو دوا ہو تم

اُمید وصل و بیم ہجر میں بس دن گزرتے ہیں
عجب کچھ زیست ہے اپنی نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

بزم میں رات کو غیروں سے اشارے دیکھے
دیدۂ یار کرشمے ترے سارے دیکھے

مسجد میں گر گزر نہ ہوا دیر ہی سہی
بیکار بیٹھے کیوں رہیں اک سیر ہی سہی

رات ہجراں کی ہے اور کوئی بھی غم خوار نہیں
کاش ناصح ہی چلا آئے اگر یار نہیں
واہ کس دھوم سے الٰہی ترے کشتہ کی نعش
نوحہ گر کوئی نہیں کوئی عزادار نہیں
ایک ویرانے کی تصویر ہے اللہ اللہ
گھر وہ میرا ہے کہ جس میں در و دیوار نہیں

میں عدم میں تھا زندۂ جاوید
مجھ کو میرے ظہور نے مارا

آج آہوں کی صدا آتی نہیں
مر گیا شب کو ترا بیمار کیا
اُن کے ہاتھوں سے سبھی پیتے ہیں مے
محتسب کیا ، رند کیا ، میخوار کیا

دشمن جانی ہے جس کو دیکھئے
آسماں کیا بخت کیا دلدار کیا

کہتے ہیں رات مر گیا نساخ مے پرست
ویران آج خانۂ خمار ہوگیا
سن کر نہ کیوں عجب ہو بتان زمانہ کو
نساخ بت پرست بھی دیندار ہوگیا

نازاں نہ ہوں کیوں خضر بھلا عمر پہ اپنی
حضرت نے تری زلف رسا کو نہیں دیکھا
پردے سے نکلتے نہیں اور کہتے ہیں مجھ سے
پہچانو گے کیا ہم کو خدا کو نہیں دیکھا

خیال آنے لگا ہے پھر کسی زلف پریشاں کا
خدا حافظ ہے اے نساخ داماں و گریباں کا
لیا ایماں سب کا اس بت غارت گر دیں نے
مجوسی کا، یہودی کا، نصاریٰ کا، مسلماں کا

سوز دروں کو آخر ہجراں میں کیا ہوا تھا
آہوں نے کیوں کمی کی گر نالہ نارسا تھا
ہر کام حسب خواہش ہوتا تھا وہ بھی دن تھے
طوفان نوح میری کشتی کا نا خدا تھا
لاشے پہ میرے آ کر اللہ رے تجاہل
لوگوں سے پوچھتے ہیں وہ اس کو کیا ہوا تھا

نسیم

جناب نواب اصغرعلی خاں صاحب ۔ نسیم دہلوی ۔ حضرت مومن خاں مومن کے شاگرد ہیں ۔

نواب اصغر علی خاں خلف نواب آقا علی خاں دہلوی عالدین دہلی میں سے تھے ۔ حکیم مومن خاں مومن کے سب سے بہتر شاگرد تھے ۔ چنانچہ قیام دہلی کے زمانے میں اُن کے ہاں جو مشاعرہ ہوتا تھا اُس میں مومن خاں بھی برابر شریک ہوتے تھے، اور اُس زمانے میں یہ اصغر تخلص کرتے تھے ۔ مرزا نسیم اور اُن کے برادرِ بزرگ اکبر علی خاں اپنے دو اور بھائیوں احمد حسین خاں اور محمد حسین خاں سے ناراض ہو کر ۱۲۶۶ھ میں لکھنؤ چلے گئے تھے ۔ اور پھر باقی حصہ وہیں بسر کیا ۔ مرزا اکبر علی خاں اول درجے کے خوش نویس اور نہایت باوضع شخص تھے ۔ لکھنؤ کے دستور کے موافق مکان کے اندر غرق باندھے بیٹھے رہا کرتے تھے لیکن جب کوئی شخص ملنے آتا تھا تو نہایت ٗپرتکلف پوشاک زیب تن کر کے ملاقات کو نکلتے تھے ۔

دوات قلم کبھی اپنے پاس نہ رہتا تھا اور اکثر غزلیں موزوں کرنے کے بعد قریب کے ایک مکتب میں ردی کاغذ پر طالب علموں کے موٹے قلموں سے لکھ کر بے احتیاطی کے ساتھ ڈال دیتے تھے ۔ اس صورت میں دیوان کے فراہم ہونے کی کیا صورت ہو سکتی تھی ۔ موجودہ دیوان کا جو اُن کے بعد چھاپا گیا قصہ اس طرح پر ہے کہ عبدالواحد خاں خلف مصطفیٰ خاں صاحب مالک مطبع مصطفائی اُن کے قدر دان شاگرد تھے ۔ اُنھوں نے اُستاد کی لاپروائی دیکھ کر بطورِ خود جو کچھ رطب و یابس کلام مل سکا جمع کرنا شروع کیا اور چند روز کے بعد ایک بیاض کی صورت میں مرزا صاحب کے سامنے پیش کیا ۔ حضرت نے اُسے زیادہ تر اپنے معمولی اور کمزور کلام کا مجموعہ پا کر "سب غلط" کے ریمارک کے

ساتھ مسترد کر دیا ۔ لیکن اُن کے بعد دلدادگانِ سخن نے اُسی کو غنیمت سمجھا اور وہ نامنظور کلام بھی مطبوعِ اہلِ بینش قرار پایا اور اپنے رنگ سب سے نرالا ٹھہرا ۔

مرزا ایک آزاد مزاج اور رند مشرب شخص تھے لیکن باوجود رندانہ مزاجی بزرگوں سے عموماً اور اپنے بڑے بھائی سے خصوصاً اُن کا برتاؤ نہایت مودبانہ ہوتا تھا ۔ وہ اپنے شاگردوں کی خاطر بھی حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے ۔ یہاں تک کہ احیاناً اگر اُن میں کوئی بیمار ہوجاتا تھا تو اُس کی مزاج پرسی کو جایا کرتے تھے ۔ تلاوت قرآن روز ہوتی تھی لیکن صرف چند آیتوں پر اکتفا کرتے تھے ۔ آخر زمانے میں صوم و صلوٰۃ کے بہت پابند ہو گئے تھے ۔ کبھی کبھی نماز کا وقت تنگ ہو جاتا تھا اور یہ اپنے رومال پر نماز پڑھنے کوڑے ہو جایا کرتے تھے ۔ رومال ناکافی ہوتا تو فرمایا کرتے تھے کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ نسیم کے پاس یہی ایک رومال ہے ۔

نسیم کی رحمدلی اور فیاضی کی کیفیت بھی سننے کے قابل ہے ۔ مرزا صاحب اکثر ملاقات احباب کے لیے منشی امیر اللہ تسلیم کو ہمراہ لے کر چوک سے نکلا کرتے تھے ۔ لیکن اتفاق سے دو ایک بار ایسا ہوا کہ خلاف معمول شاہراہ کو چھوڑ کر بیچ بیچ گلیوں کا راستہ اختیار کیا گیا اور اُستاد تسلیم نے جب اس کا سبب دریافت کیا تو بڑے اصرار کے بعد فرمایا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ میری جیب کئی روز سے خالی ہے ۔ پھر تم ہی کہو کہ میں بازار سے ہو کر کس طرح نکلتا اور راہ میں اگر کوئی غریب مجھ سے سوال کر بیٹھتا تو میں اُس کو کیا جواب دیتا ۔

(لطیفہ) نسیم کے صاحب زادے حسین بیگ عرف مرزا حسن کی طبیعت شوق علم سے بالکل بیگانہ واقع ہوئی تھی ۔ لوگ اُن کی تعلیم کے متعلق اصرار کرتے تھے لیکن مرزا اُن کی بد شوقی کے باعث زیادہ تنبیہ

نہ کرتے تھے ۔ یہ سب کچھ تھا لیکن باوجود کم علمی مرزا حسن شعر موزوں کہنے سے عاری نہ تھے ۔ ایک روز ایک صاحب نے مرزا نسیم سے ان کی موزونیٔ طبع کی تعریف کی اور ساتھ ہی اظہار تعجب بھی کیا ۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس میں حیرت کی کیا بات ہے ۔ حسین بیگ تو آخر میرا بیٹا ہے ۔ میں جب پیشاب کرتا ہوں تو اُس کی دھار بھی موزوں گرتی ہے ۔ مومن خاں مرحوم نے ایک بیاض میں کتاب عروض مصنفہ عرفی کے علاوہ اپنے انداز شاعری کے خاص خاص نکات درج کیے تھے ۔ اور اُس بیاض کو ہمیشہ اپنے سرھانے تکیہ کے نیچے احتیاط سے رکھتے تھے ۔ مرزا نسیم نے چوری سے اُس کی نقل حاصل کر لی تھی اور بعد ازاں عذر خواہ ہو کر اس بیاض کا خاص طور پر درس بھی لیا تھا ۔ اوستاذی منشی امیر اللہ تسلیم فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا اس بیاض کے دیکھنے کی اجازت طلب کی ۔ لیکن میری درخواست منظور نہ ہوئی ۔ ہر بار حضرت نسیم یہی فرماتے تھے کہ پہلے لیاقت پیدا کرو پھر یہ تمھارے ہی لیے ہے ۔

افسوس کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد پھر اس بیاض کا کچھ حال معلوم نہ ہوا ۔

مرزا نسیم کے کمالِ شاعری اور استادی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ دہلوی ہونے اور اپنے خاص رنگ پر قائم رہنے کے باوجود لکھنؤ میں اور اس لکھنؤ میں جہاں ناسخ اور آتش کے دعوایٔ استادی کے سامنے خود وہیں کے دیگر اساتذہ نے سپر ڈال دی تھی ۔ اس یگانۂ عہد نے اپنے شاگردوں اور مداحوں کا ایک معقول گروہ پیدا کر لیا ۔ جن میں سے عبداللہ خاں مہر ۔ اشرف علی اشرف اور منشی امیراللہ تسلیم کا نام دلہائے شاعری میں ہمیشہ یاد رہے گا ۔

فطری بے پروائی کی بنا پر مرزا صاحب کی اکثر غزلیں مختصر ہوا کرتی تھیں ۔ ایک دن عبداللہ خاں مہر نے کہ استادکی خدمت میں کسی قدر

گستاخ بھی تھے - ازراہ شوخی "جبیں آیا" "یقیں آیا" کے ردیف قافیہ میں اپنا ۲۲ شعر کا ایک سہ غزلہ پیش کیا اور بطرزِ شایستہ استاد کی کم گوئی پر اعتراض کیا - مرزا ان کی گفتگو سن کر مسکرائے اور دوسرے وقت اسی زمین میں ستر اشعار کا ایک پنج غزلہ سنایا جس میں چالیس شعروں کی دو غزلیں مطبوعہ دیوان میں بھی موجود ہیں - غزل کے آخر کے مقطع :

"نسیم اسی غزل لکھی کرامت جس سے پیدا ہے
ہوئے شرمندہ حاسد منکروں کو اب یقیں آیا"

میں مہر کی شرارت شاگردانہ کے جواب میں اُن کو منکر کہہ کر شرمندہ کیا ہے -

منشی نول کشور کا نام بھی خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ یادگار رہے گا - مرزا صاحب نے بھی منشی صاحب ہی کی خواہش سے "الف لیلہ" کو نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن ابھی پہلا ہی دفتر ختم ہوا تھا کہ منشی صاحب کی جانب سے کتاب کو جلد ختم کرنے کا اصرار ہوا -

مرزا صاحب کو یہ امر ناگوار ہوا اور انھوں نے اس شعر پر دفتر اول کو ختم کر کے چھوڑ دیا :

لکھا یاں تک نسیم دہلوی نے
لکھا آگے طوطا رام جی نے

اسی زمانے میں منشی صاحب نے ایک گلدستہ نکالنا شروع کیا تھا۔ جس میں ماہوار مشاعرہ کی غزلیں شائع ہوا کرتی تویں ایک ماہ اتفاق سے مشاعرہ نہ ہوا اور غزلیں مہیا نہ ہو سکیں - جب اشاعت گلدستہ کا وقت آیا تو مرزا صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا کرنا چاہیے - آپ نے کہا شام کو غزلیں مرتب ہو جائیں گی - چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شام کو طرح گلدستہ یعنی "پیکاں کیا کیا" "مہماں کیا کیا" کی ردیف قافیہ میں

مرزا صاحب نے اپنے تمام شاگردوں کے نام سے غزلیں کہہ کر گلدستہ پورا کر دیا ۔ کسی گلدستہ میں نسیم کی ایک غزل دیکھ کر مرزا غالب نے منشی نولکشور سے ان کا حال دریافت کیا اور ان کی چند دیگر غزلوں کا شوق ظاہر کیا ۔ منشی صاحب نے ان سے بدقت تمام سب حال پوچھ کر لکھا اور غزلیں بھی بھیجیں غالب نے جواب میں اپنی کمال پسندیدگی کا اظہار کیا اور ان کا دہلوی ہونا دریافت کر کے لکھا "کہربا جستم و عقیق یافتم" غالب کے ذکر کے ساتھ مرزا نسیم کے مزاج کی ایک اور خصوصیت بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ جس طرح غالب کو شرکت عوام سے حد درجہ انکار تھا اسی طرح نسیم کو بھی اپنی روش خاص کا اس قدر لحاظ تھا کہ بعض امور میں ان کا طرز عمل لوگوں کو حیرت انگیز معلوم ہوگا مثلاً معاملہ مذہب میں ۔ نسیم ابتدا میں شیعہ تھے لیکن لکھنو میں آ کر جب اس مذہب کو مجموعۂ بدعات عوام پایا تو مذہب اہل سنت اختیار کیا اور پھر اس پر آخر وقت تک قائم رہے اور شاعری میں بھی رعایات لفظی کی وبائے عوام سے بالکل متاثر نہ ہوئے اور نہ صرف اپنے کلام کو اس عیب سے حیرت انگیز طور پر پاک رکھا بلکہ بہت سے باشندگان لکھنو کے مذاق کو تبدیل کرنے میں بھی کامیاب ہوئے ۔

شاعرانہ خصوصیات :

دل فریبیٔ خیال اور رنگینیٔ بیان شاعری کے دو خاص جوہر نسیم کو مومن خان سے بحیثیت میراث اُستاد حاصل ہوئے تھے ۔ جن کو انھوں نے باضافہ تجدید زبان خوب سے خوبتر بنا کر دنیائے شاعری میں اس آن بان کے ساتھ پیش کیا کہ لکھنو کے لفظ پرستوں نے بھی داد دی اور اظہار پسندیدگی سے باز نہ رہ سکے ۔ لکھنؤ کی زبان اور دہلی کے بیان کی پسندیدہ اور معتدل ترکیب کا جلوہ جیسا مرزا نسیم کی شاعری میں نظر آتا ہے اس کی مثال کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتی ۔ آپ کی وفات ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۸۲ھ میں ہوئی ۔ ان کی وفات کے بعد

ان کے شاگرد رشید منشی امیراللہ تسلیم نے "دیوان دفتر شگرف" مرتب کر کے چھپوایا ۔ ان کے شاگردوں میں طوطا رام شایان ۔ شوق ۔ اشرف۔ تسلیم ۔ عاشق وغیرہ مشہور ہیں ۔

تاریخ وفات طبع زاد شوکت "آہ جہاں سے اٹھ گیا آج کمال شاعری" !

کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے :

حجاب ابر مانع ہے گزر کیوں کر ہو گلشن تک
وہ شبنم ہوں پہنچ سکتا نہیں پھولوں کے دامن تک
خطا میری نہیں صیاد میری آرزو لے جا
کہ مجھ کو کھینچ لائی تھی یہی دیوار گلشن تک
خوشا قسمت قفس میں ہم قفس پر سینکڑوں پردے
نظر بھی اب تو جا سکتی نہیں دیوار گلشن تک
برستا ہے جو ابر تر تمنائیں ٹپکتی ہیں
ڈبو دے آب مے میں آج ساقی مجھ کو گردن تک

دیکھو او قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم
چارہ گر سے درد نالاں ، درد سے دل ، دل سے ہم
ہائے کیا بے خود کیا ہے غفلت امید نے
حال دل کہتے ہیں اپنا پھر اسی قاتل سے ہم

ساغر پلا کے بے خبر دوجہاں بنا
او پیر مے فروش ہمیں بھی جواں بنا
عشاق جانفروش کے دیکھو تو حوصلے
مقتل تمام معرکۂ امتحان بنا

یہاں تک طول تھا اے ہم نفس کل ہجر کی شب میں
دعائیں جاگ کر سو سو رہیں آغوشِ مطلب میں
یہاں تک راہ دیکھی زلفِ شب پر نورِ پیری ہے
نہیں آؤ نہ جھک آئی ہیں نیندیں چشمِ کوکب میں
لیے انکار ساقی نے ہزاروں خون گردن پر
نگاہیں ڈوب [illegible] رہ گئیں جامِ لبالب میں

کس کو غرض رہے جو اسیرِ بلا کے ساتھ
بیکس وہ ہوں اثر بھی نہیں ہے دعا کے ساتھ
جب لے چلے اٹھا کے جنازے کو اقربا
محرومیاں ہو لیں مری آنسو ہوا کے ساتھ

دیکھ کے [illegible] میں ہے محفلِ رندانہ آج
دخترِ [illegible] لیے ہے گود میں پیمانہ آج
بیخبر ہے انجمن بیہوش ہے جانانہ آج
خوب [illegible] رہی ہے گردشِ پیمانہ آج
محتسب نے [illegible] کے محفل کو نمازی کر دیا
جھک گئے خم گر پڑا سجدے میں ہر پیمانہ آج
ہے ہجومِ کیفِ مستی لڑکھڑاتے ہیں قدم
لیجیئے دیکھیں کدھر کو لغزشِ مستانہ آج

میں وہ ایذا دوست ہوں راحت سے مجھ کو غم ہوا
زخم کو ناخن سے چھیڑا دردِ دل جب کم ہوا

انھیں رسوا کرے گا مجھ کو نادم غیر کو دشمن
غضب کیا کیا نہ لائے گا یہ جوشِ آرزو میرا

نہ چھوٹے گا چھڑانے سے ہزاروں صورتیں بدلے
بجائے دامنِ جلاد دیکھے گا لہو میرا

بلا ٹلتی ہے بخشش سے بہا اے چشم تر آنسو
دغے کچھ دامن خالی تو صدقہ روح غمگیں کا
بہ شکلِ مرغِ بسمل اور بڑھ جاتی ہے بیتابی
دلِ مضطر کر طعنہ ہوگیا ہے نام تسکیں کا

یہ حسن تھا کہ آنکھ پہ نری جھپک گئی
پردہ پڑا جو یار نے پردہ اُٹھا دیا
نام میرا سنتے ہی شرما گئے
تم نے تو خوب آپ کو رسوا کیا

نشہ ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزل عدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے
جوانی و حسن و جاہ و دولت بہم چند انفاس کے ہیں جھگڑے
اجل ہے استادہ دست بستہ نوید رخصت ہر ایک دم ہے
مآلِ کارِ جہانِ فانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر
جو چار دن ہے وفورِ راحت تو بعد اُس کے غم و الم ہے
دریغ کرنا نہ زور بازو مٹا لے ساری کدورتوں کو
ہوس نہ رہ جائے کوئی قاتل نہ سر نہ خنجر دو دم ہے
نسیم غفلت کی چل رہی ہے امنڈ رہی ہیں قضا کی نیندیں
کچھ ایسا ہوتے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

حشر کے روز اگر داد طلب دل ہوگا
لب ہلانا مرے جلاد کو مشکل ہوگا

حشر کا کاغذ اعمال دکھالیں گے غیر
میرے ہاتھوں پہ فقط آبلۂ دل ہو گا

تم زلف کو کھولو کہ سحر ہونے نہ پائے
جب تک کہ شبِ وصل کی شامِ دگر آئے

ناسخِ مغفور تھا اُستادِ یکتا اے نسیم
لکھنؤ والوں میں وہ سب سے نرالا ہو گیا

فضلِ حق ہے بس کہ ہے شاگردِ مومن تو نسیم
دھوم ہے سارے زمانے میں ترے اشعار کی

نسیم لکھنوی

یکتا گوہر دریائے معانی ، جوہری جوہر سخن سنجی و سخن دانی ۔ مہر سپہر فصاحت ، نیر آسمانِ بلاغت پنڈت دیا شنکر صاحب لکھنوی صاحبِ "گلزارِ نسیم" ۔ خواجہ حیدر علی آتش سے تلمذ رکھتے تھے ۔ صنعت میں جودت اور ذہانت غضب کی تھی ۔ نسیم کا ہر شعر تر جادو شعر اور سحر بیانی کا نشتر تھا ۔ کلام سلاست سے معمور اور فصاحت سے بھرپور ہے ۔ سراسر آمد ہے آورد کا پتہ نہیں ۔ نسیم مرحوم صرف اپنے اُستاد خواجہ حیدر علی آتش ہی کے لیے نہیں بلکہ جملہ شاعرانِ لکھنؤ کے لیے سرمایۂ نازش و باعث افتخار تھے ۔ مثنوی میں اپنی پرزور طبیعت سے وہ وہ جوہر دکھائے ہیں کہ جب تک زبانِ اردو باقی ہے اہلِ زبان اور باکمالانِ فنِ سخن ہمیشہ اس کی تعریف میں طلیق اللسان اور مداح رہیں گے ۔ حسنِ تشبیہ اور خوبی استعارہ اور شوخی اشارت ان کا خاص حصہ ہے ۔ افسوس ہے کہ اس باکمال شاعر نے عین عنفوانِ شباب میں اپنے احباب کو داغِ مفارقت دے دیا۔

نمونۂ کلام :

نے قاصد خیال نہ پیک نظر گیا
اُن تک میں اپنے آپ ہی لے کر خبر گیا

لیا دل تو لو جان بھی کیوں رہے جی
تمنا ہماری تقاضا تمھارا
بتوں کی گلی چھوڑ کر کون جائے
یہیں سے ہے کعبہ کو سجدہ ہمارا
جلوہ حرم و دیر میں ہے یار تمھارا
دم بھرتے ہیں سب کافر و دیندار تمھارا

بل پڑنے لگا ابروئے خمدار کے آوپر
آ جائے نہ آفت کہیں دوچار کے اوپر

تو وہ ہے کہ آتے ہیں سن سن کے بیچارے
مہ و مہر شام و سحر دیکھنے کو

ذلت ہے جو پھیلائے بشر پیش بشر ہاتھ
یارب نہ کبھی ہاتھ کا ہو دست نگر ہاتھ

گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے
سر چڑھتا ہے موت آئی ہے دیوانہ ہوا ہے

ہم برے ہم برے تم اچھے صاحب
ہم نے اطوار بگاڑے ہیں سنبھالے تم نے

عاشقوں کو تو نہ للہ لگاؤ چوری
دل لیے تم نے ، دھرے تم نے ، لگالیے تم نے

ساقی قدح شراب دیدے
مہتاب میں آفتاب دیدے

خم نہ بن کر خود غرض بن جائیے
مثل ساغر اور کے کام آئیے
ابر رحمت سنتے ہیں نام آپ کا
خاکساروں پر کرم فرمائیے
آپ آہو چشم ہیں آہو نہیں
ہم سے وحشت کی نہ لیجیے آئیے

قرار ہر نہ ملو ، اضطراب ہو کہ نہ ہو
شراب غیر کو دو دل کباب ہو کہ نہ ہو
گلابی آنکھوں سے ساقی کی دل بچے کیونکر
شرابیوں میں جو بیٹھے خراب ہو کہ نہ ہو

نسیم

منشی شبیر حسین نسیم بھرت پوری - حضرت داغ دہلوی کے تلامذہ میں سے ہیں -

عجب دلچسپ منزل ہے ہمارا خانۂ دل بھی
یہاں آ کر تمنا مرتے دم تک پھر نہیں نکلی
کچھ اس انداز سے اوس نے لگائے وار خنجر کے
کہ میں تو میں مرے زخموں کے منہ سے آفریں نکلی

ہم اب تک چرخ ہی کی فتنہ پردازی کے قایل تھے
مگر اس کی بھی مرشد کوئے جاناں کی زمیں نکلی
مرا دل ہے خم گیسو سے اکلا ہو کہ مٹھی سے
اب اس سے کیا غرض چوری نکل آئی کہیں نکلی

دیکھ کر آئے ہیں کیا عارض و گیسو اُن کے
لوگ حیران پریشان چلے آتے ہیں
اُن کے جاتے ہی نکل جاتے ہیں دل سے فوراً
اُن کے آتے ہی پھر ارمان چلے آتے ہیں
مڑ کے دیکھو تو سہی اپنے خریداروں کو
تم پہ ہوتے ہوئے قربان چلے آتے ہیں

اُس سے اے دل شکوہ غم کیا کریں
سن کے جو کہہ دے کہ پھر ہم کیا کریں
جب کہا مرتا ہوں اے جان جہاں
بولے اچھی بات ہے ہم کیا کریں
اُس کی شامت آئی جا کر پھنس گیا
یار کے گیسوئے برہم کیا کریں

خط غیر خوش ہو کے وہ پڑھ رہے تھے
جو پوچھا تو ہنس کر کہا ہے کسی کا

اگر دل لے لیا تم نے ہوا کیا
حساب دوستاں در دل گلا کیا

اک میں ہوں کہ اپنوں سے خفا ہوں ترے پیچھے
اک تو ہے کہ غیروں کو منانے مرے آگے

کیا چیز تھی چھپکے سے جو مٹھی میں دبالی
کیا تھا جو گرا زلف معنبر سے نکل کر
یہ شوق نے چٹکی دل بیتاب میں کیوں لی
یہ کون گیا میرے برابر سے نکل کر

مست آنکھوں میں یہ سرمہ کے نہیں ہیں ڈورے
باڑ رکھی ہے ستمگار نے تلواروں پر
خاک نظروں میں جچیں گی تری حوریں واعظ
ہم مرے بیٹھے ہیں دہلی کے طرحداروں پر

بخت برگشتہ ، وہ ناراض ، زمانہ دشمن
اب ٹھکانے نہیں اوسان بڑی مشکل ہے
کافر عشق بھی ہو کر نہ ہوئے ہم کافر
اس میں جانا نہیں ایمان بڑی مشکل ہے
روز کہتے ہو کہ تو کس کے لیے ہے بیتاب
جان کر بنتے ہو انجان بڑی مشکل ہے
ظلم اٹھتے ہیں نہ اس ڈر سے گلہ کرتا ہوں
تم کہیں ہو نہ پشیمان بڑی مشکل ہے

وہ کہتے ہیں اگر ان سے کہو اب دم نکلتا ہے
تمھارے دم کا کیا کہنا یہ دم ہر دم نکلتا ہے

وہ بت جور و جفا کرتا ہے مجھ پر تجھ کو کیا ناصح
تری کیوں جان جاتی ہے ترا کیوں دم نکلتا ہے
نسیم خستہ دل بادش بخیر اچھا رہے یارب
سنا ہے اُن کے کوچے میں کسی کا دم نکلتا ہے

دل کو لے کر نگہ میں رکھنا
یہ ادھر سے اُدھر نہ ہو جائے
رو چکے اب عدو کو صبر کرو
بس کرو دردِ سر نہ ہو جائے

بہت وعدے سنے تیری زباں سے
تسلی اب نہیں ہے نہ ہاں سے
شب غم کا سنا قصہ تو بولے
ہمیں نفرت ہے جھوٹی داستاں سے
گئے تھے حضرت ناصح مرے ساتھ
بڑی گہری چھنی پیرِ مغاں سے

نسیم

شجاعت علی نسیم متوطن مان سرائے نبیرہ شیخ الاسلام عطا اللہ خاں سنبلی انصاری آپ جوان صالح بردبار اور حلیم الطبع ہیں۔ ذہنِ رسا اور فکرِ سلیم رکھتے ہیں۔

رکھے ہے گو وہ سیاہی ولے یہ حسن کہاں
ہزار بار تری زلف پر سے واری رات

پیچ کو زلفوں کے اوس کی گر قلم املا کرے
سطر سے پاؤں میں زنجیر کو پیدا کرے

زلف اوس کی ہے مرغِ دل کا جال
سچ کہا ہے کہ بال ہے جنجال
جرم کیا دیکھ کر میاں تم نے
خون مہندی کا کر دیا پامال

سن کر خبر یہ آنے کی کس کے چمن کے بیچ
پھولا نہیں سماتے ہے گل پیرہن کے بیچ
اوس شعلہ رو کے کشتہ کو دیکھا تو بعدِ مرگ
فانوس و شمع کی سی تھی صورت کفن کے بیچ

نسیم

مولوی نسیم اللہ ساکن علی گڑھ ۔ دہلی میں تعلیم و تربیت پائی ۔ عدالت کونسل میں وکیل تھے ۔

بے سبب ہر کس و ناکس سے لڑا کرتی ہیں
اپنی آنکھوں کو ذرا او بت پرفن سمجھوا

جو لذتیں ہیں قناعت میں حرص میں کب ہیں
نشہ جو کم ہو اسی کو سرور کہتے ہیں

زمانے تو بندہ کیا چاہتے ہو
بتو کیا خدا تم بنا چاہتے ہو
نسیم ان سے کہتا ہوں گر بات کوئی
تو کہتے ہیں کیا کچھ سنا چاہتے ہو

گن گن کے روز کرتے ہیں وہ عاشقوں کو قتل
ہر روز ان کے کوچہ میں روز شمار ہے

مرزا راجہ کدار ناتھ دہلوی نبیرہ راجہ رام ناتھ پیش کار نظارت
دربار شاہی - ۱۲۴۸ھ میں فوت ہوئے۔

قتل ہاتھوں سے ترے یہ دل رنجور ہوا
درد سر روز کا تھا خوب ہوا دور ہوا

ہے جب سے چھپا ہم سے دل آرام ہمارا
پاتا ہے نہیں جب سے دل آرام ہمارا

مسی مالیدہ دندان یار کے یکسر چمکتے ہیں
تعجب ہے کہ تارے ابر میں کیوں کر چمکتے ہیں

شیخ فضل کریم صاحب۔

مہ عید مشتاق جس کا ہے عالم
ہے اترا ہوا طوق گردن کسی کا

جگر جیتا کسی دن صبر کی شرط
کبھی دل بڑھ گیا آگے جگر سے

محمد یعقوب ابن غلام احمد نکہت و خواہر زادہ عبدالحکیم بسمل
شاگرد مولوی عبدالکریم سوز۔ بچپن کا کلام ملا۔

مشتاق یہ تو نے جو کیے ہیں ستم ایجاد
انصاف سے کہہ تو ہی کہ یہ ظلم کہیں تھا

عشق کس طرح چھوڑ دوں ناصح
یہ کوئی اختیار ہے اپنا
مہ اٹھاؤ نسیم کو در سے
جانیو خاکسار ہے اپنا

جاں بلب ہے نسیم دل خستہ
پر ترا انتظار ہے اب تک

کوئی لبھتی ہے اس طرح کی سا
کہ در اب بات پر لڑائی ہے

نسیم

نواب محمد حسین علی سلطان بہادر نسیم جاگیردار ہرلور متعلقہ میور۔

کیوں بے گناہ آپ کی چتوں بدل گئی
لاڑا ہے دل نہ آنکھ کی پتلی مچل گئی
کھٹکا جو در ہوا ہے شب وصل وہ کہا
رخصت ہے اے نسیم سحر توپ چل گئی

پسینہ نزع میں ٹپکا دو اپنے ابرو کا
نہ مرنے دم تو گلا تر ہو آب خنجر سے
نصیب ٹھوکریں ہوں ان کے پائے نازک کی
ملی ہوئی مری تربت ہو یار کے در سے
ہوا شہید نظر بھر کے جس کو دیکھ لیا
نگاہ ناز تری کم نہیں ہے خنجر سے
اگر ہے تیغ زبان عدو ہے اندیشہ
نسیم لیجئے اصلاح شمر جوہر سے

پختہ سمجھا ان کا وعدہ وصل کا
کس قدر دل کو خیال خام ہے
درد کھانا کام ہے عشاق کا
ان کو خود کامی سے اپنی کام ہے

نشاط

بابو ہرگوبند سہائے صاحب نشاط خلف منشی خوب لال کالستھ ماتھر۔ آگرہ میں ہرگوبند گنج انہیں کا تعمیر کردہ ہے۔ ضلع علی گڑھ میں ۱۷ موضعات کا زمیندارہ ہے پہلے عدالت دہلی میں ناظر رہے ازاں بعد ۲۵ سال کی عمر میں ۱۸۶۴ء میں وکیل عدالت آگرہ ہوئے۔ میونسپل کمشنر بھی ہوئے۔ شاگرد غالب۔

ہمارے جذبہ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کریں گر جذب مقناطیس جذب کہربا ٹھہرے
غم و اندوہ ہو حسرت یا نشاط و شادی و فرحت
وہی منظور ہے ہم کو تری جس میں رضا ٹھہرے

نشاط

منشی محمد علی حسین خان نشاط رام پوری شاگرد حضرت جلال۔

بے خودی کا برا ہو ہائے نشاط
آئے وہ اور مجھے خبر نہ ہوئی

اگر فرقت میں روتا ہوں تو دل کا غم نکلتا ہے
جو ضبط گریہ کرتا ہوں تو گویا دم نکلتا ہے
نہیں بیجا دھواں منہ سے مرے ہمدم نکلتا ہے
لگی ہے آگ سینہ میں بخار غم نکلتا ہے

سوال وصل پر ان کا ادا سے ہنس کے یوں کہنا
ذرا سنبھلو ذرا ٹھہرو ابھی کیوں دم نکلتا ہے
خبر لے اے اجل تو ہی کشا کش میں ہے جاں اپنی
نہ دل پہلو کے اندر ہے نہ دل سے غم نکلتا ہے
نشاط آئے جو وقت نزع وہ تو ہنس کے یوں بولے
ہم آئے ہیں عیادت کو تمہارا دم نکلتا ہے

نشاط

منشی ایشری سنگھ کایستھ ولد لالہ سندر داس شاگرد رنگین و انشاءاللہ خاں۔

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا
ترے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

نتھ کے حلقے کا دیکھ کر عالم
ناک میں آ رہا ہے میرا دم

آشنائی تجھ سے کیا کی مجھ سے نادانی ہوئی
دوستی میری ہی آخر دشمن جانی ہوئی

اے بتو ہم نہ پھرے پاس وفا سے اپنے
جو کیا تم نے سو پاؤ خدا سے اپنے

نشتر

جناب حافظ محمد اکبر صاحب رام پوری تلمیذ حضرت تسنیم لکھنوی۔

آج ہر بات کا دیتے ہیں جو الٹا وہ جواب
غیر کیا جانئیے کیا ان کو پڑھا کر آیا

آج اس بات پہ مجھ سے وہ خفا بیٹھے ہیں
کس لیے تذکرہ حور زباں پر آیا
کہہ دیا یار سے آئینہ غماز نے کیا
آیا بن ٹھن کے مگر دل میں مکدر آیا[1]

خدا کے واسطے آ او ستم شعار کہیں
فراق کی دل مضطر کو اب تو تاب نہیں
سنا ہے مذہب اُلفت میں دل جلوں کے لیے
جفا و جور کی کچھ حد نہیں حساب نہیں

اُمید دید بھی کیا چیز ہے عشاق کی ہر دم
نگاہیں ٹکٹکی باندھے ہوئے بیٹھی ہیں چلمن پر
زمانے میں جو تھے مشہور کل پیر خراباتی
نمازیں ہو رہی ہیں آج ان حضرت کے دامن پر
تعجب ہے ہمیں صیاد کی اس بدگمانی سے
اکھیڑے بلبل ناشاد کے کیوں بعد مردن پر
چمن میں سیر کو کیا جاؤں میرے گھر میں گلشن ہے
کھلایا ہے گلستاں تیغ قاتل نے مرے تن پر
جہاں ہے متفق اس پر نہیں خط سیہ رخ پر
کتاب حق کی ہے تفسیر ترے روئے روشن پر
وفا کرتے ہیں غیروں سے مرے آزردہ کرنے کو
مرے صدقے میں اب ان کے کرم ہوتے ہیں دشمن پر

---

۱ - از تصویر شاعرہ -

اقرار وصل سن کے بت ماہرو سے ہم
فرط خوشی میں لپٹ گئے سب کچھ عدو سے ہم
مٹ جائیں جس سے زخم جگر کی اذیتیں
باز آئے بخیہ گر ترے ایسے رفو سے ہم
کوشش سے سہل ہوتی ہیں سب مشکلیں تو پھر
کیوں ہاتھ شوق کھینچیں تری جستجو سے ہم
گر تو نہیں ہے پاس تمنا تو ہے تری
پاتے ہیں زندگی کے مزے آرزو سے ہم[1]

جو رکھتا ابتدا میں چشم نظارہ سے پردا تو
زبان خلق کے ہاتھوں نہ ہوتا ایسا رسوا تو
میرے دل کی تمنا تو مری آنکھوں کا جلوا تو
یہ سب کچھ ہے تو کیوں کرتا ہے اتنا مجھ سے پردا تو
وفا سے باز آئیں کیا کہ ہم بندے وفا کے ہیں
ستم جو ہو کیے جائیں کیے جا ہم یہ بے جا تو
مزا ہے قتل گہ میں قاتل و بسمل کی حالت پر
ادھر محو تماشا میں ادھر محو تماشا تو
عدم سے دو قدم آنا کچھ اس آفت کا آنا ہے
بھلا دیتا ہوں سب میں جو بتا دیتا ہے رستا تو
بڑھے گی بدگمانی اور بھی صیاد بدظن کی
نہ رکھ بلبل قفس میں سیر گلشن کی تمنا تو
زمانے بھر سے وعدہ ہے زمانے بھر میں پھرتا ہے
ازل سے آج تک سچا ہوا بھی ہے کسی کا تو

۱۔ لیرلک۔

طریق عشق میں دونوں سے دونوں ایسے بے خود ہیں
کبھی شکل تمنا میں کبھی شکل تمنا تو
ہمارا مدعا سن کر سنانا سینکڑوں لاکھوں
کہاں سے سیکھ کر آیا ہے یوں دشنام دینا تو
نگاہ ناز سے دم سے ز بن کر اتنا پوچھا ہے
مقابل تیر مژگاں کے دل نشتر پھر آیا تو

نشتر

مولوی عبدالکریم باشندہ چیپرہ شاگرد مولوی ابوالقاسم شمس باشندۂ کلکتہ۔

وہ بھی کیا دن تھے کہ جب چاہ نہ تھی پیار نہ تھا
ہجر کا رنج نہ تھا عشق کا آزار نہ تھا
کوچہ یار سے یوں شیخ و برہمن نکلے
سر پہ دستار نہ تھی دوش پہ زنار نہ تھا
سب اسی کے ہیں ہوا خواہ سر محشر بھی
دل سا جو دوست تھا وہ بھی تو مرا یار نہ تھا

ہونٹوں پہ تبسم و تو آنکھوں میں حیا ہو
بن جائے ادا آپ وہ مستانہ ادا ہو
اے نور بصر اشک نہ آنکھوں سے الگ ہو
اے مونس دل ہاتھ نہ سینے سے جدا ہو
اے دست جنوں جیب و گریباں کی خبر لے
اے شعلۂ غم خاطر محزوں کی دوا ہو
اے دیدۂ تر قاعدہ ضبط سے لے کام
اے نالۂ دل دوں خموشی پہ فدا ہو

اے تیر نظر تیرا قدم مجھ کو مبارک
اے زخم جگر حق مدارات ادا ہو
میں معتقد شیوہ ارباب وفا ہوں
تم مجتہد رسم و رہ اہل جفا ہو
دلگیر سا کیوں آج نظر آتا ہے نشتر
تیر نگہ ناز کا گھائل نہ ہوا ہو[1]

نشتر

میر امداد حسین خلف میر حامد علی باشندہ لکھنؤ صاحب دیوان تلمیذ خواجہ وزیر لکھنوی۔

دیتا خدا مجھے جو بتو بار بار دل
کرتا میں ان گلوں پہ تصدق ہزار دل
کیا چین آئے کعبۂ ابرو کے عشق میں
ہے مثل مرغ قبلہ نما بےقرار دل
ہے آب و گل میں میری ازل سے ہوائے عشق
کچھ آج سے نہیں یہ محبت شعار دل
نشتر سے دو ہی روز میں بیگانہ ہو گئے
نے آنکھ آشنا ہے تمھاری نہ یار دل

نشتر[2]

منشی سرداری لال نشتر چوراسیہ برہمن میرٹھ کے باشندہ ہیں۔ ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے والد نے منشی شریف اللہ صاحب ربط میرٹھی کے سپرد کر دیا۔ وہیں آپ نے اردو و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں فیض

۱۔ اردوئے معلی، جلد ۹۔
۲۔ نو موصول

عالم ثانی سکول میں انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل کروائے گئے - چونکہ حضرت ربط کے یہاں شعر و شاعری کا خوب چرچہ رہتا تھا اس لیے آپ کو بھی مذاق سخن پیدا ہوگیا - رفتہ رفتہ شعر کہنے لگے - کچھ روز تک تو اپنے شوق کو منشی صاحب سے پوشیدہ رکھا - مگر کب تک چھپائے رہتے - آخر ایک روز ظاہر ہی کرنا پڑا - منشی صاحب کو اپنا کلام دکھانا شروع کر دیا اور مشاعروں میں شریک ہونے لگے - مقامی مشاعروں میں آپ کے اکثر اشعار کامیاب ہونے لگے - رفتہ رفتہ میرٹھ کی پبلک میں شہرت ہوگئی اور میرٹھ کے اچھا کہنے والوں میں شمار ہونے گئے - ایک مشاعرہ ۱۹۱۶ء میں اچھے پیمانہ پر منعقد کیا گیا - جس میں حضرت ندرت اور ہندوستان کے دیگر مستند اساتذہ نے شرکت فرمائی - حضرت ندرت نے ایک قافیہ میں غزل پڑھی - مولانا ندرت کی غزل نمایاں طور پر کامیاب ہوئی یہ پہلا مشاعرہ تھا جس میں نشتر صاحب کو حضرت ندرت کے ساتھ غزل پڑھنے کا اتفاق ہوا - اس کے بعد پھر ایک مشاعرہ میرٹھ میں منعقد ہوا - نشتر صاحب نے بھی مولانا ندرت کی طرح ایک ہی قافیہ میں لکھی اور حضرت ربط کے پاس اصلاح کے لیے لے گئے - مگر حضرت ربط نے دیکھ کر فرمایا کہ تم آئندہ سے حضرت ندرت سے اصلاح لیا کرو - لہٰذا نشتر صاحب مولانا ندرت سے اصلاح لینے لگے - پہلی غزل حضرت ندرت نے دیکھ کر بہت تعریف فرمائی - نشتر صاحب نے مشاعرہ میں غزل کا مطلع ہی پڑھا تھا کہ ہر جانب سے بے ساختہ نعرۂ تحسین بلند کئے جانے لگے اور نشتر صاحب کی غزل حاصل مشاعرہ رہی - غزل کے دو اشعار حاضر ہیں :

تم نے غم پر غم دئے بیداد پر بیداد کی
میں نے کچھ شکوہ کیا میں نے کبھی فریاد کی
چٹکیاں لیتے ہیں دل میں اس پہ یہ تاکید ہے
کاٹ لیں گے ہم زباں تو نے اگر فریاد کی

ہاپوڑ کے جنرل مشاعرہ میں نشتر صاحب کی غزل سن کر جگر مراد آبادی نے مین پوری کے جنرل مشاعرہ میں شرکت کے لیے اصرار کیا ۔ نشتر صاحب نے مین پوری کے مشاعرہ میں جا کر غزل پڑھی ۔ یہ شعر حاصل مشاعرہ رہا :

یہ بھی وحشت ہے کوئی اپنا گریباں اپنا ہاتھ
ہاتھ ان کا چاہیے میرا گریباں چاہیے

نشتر صاحب کا کلام ہندوستان کے اکثر رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو کر ناظرین سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے ۔ نشتر صاحب کا کلام برجستہ ، فصیح اور نہایت سلیس و بامحاورہ ہوتا ہے ۔ نمونہ کلام حاضر ہے :

مری آنکھوں نے یہ طرفہ تماشا عمر بھر دیکھا
کہ جب دیکھا انہیں منظورِ اربابِ نظر دیکھا

کیا ہماری جان کیا ہم کیا ہماری زندگی
جو ہوا سے منہدم ہو جائے وہ تعمیر ہیں

خبر میری تڑپ کی یوں گئی یارانِ گلشن تک
کہ اڑ اڑ کر قفس سے بال و پر پہنچے نشیمن تک

ایک وہ میں ہوں کہ خود تقدیر روتی ہے مجھے
اک زمانہ ہے کہ رونا روتا ہے تقدیر کا

اب پھر اڑے ہیں ذرے مرے دل کی خاک کے
اب پھر بسے گی دیکھیے دنیا کہاں کہاں

دیکھتے ہی دیکھتے محفل میں ٹھنڈا ہو گیا
شمع نے جل کر کہا تھا جانے پروانے سے کیا

آج ، کل کا سا تڑپنے میں مزا حاصل نہیں
یا تمھارا تیر پہلو میں نہیں یا دل نہیں
مجھ کو الفت میں کسی سے کیا شکایت کیا گلہ
تم تو تم ہو اب تو اپنا دل بھی اپنا دل نہیں
مختصر روداد اے لشتر یہ سوز غم کی ہے
دل جہاں تھا اب وہاں اک آبلہ ہے دل نہیں

خاکساری سرفرازی خو ہے عشق و حسن کی
میں زمیں بن جاؤں گا تو آسماں ہو جائے گا

مرقع خانہ ویرانی کا ہے تصویر عبرت کی
چمن میں اک گرفتارِ قفس کا آشیاں کیا ہے

آہ نکلی ہے ابھی ڈوبی ہوئی تاثیر میں
آرزو نکلے گی اب لپٹی تمھارے تیر میں

آستیں پہنچان کر یا اُن کا دامن دیکھ کر
خونِ دل رونا ذرا اے چشم گریاں دیکھ کر
داد خواہی کیسی ، شکوہ کیسا ، خود گھبرا گیا
میں ہجوم حشر میں اُن کو پریشاں دیکھ کر
جا رہا ہوں چھوٹ کر میں قید سے بے بال و پر
خاک پہچانیں گے یارانِ گلستاں دیکھ کر

گردشِ تقدیر اے نشتر مجھے یاد آ گئی
اپنے دل کی خاک کے ذرے پریشاں دیکھ کر

جو آ جائے زباں پر دل سے وہ رازِ نہاں کیا ہے
جو دو حرفوں میں غم کے ختم ہو وہ داستاں کیا ہے
دھواں سا رہ گیا ہے کچھ قفس کے سامنے اٹھ کر
خدا جانے کہ یہ تعبیرِ خوابِ آشیاں کیا ہے
ملال انگیز ہے اک ایک لفظ اول سے آخر تک
دلِ مرحوم کا نوحہ ہے میری داستاں کیا ہے
جو تم پوچھو تو ہم بھی ہیں ہماری داستاں بھی ہے
نہ پوچھو تم تو ہم کیا ہیں ہماری داستاں کیا ہے
لہو کی طرح نشتر دوڑتا پھرتا ہے رگ رگ میں
مری ہستی کا سرمایہ ہے یہ دردِ نہاں کیا ہے

عشق میں ہم نے دل ہی کھویا ہے
کھونے والے تو جان کھوتے ہیں

خدا رکھے سہارا ہے یہ منزل تک پہنچنے کا
نگاہوں سے مری اوجھل غبارِ کارواں کیوں ہو

دامن میں چھپایا آئے رسوائی کے ڈر سے
جو اشک مری آنکھ سے باہر نکل آیا

ہجر کی شب سوزِ غم سے چین بستر پر نہ تھا
ایک انگارہ تھا پہلو میں دلِ مضطر نہ تھا

یوں سونے پہ رو رو کے نہ کر غم میرا
خوش رہے تو تیرے دشمن کریں ماتم میرا
یادگارِ دل محروم سمجھتا ہوں میں
اس لیے جان سے پیارا ہے مجھے غم میرا
خونِ ناحق کے چھپانے کا طریقہ یہ ہے
تم مری نعش پہ کرنے لگو ماتم میرا

نشتر

جناب منشی عبیدالحق صاحب نائب تحصیل دار مین پوری ۔

قیامت ابتدائے عشق میں وحشت کا ساماں تھا
کہ صبح حشر مجنوں کا ترے چاک گریباں تھا
کسی صورت یہ ایسے مٹ گئے ہستی مٹا بیٹھے
ہمارا کفر بھی پروردۂ آغوش ایماں تھا
پس مردن تو آئے فاتحہ کو میرے مرقد پر
شہید خنجر بیداد پر کیا کم یہ احساں تھا
نگاہیں کیوں مری آنکھوں میں خود ہی چھپ گئیں یارب
کسی کا پردہ رکھنا تھا یہ کون آنکھوں میں پنہاں تھا
کیا بت خانہ میں سجدہ جھکا محرابِ ابرو پر
مرا ایماں بھی پروردۂ آغوش عصیاں تھا
دلوں پر شاعروں کے نقش تھا حسنِ بیاں اس کا
عبید خوش نوا بھی زینت بزم سخنداں تھا[1]

نشتر[2]

محمد غریب اللہ نام ۔ نشتر تخلص ۔ پیدائش ۱۳۳۴ھ والد حافظ

---

۱ ۔ از فصیح الملک جلد ۲ ۔
۲ ۔ نو موصول ۔

حبیب اللہ بکھر کے رئیس تھے ۔ قرآن کریم حفظ کیا اس کے بعد شاعری کے بارے میں مولانا مولوی خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کی تصانیف سے استفادہ کرتے رہے اور اُنھی کو اپنا معنوی اُستاد تسلیم کرتے ہیں ۔ ۱۳۴۹ھ میں فصاحت جنگ بہادر جناب حافظ جلیل جانشین حضرت امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل کیا ۔ پہلے غریب تخلص کرتے تھے ۔ حضرت جلیل کی شاگردی کے بعد نشتر تخلص اختیار کیا ۔ مزاحیہ غزلیں بھی لکھی ہیں ۔

خم آج کس کے در پہ جبینِ نیاز ہے
سجدوں کو جو بلندیٔ قسمت پہ ناز ہے
صورت گرِ مجاز کی نیرنگیاں ہیں یہ
محمود ورنہ خود ہے وہی خود ایاز ہے
خنجر بکف جو وہ ہیں تو ہم بھی ہیں سر بہ کف
وہ اُن کا ناز ہے یہ ہمارا نیاز ہے

ہنس کے وہ غیر کا جب ذکرِ وفا کرتے ہیں
رو کے ہم سوئے فلک دیکھ لیا کرتے ہیں
روئے پرنور سے کیوں اپنے اُٹھاتے ہیں نقاب
حشر میں آپ یہ کیا حشر بپا کرتے ہیں
یہ بتا دیجیے کس حشر میں ہوگا دیدار
آپ تو روز ہی اک حشر بپا کرتے ہیں

اس وقت سے ہوں طالبِ دیدارِ روئے یار
موسیٰ تھے جب نہ وادیٔ ایمن نہ طور تھا
واعظ میں بادہ کش جو رہا عمر بھر تو کیا
تو بھی تو مستِ شوقِ شرابِ طہور تھا

آئے ہیں میری عیادت کو وہ اغیار کے ساتھ
زہر دیتے ہیں مجھے شربت دیدار کے ساتھ

وہ سدھارے جو مرے گھر سے تو حسرت میری
مدت روئی لپٹ کر در و دیوار کے ساتھ
کیوں قیامت ترے قدموں سے لگی پھرتی ہے
ہو گیا عشق اسے کیا تری رفتار کے ساتھ

تہ ابرو ہیں گردش میں وہ آنکھیں
حرم میں دور ساغر دیکھتے ہیں
گریباں سے ترے اے شام فرقت
طلوع صبح محشر دیکھتے ہیں
جھکی ہیں اُن کی مست آنکھوں پہ زلفیں
گھٹائیں میکدے پر دیکھتے ہیں

نصرت

منشی یعقوب علی خاں ولد حسین علی خاں لکھنوی مینجر جوبلی پیپر لکھنؤ۔ انہوں نے لکھنؤ سے ایک رسالہ مسمی بہ نغمہ بہار نکالا تھا جو دو سال بڑی آب و تاب سے جاری رہ کر بند ہو گیا۔ میر لطافت خلف امانت مرحوم کے شاگرد ہیں۔

بےقراری دل عاشق کی بھی ہوتی معلوم
آپ کا دل جو کسی پر کبھی آیا ہوتا
سر جھکائے ہوئے کیوں آپ چلے مقتل سے
رقص بسمل کا تماشا بھی تو دیکھا ہوتا

نعش تو اٹھ گئی بجھ رند کی میخانے سے
روح لپٹی رہی ساقی ترے پیمانے سے
شمع منگوا کے سر بزم وہ یہ کہتے ہیں
جل کے مرنا ہو جسے سیکھ لے پروانے سے

کون آ نکلا ادھر پھول اس قدر کس نے چڑھائے
تربتیں ہم سے غریبوں کی گلستاں ہو گئیں

خدا کی رحمت بیحد کا مستحق تھا میں
کہ مجھ سا حشر میں کوئی گناہگار نہ تھا

جان لی خاک کیا خاک کو برباد کیا
اب بلاتے ہو جو محشر میں تو کیا یاد آیا

میں وہ گریاں ہوں کبھی نیند نہ آئی مجھ کو
آنکھ لگ بھی گئی تو خواب میں رویا ہوں میں

نصرت

شیخ ظہیر الدین مراد آبادی شاگرد نواب شیر علی خاں صاحب ۔

دوریٔ منزل دلدار بیاں کیا کیجیے
پائے اندیشہ بھی اس راہ میں تھک جاتا ہے

نصیب

امر ناتھ نصیب شاگرد امیر ملازم پوسٹ ماسٹر جنرل آفس ۔

وعدہ کی شب ہے تجھ کو عبث کس کا انتظار
ناداں ہے نصیب وہ فقرہ تھا چل گیا

محبت قاتل معشوق و عاشق ہے کہیں لگی
مرا فرہاد یاں واں جانِ شیرینِ حزیں نکلی
سجھائی قتلِ عاشق کی انہیں دشمن نے شہ دے کر
زہے بختِ ہمایوں چشمِ بد بیں نیک بیں نکلی
رقیب اپنا کسے کہیے حبیب اپنا کسے کہیے
خدائی تیری خواہاں او بت پردہ نشیں نکلی

رفاقت اس کو کہیے اور وفاداری اسے کہیے
اُدھر وہ گھر سے نکلے ہیں اِدھر جانِ حزیں نکلی

کچھ رحم تو کر ہم پہ ستا کم شبِ فرقت
گھبرا کے نہ مر جائیں کہیں ہم شبِ فرقت[1]

نصیب

عالی جناب سردار دولت خان صاحب جمعدار معروف بہ نواب یاور جنگ۔

نامہ بر بن کہ وہاں سے جو کبوتر نکلا
پیشوائی کو یہاں سے دلِ مضطر نکلا
تلخ دشنام جو پیہم دیے اُس نے مجھ کو
زہر سا حق میں مرے قند مکرر نکلا
مفت بدنام ہوا چرخِ جفا کار کا نام
اس کا بانی تو کوئی اور ستم گر نکلا

نصیر

مسٹر نصیر الدین حسین صاحب بیرسٹر شاگرد جناب داغ دہلوی۔

چلے مانا نہ کسی دوستوں کے سمجھانے کو
کھو کے دل ہاتھ سے اب بیٹھے ہیں پچھتانے کو
نام رہ جاتا ہے دنیا میں بڑی بات ہے یہ
زندگی کہتے ہیں ہم عشق میں مر جانے کو
ابھی کم سن ہو حیا کر لو کہ شوخی جو بڑھی
پھر تو یہ آنکھ ترس جائے گی شرمانے کو

۱۔ از پیام عاشق۔

راز کھلتا نظر آتا ہے خدا خیر کرے
کیا کروں اس دل بیتاب کے گھبرانے کو

پردہ ہوشی کے لیے دامن صحرا ہے بہت
کام کیا گور کفن سے تیرے دیوانے کو

شمع رو دیتی ہے اللہ رے اُلفت کا لگاؤ
دیکھ لیتی ہے جو جلتے ہوئے پروانے کو

عقل سے پیر محبت میں ہوا کرتا ہے
عشق دیوانہ بنا دیتا ہے فرزانے کو

سحر سے سحر ہے افسوں سا ہے افسوں ظالم
اپنا کر لیتی ہے اُلفت تری بیگانے کو

جا کے ہم بیٹھ گئے کوچۂ جاناں میں نصیر
شیخ کعبہ کو برہمن گیا بت خانے کو

شاہ نصیر

شہ سوار عرصۂ سخنوری و والئی اقلیم معنی پروری شاہ نصیر الدین معروف بہ کلو خلف ارشد شاہ غریب سجادہ‌نشین درگاہ شاہ صدر جہاں واقع محلہ روشن پورہ دہلی ۔ علوم رسمی کے بقدر ضرورت ماہر تھے ۔ مگر طبیعت کی موزونی اور فکر کی بلند پروازی خدا داد تھی ۔ سنگلاخ زمینوں میں اکثر غزلیں کہا کرتے تھے اور حق یہ ہے کہ اپنا نظیر نہ رکھتے تھے ۔ تلمذ میر مہدی مائل سے تھا جو قائم کے شاگرد تھے ۔ سودا اور درد دونوں سے اصلاح لی تھی ۔ شاہ صاحب کے کمال کی شہرت نے شاہ عالم کے دربار میں ان کو پہنچایا ۔ چنانچہ ہر عید اور جشن پر خلعت کے علاوہ اور سامان مناسب انعام ہوتے تھے ۔ دو دفعہ لکھنؤ گئے ۔ پہلے سفر کے وقت مصحفی ، انشا اور جرأت وغیرہ زندہ تھے ۔ دوسری مرتبہ جو گئے

---

۱ ۔ محبوب الکلام ۔

و آتش اور ناسخ کی طبیعتیں زوروں پر تھیں۔ وہاں کے اُستادوں نے مشکل مشکل طرحوں میں غزلیں کہیں۔ ان جلسوں میں بھی شاہ نصیر نے کمال نے علم اُستادی بلند کر دیا۔ چنانچہ اکثر اشخاص لکھنؤ میں سے فیض یاب تلمذ ہوئے۔ راجہ چندو لال وزیر حیدر آباد نے کمال قدر دانی فرما کر حیدر آباد دکن بلایا اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ شاہ صاحب تین بار دہلی آئے۔ آخر حیدر آباد جا کر انتقال کیا۔ قاضی مخدوم موسلی کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔ "چراغ گل" ۱۲۵۴ھ تاریخ وفات ہے۔ کلام کو ان کے شاگرد مہاراج سنگھ نے ترتیب دیا تھا لیکن وہ مجموعہ بھی پریشان ہو گیا۔ ان کے پوتے شاہ عبداللہ کے پاس چار دیوان موجود ہیں۔ وہ نظر سے گزرے۔ شاہ صاحب کے شاگردوں کی تعداد پانچ سو سے کم نہ تھی۔ اُن میں سے خاقانیٔ ہند ذوق۔ بہادر شاہ ظفر۔ وجیہہ الدین منیر۔ اظہر۔ شاداں۔ مومن۔ مشیر۔ معروف۔ شہیدی وغیرہ مشہور زمانہ ہوئے۔ ان کے پوتے عبداللہ شاہ بشیر نے ایک تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا۔ صرف شاہ نصیر کے شاگردوں کا کلام درج تھا، مگر وہ ناتمام رہا۔ نصیر مرحوم بڑے نادر الکلام اور مشاق سخن سنج تھے۔ کلیات میں ۵۰ ہزار اشعار سے کم نہ ہوں گے۔ شاہ صاحب کے بزرگ اور یہ خود جاگیر دار ضلع دہلی و سونی پت تھے۔ اب ایک موضع مولدین نامی اولاد کے نام واگزاشت ہے بقیہ موضعات ضبط ہوگئے۔ نمونۂ کلام حاضر ہے:

یارو نہیں اتنا مجھے قاتل نے ستایا
جتنا کہ مرے دشمنِ جاں دل نے ستایا

کر گئی جانِ حزیں تن سے سفر اچھا ہوا
تھی امانت جس کی پہنچی اُس کے گھر اچھا ہوا

یوں دل صد چاک کو مت دہنۂ تر بیچنا
یہ گل پژمردہ اس کو چھڑک کر بیچنا

دلیا مقامِ رنج ہے بیدار ہو نصیر
غافل ذرا تو سوچ کہ قید فرنگ و خواب

تب چشمِ یار سے ہو دل زار کا علاج
بیمار سے ہوا نہیں بیمار کا علاج

اوڑھے وسمہ کی نہیں تیری رضائی سر پر
مہ جبیں رات ہے تاروں بھری چھائی سر پر

خیال زلف دوتا میں نصیر پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

قطعہ

واللہ کیا سمجھ کے دلوں کو اب عاشقو
دیتے ہو تم جگہ دلِ دلبر کے آس پاس
یعنی کہ واہ عقل تمہاری زہے شعور
شیشوں کو کوئی رکھے ہے پتھر کے آس پاس

جوں شب کو بھٹکے طائر شب گم کردہ آشیاں
دل یوں پھرے ہے زلف معنبر کے آس پاس
چاہے ہے تمام صفحۂ گیتی پہ گر نصیر
مثل نگیں نہ رکھ تو قدم گھر کے آس پاس

میری تربت پہ چڑھانے ڈھونڈتا ہے کس کے پھول
تیری آنکھوں کا ہوں کشتہ رکھ دے دو نرگس کے پھول

نہا کے الشاں چنو جبیں پر نچوڑو زلفوں کو بعد اُس کے
دکھا دو عاشق کو اس ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

اُٹھتی گھٹا ہے کس طرح بولے وہ زلف اُٹھا کے یوں
برق چمکتی کیونکہ ہے ہنس کے یہ پھر کہا کہ یوں

ہم پھڑک کر توڑتے سارے قفس کی تیلیاں
پر نہ تھیں اے ہم صفیرو اپنے بس کی تیلیاں
ذوق اتنا شعر گوئی کا عبث کس واسطے
قافیہ میں گر نہ تھیں حضرت کے بس کی تیلیاں

اے حضرت دل اُس کی لو مانگ کا تم رستہ
کس سوچ میں بیٹھے ہو سیدھی ہے سڑک دیکھو

اپنا انداز سخن سب سے نرالا ہے نصیر
اپنا اُستاد سمجھتے ہیں زباں داں ہم کو

نیش زنی میں یہ عقرب ہے کالا ہے وہ کنڈل مارے
حضرت دل باز آؤ نہ چھیڑو کان کا بالا زلف کا حلقہ

دل کیا سول بھلا زلف چلیپا ٹھہرے
تیری کچھ گانٹھ گرہ میں ہو تو سودا ٹھہرے

دل یہ کہتا ہے کہ سب یاد بتاں دلواؤ
چھیڑنے کا مرے پھر آپ مزا دیکھیں گے

فرقت کو برا سب کہتے ہیں گرچہ مصیبت ہے
پر وصل کے ہونے کی امید یہ فرصت ہے

زباں باہر نکل آئی ہے قاتل تشنہ کامی سے
خدا کے واسطے اب دمِ خنجر سے منہ بھر دے

جو اشک کہ آنکھوں سے جدا ہوتا ہے
مژگاں تلک آپا دم فنا ہوتا ہے
آنکھوں سے کسی کی کوئی یارب نہ گرے
آنکھوں سے گرا بہت برا ہوتا ہے

قطعہ

یہ مجنوں ہے نہیں آہوئے لیلی
چمن کر ہوستی نکلا ہے گھر سے
جسے تو سینگ سمجھی ہے یہ ہیں خار
لگے تھے پاؤں میں نکلے ہیں سر سے

زلف میں دل جو گرفتار نظر آتا ہے
بال بال اہ گرفتار نظر آتا ہے

ڈوپٹہ سر پر ہے بادلے کا گلاب پاس اس کے ہاتھ میں ہے
نہ کیونکہ چمکے نہ کیونکہ برسے فلک پہ بجلی زمین پہ باراں

ہمارے دل پہ کہاں آبلے ہیں اے ساقی
ہوئے ہیں یہ شیشے شراب کے گھر میں

جانبر ہو اُن سے کیونکر دل کہتی ہیں پلکیں یار کی
نیزہ بھی ہم ، ناوک بھی ہم، برچھی بنی ہم ، خنجر بھی ہم

تیرے سوا کون آج یہاں ہے بادشاہِ اقلیمِ سخن
نقاروں کی جوڑیاں کس کے در پر شاہ نصیرالدین بجیں

نصیر

منشی محمد نصیرالدین متوطن بارہ بنکی حال وارد حیدر آباد دکن ۔ نواب فصیح الملک داغ دہلوی سے مستفید ہیں ۔

تو مہرباں ہوا تو جہاں مہرباں ہوا
تو بدل گیا تو زمانہ بدل گیا

وہ سرگرم جور و جفا ہو رہا ہے
محبت میں یارب یہ کیا ہو رہا ہے

کہو کہ بس رہے ناوک مژہ اے ترک
ابھی تو ایک یہ سینہ فگار باقی ہے

تماشائی حسن مہ وشاں بن کر ہم اے ناصر
بنے ہیں صانعِ قدرت کی صنعت دیکھنے والے

نصیر

منشی محمد نصیر اُستاد صاحب عالم مرزا فریدوں قدر شاہزادہ

واجد علی شاہ ۔ ان کے باپ علی اصغر نصیرالدین حیدر بادشاہ لکھنؤ کے استاد تھے ۔ اصلاح سخن نواب عاشور علی خان سے لی تھی ۔

یارب مزا ہمارے جلانے کی پائے دل
جنت نہ ہو نصیب جہنم میں جائے دل
نقل مکاں مفید ہے بیمار کے لیے
قصر بدن سے کوچۂ جاناں میں جائے دل
یاد خرام یار میں نالے ہوں اشک ہوں
ایسا نہ ہو کہ فتنۂ محشر جگائے دل
یہ عشق بد بلا ہے نہ سمجھے تھے اے نصیر
اب دل گنوا کے کہتے ہو کیوں ہائے ہائے دل

نصیر

مرزا ناصر علی صاحب ۔

چار دن جاناں غنیمت ہے یہ ہنسنا بولنا
پھر کہاں یہ لطف صحبت ہے نہ ہنسنا بولنا
ہو گیا ثابت صدائے خندہ گل سے ہمیں
تازگی بخش طبیعت ہے یہ ہنسنا بولنا
جام خنداں قلقل مینا نہ ہو کم ساقیا
بزم عالم میں غنیمت ہے یہ ہنسنا بولنا
مسکراؤ لب ہلاؤ نیم بسمل ہے نصیر
تیزی تیغ شہادت ہے یہ ہنسنا بولنا

نطق

شیخ مقصود احمد صاحب باشندہ کاکوری ضلع لکھنؤ ۔

ترے ستم سے کچھ ایسی ادا نکلتی ہے
کہ خود بخود مرے دل سے دعا نکلتی ہے

ملال زلف میں جاناں کے جان جاتی ہے
ہزار شکر ہے گھر سے بلا نکلتی ہے
وہ لوگ اور ہیں اے لطق بد دعا والے
ہمارے منہ سے تو سب کو دعا نکلتی ہے

سینے میں حسرتوں سے جگہ ایسی بھر گئی
امید کشمکش میں پڑی دب کے مر گئی
آنے سے تیرے میں جو بچا غیر مر گیا
بھاگی جو میرے گھر سے تو موت اس کے گھر گئی
جمعیت حواس کا شیرازہ کھل گیا
جوڑہ وہ کیا کھلا کہ طبیعت بکھر گئی
کیا دلفریب وہ نگہ شرمگیں ہے لطق
تھی آنکھ میں ہنوز کہ دل میں اتر گئی

ہوا ہے درد محبت سے دل مرا پھوڑا
جو ٹھیس سانس کی لگ جائے گی لہو دے گا

گرمیٔ رفتار سے میرے بیاباں جل اٹھا
لگ گئی ٹھوکر جو چلتے میں تو داماں جل اٹھا

نظام

سید نظام شاہ ابن سید احمد شاہ شاگرد رشید نواب یوسف علی خان بہادر ناظم مرحوم والئے رام پور ۔ سرکار رام پور کے متوسل تھے ۔ شیخ علی بخش بیمار سے بھی اصلاح لی تھی ۔ پچاس برس کی عمر میں ۱۲۸۹ھ میں قضا کی ۔ نواب کلب علی خان بہادر نے ازراہ بندہ نوازی دیوان مرتب کرایا۔ اس کا انتخاب ضبط تحریر میں آیا ۔

الٰہی اور تو سب کچھ تو دے جیسے چاہے
وہ بت ملے مجھے صدقہ تری خدائی کا

نہ وہ مانتے ہیں نہ میں مانتا ہوں
سفارش کسی کی دلاسہ کسی کا

مرنے کا لطف زیست سے مجھ کو ہوا سوا
گھبرا کے ان کا کہنا کہ ہے ہے یہ کیا ہوا

سو دن ہیں شکایت کے وہ سو بار ملیں گے
بے تابیٔ دل مجھ کو پریشان نہ کر آج

کر کے پرزے مرے نامے کے کہا قاصد سے
ایک کاغذ کے عوض سینکڑوں لے کاغذ

نہ پوچھو میرے آنے کا سبب تم
میں خود حیراں ہوں اس محفل میں آ کر

آپ آئیں اور اپنے وعدے پر
اور قسم بھی تو میرے سر کی قسم

آ جائے کچھ نہ رحم مرے حال زار پر
اس واسطے وہ دیکھتے ہی اب ادھر نہیں

انکار پر نہ صبر نہ اقرار پر یقین
یارب پڑی ہے جان مری کس عذاب میں

کس کس طرح ستاتے ہیں یہ بت ہمیں نظام
ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ
یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائے غیر
اور اس کی داد چاہیں مجھے وہ دکھا کے ہاتھ
وہ زانوؤں میں سینہ چھپانا سمٹ کے ہائے
اور پھر سنبھالنا وہ دوپٹہ چھڑا کے ہاتھ
دینا وہ اس کا ساغر مے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر ادھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ

نظام[۱]

نواب غازی‌الدین خاں بہادر مرحوم وزیراعظم عالمگیر ثانی خلف‌الرشید نیروز جنگ نبیرہ نظام‌الملک آصف جاہ بانیٔ ریاست حیدرآباد دکن ۔ آپ خوبصورت صاحب وجاہت عالی ہمت مجمع قابلیت مخزن جوہر انسانیت معدن شخصیت صاحب شجاعت و مروت کان فتوت و سخاوت ہیں جملہ علوم میں استعداد کامل رکھتے ہیں ۔ چھٹپنے میں ان سے بہت بڑے بڑے کام وقوع میں آئے ہیں ۔ لیکن تقدیر موافق ان کی تدبیر کے نہ ہوئی ۔ ذہن و فکر صائب اور سچا رکھتے تھے زبان فارسی ۔ ہندی ترکی ۔ عربی میں شعر موزوں کرتے تھے ۔ نہایت ہی خوش تلاش تھے ۔ دہلی میں اجمیری دروازہ کے

۱ ۔ از تذکرہ شوق

باہر جو مدرسہ ہے انہیں کا بنوایا ہوا ہے ان کی قبر بھی اسی کے اندر ہے ۔ چند شعر ان وزارت پناہ امارت دستگاہ سے سننے میں آئے جو کہے جاتے ہیں :

زلف کا کھولنا بہانا تھا
مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

ہمارے جامۂ کہنہ سے بے کی بو نہ گئی
سیاہی مو کی گئی دل کی آرزو نہ گئی

نہیں عاشق کسی کا تو گرفتاری کو کیا جانے
ابھی تو آپ ہی لڑکا ہے سچ یاری کو کیا جانے

اعجاز لب اس کا دم عیسیٰ سے نہیں کم
وہ پنجہ سیمیں ید بیضا سے نہیں کم
معدوم کو کیوں کر کوئی ثابت کرے دانا
مضمون کمر یار کا عنقا سے نہیں کم

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسر
کیا جانیے کس وقت مری آنکھ لگی تھی
پھر باتیں تمہاری میں سنوں حضرت ناصح
یہ کہدو کہ تم نے اسے دیکھا تو نہیں ہے

یہ نہ کہیئے مری بلا آئے
وہ بھی تو میرے گھر نہیں آتی

ایسی حسرت سے جان دی کہ تجھے
اک تماشا دکھا دیا میں نے

وہ بت نہ کہنے میں ہو مرا دل تو بس میں ہو
للّٰہ اس قدر تو مجھے اختیار دے

آتا نہیں سمجھ میں کسی کے مرا مرض
تم بھی تو آ کے دیکھو یہ کیا ہوگیا مجھے

اب تو سب کا ترے کوچے ہی میں مسکن ٹھہرا
یہی آباد ہے دنیا میں زمیں تھوڑی سی

ایسا رونا نصیب ہو کس کو
اشک پونچھیں وہ اپنے دامن سے

نظام و رعنا

نظام الدولہ نواب محمد مردان علی خاں بہادر سابق دیوان ملک مارواڑ۔

نکالا ہے ہمیں آخر بہشتِ بزمِ جاناں سے
در اندازی سے غیروں نے کیا ہے کام شیطاں کا
برات عاشقاں بر شاخِ آہو دل پکار اٹھے
تصور میں جو ہو منظور بوسہ چشم جاناں کا

ترکِ اسلام کیا ، مذہب و ایماں چھوڑا
حیف اک بت کو نہ مردان علی خاں چھوڑا

گردشِ چرخ نے ایک ایک کو برباد کیا
نہ تو کافر کوئی چھوڑا نہ مسلماں چھوڑا
لاکھ وہ دست و گریباں ہوا لیکن میں نے
مرتے مرتے بھی نہ اوس شوخ کا داماں چھوڑا

نل بھلا وجہ فروغِ روئے روشن کیوں نہ ہو
بزمِ عالم میں کبھی جلتا ہے بے روغن چراغ
ڈالتے ہیں شمع رو کیوں روز روشن پر نقاب
چھپ نہیں سکتا کسی صورت پسِ چلمن چراغ

گھونگٹ میں مجھ کو ابروئے قاتل نظر پڑا
شمشیرِ برہنہ نظر آئی غلاف میں
اے بحرِ حسن کچھ مرے دل کی خبر بھی ہے
ڈوبا چہِ ذقن میں کہ گرداب ناف میں

غارتِ ملکِ دل و دیں پہ کمر باندھی ہے
کیا ہوئے میرے لیے تم بھی ہلاکو پیدا
تم کو دیوانے اگر ہم سے ہزاروں ہیں تو خیر
ہم بھی کر لیں گے کوئی تم سا پری رو پیدا

جو عالی ظرف دریا دل ہیں پی جاتے ہیں غصے کو
در آتے ہیں انھیں کوزوں میں اور دریا سماتے ہیں
کیا ہے ذبح مرغِ نامہ بر کو اس نے کہتے ہیں
رقیبوں سے خدا سمجھے جو بے پر کی اڑاتے ہیں
مسی ہے لب پہ ہاتھوں میں حنا ، رخسار پہ غازہ
خود آرا کسی نیرنگی سے رنگ اپنا جماتے ہیں

زخم کے منہ سے بات کیا نکلے
لال ہے طاقت مقال نہیں
رشک سے غیر کو جلانا ہے
وصل کا آپ سے سوال نہیں
ہجر میں ہو گیا وصال نظام
ہجر کیوں کر کہوں وصال نہیں

عجیب صبح شبِ وصل یار کا ہے سماں
ہم ان کے منہ کو وہ روئے سحر کو دیکھتے ہیں
مکانِ غیر کے دھوکے میں شب جو آ نکلے
کبھی وہ مجھ کو کبھی میرے گھر کو دیکھتے ہیں
جو عیب ہیں ہیں ہنر پر نظر نہیں کرتے
ہنر پسند بشر کے ہنر کو دیکھتے ہیں

جسے سب گور کہتے ہیں وہ اپنا کنج عزلت ہے
اجل دنیا میں ناجنسوں سے گویا منہ چھپانا ہے
خدا سے بھی معاذاللہ مجھ کو رشک ہوتا ہے
جو سنتا ہوں کہ ان کو خدا کو منہ دکھانا ہے
ڈبو دیتی ہے دولت مفت کی دنیا میں انساں کو
گیا قاروں زمیں میں بارِ غم سر پر خزانہ ہے

موئے پر مجھ سے وہی رنج یار باقی ہے
ملایا خاک میں لیکن غبار باقی ہے

نام
منشی سید نظام الدین اڈیٹر و مہتمم احتشام الاخبار جاورہ۔ لیاقت

علمی مشغول ہے ۔ نواب جاورہ کے مصاحب بھی ہیں ۔

صورت عیاں ہے اس سے تمھارے حجاب کی
اب خود نقاب کو ہے ضرورت نقاب کی
زاہد کو موت آ گئی حوروں کے عشق میں
اچھی سزا ملی عمل ناصواب کی

اثر نے نہ لی خواب غفلت سے کروٹ
اٹھے رات شور و فغاں کیسے کیسے
ہوئے تازہ غم دل پہ ہر روز نازل
ستاتے رہے مہماں کیسے کیسے
دیا جن کو دل وہ ہوئے دشمن جاں
بنے دلستاں جاں ستاں کیسے کیسے

پیش نگاہ دیدۂ دل سو بسو نظام
جلوے عیاں ہیں قدرت پروردگار کے
یار اور وصل مطرب و ساقی و کنج باغ
سب چوچلے تھے زندگیٔ مستعار کے
جادو جگا کے بخت ہمارا سلا دیا
قائل ہیں ہم تو اس نگہ شرمسار کے

ستم گروں کی روش ہے نہ قاتلوں کی ادا
یہ کس سے سیکھی ہے ظالم یہ ہے کہاں کی طرح
اگر تم آؤ تو دل سے ابھی نکل جائے
وہ آرزو کہ جو رہتی ہے مہماں کی طرح

پھرا زمانہ تری گردش نگاہ کے ساتھ
کہ دورِ چشم بھی ہے دورِ آسماں کی طرح
نشان قافلۂ رفتگاں نہیں ملتا
بھٹکتے پھرتے ہیں ہم گردِ کارواں کی طرح[۱]

غضب کی ہے ہر بات جانی تمھاری
لڑکپن تمھارا - جوانی تمھاری
لڑکپن میں تم آگ برسا رہے ہو
گرائے گی بجلی جوانی تمھاری
سب اچھے سہی ہم برے بندہ پرور
چلو دیکھ لی قدر دانی تمھاری
میں پردہ اُلٹ دوں گا ہاتھوں سے اپنے
سنوں گا نہ اب لن ترانی تمھاری
یہ کہتا ہے میرا جنوں ناصحوں سے
کبھی تم نے اور ہم نے مانی تمھاری[۲]

نظامی

جناب میرزا منیر الدین احمد صاحب خلف شاہ آغا محمد صاحب جبلپوری[۳]

وصل گر آج نہیں کل سہی وعدہ ہو جائے
زندگی کا تو مری جان سہارا ہو جائے
باز آیا میں ترے روز کے اقراروں سے
فیصلہ آج مرا اور بت ترسا ہو جائے

---

۱ - از گلچیں
۲ - از پیام عاشق
۳ - پیام عاشق

پھیر بھی دے کہیں للہ گلے پر خنجر
ملے بھی قاتل یہ کہیں روز کا جھگڑا ہو جائے
منع کرنے کا نہیں میں دل وحشی کو کبھی
یہ اگر کوچہ دلدار میں جاتا ہو تو جائے
شیخ جی جاتے تو ہیں آپ سوئے میخانہ
بزم رنداں میں تبرک نہ عمامہ ہو جائے

تا نہ باقی رہے جانے کا بہانہ کوئی
کام سب آلبو نپٹا کے مری جان اپنا
کلمہ ہم نے تو بتوں کا پڑھا زاہد تجھے کیا
اعتقاد اپنا ہے دل اپنا ہے ایمان اپنا
باولی ہے تری چاہت میں زلیخا او بت
دل فدا کرتا ہے تجھ پر مہ کنعاں اپنا
اپنے مجنوں سے یہ لیلیٰ نے دم نزع کہا
حال کیجو نہ مرے بعد پریشان اپنا
لے لیا کس نے ہوا کیا یہیں بیٹھے بیٹھے
ابھی پہلو میں تھا اپنے دل ناداں اپنا
بات پیچھے کرے اس گل سے نظامی پہلے
منہ تو بنوائے چمن میں گل خنداں اپنا

مرنے دم دیکھنے پائے بھی نہ جی بھر کے انہیں
مہلت اتنی بھی نہ دی آہ قضا نے ہم کو
بن گئی بات شب وصل بگڑ جانے سے
منتیں کر کے لگے خود وہ منانے ہم کو
لقد دل لے کے نہ فرمایا زباں سے کچھ بھی
بوسہ دے کر لگے احسان جتانے ہم کو

ہائے اس لام نے اسلام ہمارا کھویا
کیا ہے دین خم زلفِ دو تا نے ہم کو
کعبہ والوں نے کمر راہزنی پر باندھی
خال ابرو ہی لگا آہ ستانے ہم کو
دل نہ دینا تھا کسی رشک پری کو ہرگز
دی سمجھ پہلے نہ افسوس خدا نے ہم کو

نظر

سخنور خوش فکر منشی نوبت رائے نظر لکھنوی مالک رسالہ خدنگ نظر ۔

سننے والے خوب روئے میرے حالِ زار پر
یوں ہی میری عمر کا پیمانہ آخر بھر گیا

دل کہتا ہے امید کسے وصل بتاں کی
امید یہ کہتی ہے خدا کو نہیں دیکھا

دکھا کے باغ تمنا بہار محویت
ملوں میں رنگ میں رنگ اور بو میں بو ہو کر

جاتا نہیں مرے پر بھی انتظار جاناں
آنکھوں میں رہ گیا ہے آنکھوں سے وہ نکل کر

کہاں ہیں وہ جو جلاتے تھے زندگی میں ہمیں
بجھا ہے دل بھی ہمارا چراغ مدفن بھی

نظر

شیخ مولا بخش صاحب باشندہ اچھولہ شاگرد جناب وسیم خیر آبادی ۔

دل کسی عاشق کا کر کے پائمال
یہ تو کہئے آپ کو کیا مل گیا

لگا کر اوچھے اوچھے ہاتھ قاتل
کسی بسمل کو تڑپانا ستم ہے
ہوئے بیخود جو تیری جلوہ گہہ میں
اب ان کا ہوش میں آنا ستم ہے
نظر ان کا نظر کے سامنے ہے
چھپا کر منہ چلے جانا ستم ہے

جنوں میں بیٹھتے اٹھتے خدا سے کرتی ہیں
بتوں کے ظلم کی فریاد بیڑیاں میری
وہ دل جلا ہوں کہ سوز دروں سے تا محشر
زمیں تپے گی بنے گی لحد جہاں میری
میں ان کو دیکھ کے جی اٹھوں جن پہ مرتا ہوں
وہ آئیں نزع میں قسمت ہے یہ کہاں میری
کلیجہ تھامئے دل کو سنبھالئے پہلے
پھر آپ بیٹھئے سنئے تو داستاں میری
ہزار بار چمن میں بہار آئی گئی
کبھی نہ پھولی پھلی شاخ آشیاں میری[۱]

۱ - گلدستہ کلیمی

نظم

مرزا آغا حسن صاحب لکھنؤی شاگرد جناب مونس مرحوم لکھنؤی۔

کعبۂ دل میں ہمارے نہ بتوں کو ڈھونڈو
نکلے جس گھر سے پھر اس گھر میں یہ گھر کیا کرتے
زلفیں الجھا کے جو سودائی بنا لیتے ہیں
وہ مرے حال پریشاں پہ نظر کیا کرتے

نہ بے رخی سے لگاؤ جگر پہ تیر مژہ
خدنگ ناز تمھارا کبھی خطا نہ کرے

جفا اٹھائی سہے ظلم یار کے اے نظم
مگر زباں کبھی شکوہ سے آشنا نہ کری

دریائے غم میں ڈوب کے ابھرا نہ پھر یہ دل
طوفان عشق نے مری کشتی تباہ کی

نظم

مولوی سید علی حیدر صاحب نظم لکھنؤی عالم اکمل و فاضل اجل
۔ فی الحال نظام کالج حیدر آباد دکن میں پروفیسر علوم مشرق ہیں۔

کیا جو تو نے دل ناصبور میں نے کیا
بتا کہ تو نے کیا یا قصور میں نے کیا
یہ تم کہو کہ نہ آنا یہاں نہ آؤں میں
ضرور تم نے کہا اور ضرور میں نے کیا
کہا تھا کس نے کہ موسیٰ سے تو لڑا آنکھیں
اشارہ تھا تجھے اے برق طور میں نے کہا

جہاں کہیں ہوئی کثرت رہا میں آپ سے دور
جہاں ملی مجھے خلوت ظہور میں نے کیا
پھرا نہ موج حوادث سے لا کھ منہ پھیرا
چڑھاؤ کاٹ کے آخر عبور میں نے کیا
اب اپنے پاؤں سے بیڑی میں سر نہیں اٹھتا
سزا یہ اس کی ہے جیسا غرور میں نے کیا

میں تو اب چپ ہوں مگر اس خون ناحق کا گواہ
دامن جلاد بھی ہے خنجر فولاد بھی
یہ غزل خوانی نہیں اے نظم ہے صورت گری
بارہد بھی محو حیرت ہو گیا بہزاد بھی

دل اس کے سامنے ہے وہ ہے دل کے سامنے
پردہ جو ہے آنکھ کے اک تل کے سامنے
حق کو فروغ ہوتا ہے باطل کے سامنے
ناقص کا حال کھلتا ہے کامل کے سامنے
کیسی نگاہ یاس نے تصویر کھینچ لی
قاتل کا منہ اتر گیا بسمل کے سامنے[۱]

نہ پا سکے گل مقصود اس بہار سے ہم
اٹھائے داغ چلے باغ روزگار سے ہم
ہوئی کدورت دل دور خاکساری سے
اس آئینے میں جلا رکھتے ہیں غبار سے ہم

---

۱ ۔ عطر فتنہ

کوچے میں ترے ہے غم عالم سے رہائی
ہے یہاں کی ہوا اور فلک اور زمیں اور

نگاہ اس سے لڑی دل کا غیر حال ہوا
گناہ کس نے کیا آگئی قضا کس کی
قدم پہ اس کے گرا سامنے ہی ناصح کے
لحاظ کس کا کہاں کا ادب حیا کس کی

چل گیا مجھ پہ یہ دوہرا خنجر
پھر گئی آنکھ بھی مژگاں کی طرح
تیرے عاشق کا یہ دل تھا ظالم
توڑ ڈالا جسے پیماں کی طرح[۱]

میں بھی اس گلشن میں ہوں اور خانۂ صیاد بھی
نالہ وہ کھینچوں کہ جس میں برق بھی ہو باد بھی
غم نہیں اس کا اگر میں ہو گیا برباد بھی
دل تو ہے پہلو میں اور دل میں تمھاری یاد بھی
اب تو قائل ہے وفا کا وہ ستم ایجاد بھی
ظلم بھی ہے رحم بھی ہے داد بھی بیداد بھی
میری مشکل تو ہی کر آسان اے ابروئے یار
تیرا لوہا مانتا ہے خنجر فولاد بھی
کم نگاہی اس قدر بے التفاتی اس قدر
اک نگہ پر ہم بکے بھی ہو گئے آزاد بھی

۱۔ اردوئے معلیٰ جلد نمبر ۵

حشر میں ظالم نے یہ کہہ کر گلا گھونٹا مرا
ایک تو اپنا قصور اور اس پہ یہ فریاد بھی

جنون کے ولولے جب گھٹ گئے دل میں نہاں ہو کر
تو اٹھتے ہیں دھواں ہو کر گرے ہیں بجلیاں ہو کر
نہ جانے کس بیاباں مرگ نے مٹی نہیں ڈالی
بگولے جا رہے ہیں کارواں در کارواں ہو کر
کسی دن تو چلے اے آسماں باد مراد ایسی
کہ اتریں کشتیٔ بے پر کھٹالیں بادباں ہو کر

نظم

مولوی احمد خان لکھنؤی شاگرد پیارے صاحب رشید ۔

نظمی

منشی سید جلال الدین نظمی خلف سید نظام الدین مصنف رسالہ عمل و شعور و اڈیٹر جاورہ اخبار نظمی دفتر ٹھگی ڈکیتی اجمیر میں رجسٹری کلرک ہیں ۔

زلفوں میں بس کے نافے کرن پھول بن گئے
خوشبو مشک رکھتے ہیں دشت ختن کے پھول

حضرت واعظ ذرا دل سے تو اپنے پوچھیے
تم دل آزاروں میں ہو یا میں دل آزاروں میں ہوں

یارب یہ ستم مجھ سے تو دیکھے نہیں جاتے
وہ غیر کو سینے سے لگائے مرے آگے

واعظو رولھے ہیں وہ ان کو مناؤ
کام تم آؤ گے کس دن کے لیے

چھیڑنے کو مرے فرماتے ہیں بھولے بن کر
عشق کہتے ہیں کسے عشق میں کیا ہوتا ہے

گر نہیں آرزوئے وصل کا کانٹا دل میں
پھر یہ رہ رہ کے مری جان کھٹکتا کیا ہے

یہ

نظیر اکبر آبادی

تجھے کچھ بھی خدا کا ترس ہے او سنگ دل ترسا
ہمارا دل بہت ترسا ارے ترسا نہ اب ترسا

بے صدا آ کر لگا اور ہو گیا سینے کے پار
یہ خدنگ صاف تھا کس بے نشاں کی شست کا

یہ لیلیٰ کے اشکوں کی بیاباں میں نہیں نہر
پھوٹا کوئی مجنوں کے مگر پاؤں کا چھالا

نکلے جو راہ دیر سے اک ہی نگاہ مست میں
گبر کا صبر کھو دیا بت کو بھی بت بنا دیا
ہے کون سی وہ چشم نہیں جس میں اس کا نور
ہے کون سا وہ دل کہ نہیں جس میں اس کی جا

عیسیٰ کی قم سے حکم نہیں کم فقیر کا
ارنی پکارتا ہے صدا دم فقیر کا

شہر دل آباد تھا جب تک وہ شہر آرا رہا
جب وہ دل آرا گیا پھر شہر دل میں کیا رہا

اُس مہر پرانوار سے شبنم کی طرح ہم
گم ہوتے گئے ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

ادھر اس کی نگہ کا ناز سے آ کر پلٹ جانا
ادھر مرنا ، تڑپنا ، غش میں آنا دم اُلٹ جانا

دل ہوا جس دن سے بسمل ابروئے دل خواہ کا
تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

یہ جواہر خانہ دنیا جو ہے با آب و تاب
ایک صورت کا ہے دریا ، ایک معنی کا سراب

قرب سمجھا تھا جسے تو وہ ہے دوری اے شیخ
اس نے نزدیک سے پھینکا تجھے دور آخرکار

دیتے ہیں جان حور و ملک جس کی آن پر
کیوں کر دماغ اس کا نہ ہو آسمان پر

ہوں تیرے تصور میں مری جاں ہمہ تن چشم
دل ہے مرا جو آئینہ حیراں ہمہ تن چشم
اس آئینہ رو کے ہے تصور میں نظیر اب
حیرت زدہ نظارہ پریشاں ہمہ تن چشم

قطعہ

پکارا قاصدِ اشک آج فوجِ غم کے ہاتھوں سے
ہوا تاراج پہلے شہرِ جاں دل کا لگر پیچھے
سنو میں خون کو تو ساتھ لے آیا ہوں اور باقی
چلے آتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے لختِ جگر پیچھے

زلف ہو برسرِ احساں تو گرفتار کرے
چشم کی عین عنایت ہو تو بیمار کرے

پنجابی

یہ حسن دی بہاراں جس ویلے آندیاں نیں
کیہہ کیہہ طرح جگر وچ دھوماں مچاندیاں نیں
کوئی ندیسکدا ہے دیکھو ایدر تو پیارے
تم بن ہماری الکھیاں انجو بہاندیاں نیں

نظیر

خواجہ محمد نظیر ۔ ساکن بخشی محلہ ۔ پٹنہ ۔

زلف کہتی ہے کہ لا دام میں الجھا دل کو
رخ یہ کہتا ہے کہ کر محو تماشا دل کو
مار کر تیر نگہہ سے وہ مجھے کہتے ہیں
کیوں جی اس تیر قضا سے نہ بچایا دل کو

عمر بھر زلف کے پھندے سے رہائی معلوم
کس بلا میں مری قسمت نے پھنسایا دل کو
خلق میں آپ مسیحائے جہاں ہیں مشہور
کیجئے گا نہ ہمارے کبھی اچھا دل کو
چاہتا ہوں کہ ملے پاؤں تلے اس کو نظیر
پھر مجھے دیکھ کے مٹھی میں چھپایا دل کو

نظیر

سید نظیر حسین لکھنوی۔

اسیران قفس کو اتنی مدت قید میں گزری
سماں بھی یاد اب ان کو نہیں آتا گلستاں کا

کہیں نغموں سے مرغان چمن دل شاد کرتے ہیں
کسی جانب اسیران قفس فریاد کرتے ہیں
اعزا موت کی ہچکی سمجھ کر کیوں پریشاں ہیں
وہ مجھ کو نزع کے عالم میں شاید یاد کرتے ہیں
ذرا اپنے کلیجے کو سنبھالیں دونوں ہاتھوں سے
دکھایا تھا دلوں کو جن کے وہ فریاد کرتے ہیں

نظیر

منشی نظیر احمد صاحب لکھنوی۔

پھولا پھلا تھا کیسا یہ بوستاں ہمارا
فردوس بر زمیں تھا ہندوستاں ہمارا
افسوس باغباں نے اس کو اجاڑ ڈالا
اک شاخ سبز پر تھا جو آشیاں ہمارا

رشک و حسد نے اپنا تن من جلا دیا ہے
باقی نہیں ہے کوئی اب استخواں ہمارا
نااتفاقیوں سے ہم خود ہی مٹ رہیں گے
ناحق ہوا ہے دشمن یہ آسماں ہمارا
ہندو ہوں یا مسلماں دونوں ہیں ملک کی جاں
دونوں یہ کہہ رہے ہیں ہندوستاں ہمارا[1]

مژگاں کا عشق اے دل ناداں نہیں ہے خوب
اس میں بہت سے کانٹے ہیں رستہ بدل کے چل
دنیا کے سارے ملکوں نے کی ہیں ترقیاں
ہندوستان تو بھی اب آگے نکل کے چل
اے موت آ گیا ہے وہ رشک مسیح اب
بالیں سے میری تو کف افسوس مل کے چل

نعمت

شیخ نعمت اللہ صاحب میرٹھ کن تلمیذ حضرت شوکت میرٹھی۔

دل میں پہلو میں زیادہ جان سے رکھا عزیز
اور کیا کرتے تواضع ہم تمہارے تیر کی
ہاں دل بیتاب کو تسکین دینے کے لیے
رہ گئی ہیں ٹوٹ کر نوکیں تمہارے تیر کی

نعیم

نعیم اللہ[2] متوطن شاہجہاں آباد ہم عصر محمد حاتم حاتم۔ چنانچہ

۱۔ از اصلاح سخن

۲۔ صحیح نام محمد نعیم (مرتب)۔

اکثر مشاعروں میں طنزیہ گفتگو نعیم اللہ اور محمد حاتم کے درمیان رہتی تھی اور ایک ردیف اور قافیہ پر دونوں ہم عصروں نے اکثر غزلیں لکھی ہیں ایک روز محمد حاتم نے مشاعرے میں ایک غزل کا مطلع پڑھا جس میں محمد نعیم پر طنز تھی - وہ یہ ہے -

جس دن سے کوئے یار کا حاتم مقیم ہے
بدتر اسے خزاں سے بہار نعیم ہے

جب دورہ پڑھنے کا محمد نعیم تک پہنچا تو انہوں نے اپنی غزل کا یہ مطلع پڑھا :

طالب نہ ہو تو سلیماں کی کچھ بھی خاتم ہے
لب سوال اہ ہووے تو ہیچ حاتم ہے

غرض یہ کہ نعیم مذکور نے بعد ویرانی دہلی قصبہ آنولہ میں استقامت اختیار کی اور وہیں انتقال کیا - ایک دیوان مختصر زبان میں آپ کا ہے - یہ اشعار آپ کے طبع زاد ہیں :

احوال مرا سن کے کہنے لگا وہ ظالم
اب جائیے بس زیادہ تکرار نہ کیجئے گا

دیکھ آئینہ خانے میں گر تجھ کو نہیں باور
تجھ سے تو جہاں میں بھی دلدار بہت ہوں گے

جب مر چکے تب جواب آیا
قاصد تو بھلا شتاب آیا

تم جو وہ لطف و پیار بھولے ہو
اس قدر کس پہ یار بھولے ہو

میں بھی آوارگی میں کیسا ہوں
کیوں بھلا نوک خار سچ کہیو

دمبدم جھڑکی اور گالی ہے
تو نے یہ کیا زباں نکالی ہے

جب مانگتا ہوں میں اس سے سائل کی طرح بوسہ
کہتا ہے مجھے ہنس کر پھر مانگ خدا دیوے

دل میں ہو ہو گداز گلتے رہے
دم بخود شمع وار جلتے رہے
وہ ادھر دل کو لے گیا اے نعیم
ہم ادھر بیٹھے ہاتھ ملتے رہے

نعیم

حکیم مولوی نعیم الزماں خان صاحب مرحوم خلف شیخ وحید الزمان خاں مرحوم شاگرد رشید فخر الشعرا حضرت جناب امیر مینائی لکھنؤی۔ شعر خوب کہتے تھے۔ پاکیزہ زبان اور رسائی فکر کلام سے ہویدا ہے۔ مطبع سرکاری رام پور کے مہتمم تھے۔ جولائی ۱۸۸۹ء میں انتقال ہوا۔

ہم چھپائیں لاکھ اپنا راز الفت اے نعیم
پر چھپا رہنے بھی دے وہ آنکھ شرمائی ہوئی

ڈھونڈتے ہیں کے رہ تلاش میں ہم
نقش پا سے نشان منزل کے
کس کی حسرت نے دل جلایا ہے
اشک جاری ہیں شمع محفل کے

کشیدہ صبا ہے جو تربت سے میری
یہ کیا چھو کے آئی ہے دامن کسی کا

بنایا آسماں دردِ جگر سے
ستارے لے کے آہ پر شرر سے
وہ دیکھے اس طرف میری نظر سے
لیا ہے عہد میں نے نامہ بر سے
زباں رکھ لے جو میری اپنے منہ میں
زبانی بھی کہوں کچھ نامہ بر سے
بسانِ نقشِ پا کر کر نہ اٹھے
اٹھایا دردِ دل نے اس کے در سے
آگے مہندی ترے ہاتھوں کے قابل
لہو ٹپکے جو میری چشمِ تر سے
شہید ناز ہوں تیرِ مژہ کا
کفن دو مجھ کو دامانِ نظر سے

جنبشِ عرش سے حاصل ہمیں کیا ہے اے دل
نالے ایسے ہوں کہ ہوں دل کے ہلانے والے

یہی ہمدم ، یہی دل سوز ، یہی مونس ہے
شمع بالیں پہ میری بادِ صبا رہنے دے

نہیں ہے بے سبب نازِ برقِ ستم
جلا کر یہ آئی ہے خرمن کسی کا

اثر کو اور لھولڈے اب کہاں تک
دعا پھر آئی جا کر لامکاں تک
یہ اندازِ جفا سیکھے ہیں کس سے
نہ آئی موت جو مجھ لیم جاں تک

شوخی سے منہ کے شوخ نے کام اپنا کر لیا
کچھ بھی چلی نہ شرم و حیا کی نہیں نہیں
تیرِ نگاہ ناز سے زخمی ہوئے ہیں ہم
آئینہ دیکھ لیں اگر ان کو یقیں نہیں

دل میں اک درد محبت کا چھپا رکھا ہے
اور اس خانۂ برباد میں کیا رکھا ہے
بھولی بھولی وہ نگاہیں ہیں بلا کی عیار
دل کو جنجال میں گیسو کے پھنسا رکھا ہے

دل سے بھی مل لیں تمھیں بھی دیکھ لیں
گر یہاں آ جاؤ اک دن کے لیے

شوخیاں اُس کی نگاہوں کی ہیں ایسی کافر
ہوتے موسیٰ بھی تو وہ ایک نظر کے ہوتے

وہ ادا سے تیغ لے کر اپنے قتل کو نکلتے
تو وہ کون تھا جہاں میں جو نہ پھر حلال ہوتا

نعیم

محمد نعیم الدین احمد ۔

نفیس

مولانا اشرف علی ۔

نقیب

نقیب اللہ خاں ۔

نکہت

شیخ عبداللہ بریلوی ۔

نکہت

مرزا امتیاز علی بیگ دہلوی ۔

نکہت

مولوی سید آل حسن صاحب ۔

نکہت

حافظ غلام احمد دہلوی ۔

نکہت

منشی امان اللہ تلمیذ رحمت ۔

نگیں

حاجی مرزا محمد جان مرثیہ خواں۔

نمود

صاحبزادہ میاں عالمگیر محمد خاں فرزند رشید نواب دستگیر محمد خاں خلف نواب جہانگیر محمد خاں شمشیر جنگ معروف بہ نواب دولہ والی بھوپال شاہجہاں بیگم صاحبہ کے بھتیجے اور ریاست کے عمائد میں ہیں۔ بارہ ہزار سالانہ کی جاگیر بھی ہے۔ فن شعر میں میاں عنایت محمد خاں راسخ سے فیض پایا ہے۔ ۱۲۷۸ھ سال ولادت ہے۔ شعرائے بھوپال کا تذکرہ موسوم بہ شبستان عالمگیری آپ کی تالیف شائع ہو چکا ہے فارسی اور انگریزی پر دو زبانوں کے ماہر ہیں۔ گاہے گاہے شعر گوئی بھی کرتے ہیں۔

گور مجنوں محمل لیلی بنے کی عشق میں
مظہر شیریں مزار کوہکن ہو جائے گا

تو ہے وہ آئینہ رو اے شہ ملک خوبی
آئینہ لے کے ہئے نذر سکندر آیا
سمجھا میں عشق مجازی نے جو کی دل میں جگہ
جادۂ عشق حقیقی کا یہ رہبر آیا

نوا

ظہور الدولہ ظہیر الملک سعدی ہندوستان جناب ظہور اللہ خاں ولد مولوی دلیل اللہ باشندہ بدایوں شاگرد حکیم بقا اللہ خاں بقا لکھنوی صاحب دیوان گزرے ہیں۔ میر انشا اور جرات کے ہمعصر تھے۔ جرات نے ان کی ہجو بھی کہی۔ ایک مدت ایران میں آپ کو مرزا ـ ـ ـ کے

مشاعروں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہاں سے واپس آ کر لکھنؤ گئے۔

کیجو نہ اے رقیب تو اس کی مصاحبت پہ ناز
کچھ دنوں بزم یار میں ہم کو بھی اعتبار تھا

مسلماں ہو کے سر ہم آپ کے قدموں پہ دھرتے ہیں
بتو لو اور کیا کہتے ہو سجدہ تم کو کرتے ہیں

کیا قیامت ہے کہ وہ آپ تو آ جاتے ہیں
میں بلاتا ہوں تو کہتے ہیں بلا آتی ہے

اس پائے حنائی پر رو کر جو رکھوں سر کو
کس ناز سے وہ ہنس کر کہتا ہے کہ بس سر کو

تھکا ہے منزلوں کا یا پیام پاس لاتا ہے
الٰہی خیر کیجیو نامہ بر کچھ سست آتا ہے

برنگ نقش پا اس در کی جب میں نے زمیں پکڑی
اٹھانے کو کسی نے پھر نہ میری آستیں پکڑی
انہیں کیا لطف ہستی ہو جنھوں نے نازنینوں کی
نہ چشم عشوہ زا دیکھی نہ ساق نازنیں پکڑی

تا نزع قاصد اس کی لے کر خبر نہ آیا
پیغام مرگ آیا پر نامہ بر نہ آیا

گردش نصیب ہوں میں اس چشم پرفسوں کا
دور فلک بھی جس کے فتنے سے بر نہ آیا
دیوانۂ پری کو کب اُنس اِنس سے ہو
جو اس کے در پر بیٹھا پھر اپنے گھر نہ آیا
خوبان جور پیشہ گزرے بہت ولیکن
تجھ سا کوئی جہاں میں بیداد گر نہ آیا
دیوار سے پٹک کر سر مر گئے ہزاروں
پر تو وہ سنگدل ہے بیرون در نہ آیا
غمازیوں نے ڈالے آپس میں تفرقے یہ
برسوں ہوئے کہ واں کا کوئی ادھر نہ آیا
کس کس اذیتوں سے مارا نوا کو تو نے
کچھ بھی خدا کا ظالم تجھ کو حذر نہ آیا[1]

نواب

مشیر قیصر ہند و فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ نواب کلب علی خاں بہادر جی ۔ سی ۔ ایس آئی والئی رام پور خلف الرشید نواب یوسف علی خاں ناظم ۔ مولانا فضل حق خیر آبادی سے جو اپنے وقت کے علما میں بڑے مستند اور گرامی قدر تھے معقول اور منقول کی تحصیل کی تھی ۔ اکثر علوم و فنون میں دستگاہ کامل حاصل تھی اور اگرچہ ریاست چنداں وسیع نہ تھی لیکن علو حوصلگی بڑی تھی جملہ علوم و فنون کے باکمالوں کو اپنی قدردانی سے ریاست کا دعاگو بنایا ۔ نمونۂ کلام حاضر ہے :

کیا یہاں سے وہاں سوا ہوگا
حشر میں بھی یہی خدا ہوگا

۱ ۔ از گلدستہ بدایوں ۔

اس کی بیداد پر تو مرتا ہوں
لطف کرتا تو کیا ستم کرتا

حشر تک تجھ کو مبارک رہے رونا نواب
رکھ دیا آنکھ پہ اس شوخ نے دامن اپنا

دلبری کے چلن تو لاکھوں ہیں
اتنے دل میں کہاں سے لاؤں گا
اب کے گر بچ گیا تو نام وفا
پھر زباں پر کبھی نہ لاؤں گا

کون مقتل میں سنے گا میری فریادیں کہ تم
ہاتھ اٹھاؤ گے تو شور مرحبا ہو جائے گا

صدقے میں ایسی مرگ کے گر بعد قتل وہ
گھبرا کے بول اٹھے کہ یہ ہے یہ کیا ہوا
یہ کیا کیا جو کیا دعویٔ وفا نواب
کہ اس کو اور جفا کے لیے بہانہ ہوا

ساری دنیا کے مزے کھونا ہے جانا دل کا
سچ تو یہ ہے کہ برا ہوتا ہے آنا دل کا

غش میں بیٹھے رہے وہ سر کو لیے زانو پر
کاش تا حشر نہ میں آپ میں آیا ہوتا

جس پر ہزار ناز تھے نواب کو وہ دل
دو ہی اداؤں میں تری پامال ہوگیا

اثر آیا دعا میں آہ دم ہائے
دل میں جب کوئی مدعا نہ رہا

نواب

نواب عبدالرحمن خان والئے جھجھر۔

نواب

منشی نور محمد برہان پوری شاگرد جناب داغ دہلوی۔

حور کی آنکھیں ہیں ان آنکھوں کے بیماروں میں
سنبل خلد ہے زلفوں کے گرفتاروں میں
آج کوٹھے پہ چڑھا ہے کوئی افشاں چن کر
روشنی چاند میں ہے وہ نہ چمک تاروں میں
نہ گئی آہ زلیخا کی فلک تک اک روز
ٹکریں کھاتی رہی مصر کے میناروں میں

نوازش

سخنور خوش بیان مرزا نوازش حسین خاں لکھنوی معروف بہ میرزا خانی۔ شاگرد میر سوز مرحوم۔ مرزا رجب علی بیگ سرور مصنف فسانۂ عجائب ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ صاحب دیوان گزرے۔

حال بد کا شریک دنیا میں
نہ برادر نہ آشنا دیکھا
کیوں دلا ہم نہ تجھ سے کہتے تھے
جی لگانے کا کچھ مزا دیکھا
کیف میں کم بہت نوازش ہے
عشق خوباں میں جو نشہ دیکھا

زبسکہ رہتا ہے آنے کا اُس کے دھیان لگا
صدائے در پہ ہے در پردہ اپنا کان لگا

حرام نیند کی اقرار وصلِ جاناں نے
الہٰی کوئی کسی کا اُمیدوار نہ ہو

ایک میں کیا خود اگر دیکھے وہ صورت آفریں
اپنی صناعی پہ حیراں خود وہ صورت گر رہے

آغاز عشق ہی میں شکوہ بتوں کا اے دل
ٹک صبر کر ابھی تو کیا کیا ستم نہ ہوں گے

خدا ملے تو ملے آشنا نہیں ملتا
کوئی کسی کا نہیں دوست سب کہانی ہے

جو ہم تم پاس بیٹھے ہیں سنو یہ دم غنیمت ہے
یہ ہنسنا بولنا رہ جائے تو کیا کم غنیمت ہے

ساتھ وہ میرے جنازے کے لحد تک آئے
اے اجل تیرا قدم مجھ کو مبارک ہووے

یوں ہوا سے ہوگئی وہ زلف گرہ گیر اُلٹ
بیشتر جاتی ہے جوں موج کی زنجیر اُلٹ
جس مرقع میں کھنچے لیلیٰ و مجنوں تھے ہم
دیکھ کر اُس نے مجھے دی وہی تصویر اُلٹ

وعدہ قتل ہے کل رات کی لیت ہو حرام
دیں اگر طالع برگشتہ نہ تدبیر اُلٹ
تھی بدل مجھ سے طبیعت تری برگشتہ زبس
دمِ کشتن گئی قاتل تری شمشیر اُلٹ
خوابِ خرگوش نہیں خوابِ نوازش ہے یہ
بوسہ دے ڈال نہ بس خواب کی تعبیر اُلٹ

یادگارِ گزشتگاں ہیں ہم
دیکھ لو سن لو پھر کہاں ہیں ہم
نغمہ سنجانِ گلشنِ اشعار
بلبلِ باغِ بیخزاں ہیں ہم
جلوہ گر ہم سے بزمِ عشرت ہے
رونقِ محفل و مکاں ہیں ہم

نوازش

نواب نوازش الدولہ محمد دلاور علی خاں صاحب لکھنوی۔

وہی ہم ناتواں ہیں گھر میں کروٹ لے نہ سکتے تھے
توانا ہوگئے جب سے تری محفل میں رہتے ہیں
نزاکت کا برا ہو جب کسی کو ذبح کرتے ہیں
وہ اتنی دیر کس آفت میں کس مشکل میں رہتے ہیں
وہ لے چلا تو ہے مجھ تیرہ بخت کا نامہ
کہیں نہ راہ میں بجلی گرے کبوتر پر
موت سے بڑھ کے شفائے مرضِ ہجر نہیں
اقربا کیوں مجھے جینے کی دعا دیتے ہیں

کوئی میخوار مگر دفن ہے میخانے میں
جذب ہو جاتی ہے مے گرتے ہی پیمانے سے

ایک ہے میکدہ و باغِ جناں اے ساقی
بھیڑ ہے تا لبِ کوثر ترے میخانے سے
درِ دلدار کو اللہ سلامت رکھے
آزمانا ہے نوازش کو مقدر اپنا

نوح

منشی محمد نوح ناروی ۔ شاگرد داغ ۔ صاحبِ دیوان ۔

نور

نواب محمد نور الحسن خاں خلف نواب محمد احمد حسن خاں ولد نواب احمد علی خاں مرحوم قوم کنبوہ شاگرد حضرت ہوش ۔

کون اس کے روئے انور سے مقابل ہو سکے
جس کے کفش پا کا ہو اے آسماں گل آفتاب
نور اس پر بھی نہ اس چہرے کے ہم سر ہوسکے
سورہ والشمس بھی پڑھ لے اگر کل آفتاب

ماہ نظروں سے ہمارے وہیں گر جاتا ہے
جب تری چاند سی صورت پہ نظر کرتے ہیں
مرے آنسو بھی مرے واسطے غماز ہوئے
راز دل کی مرے لوگوں کو خبر کرتے ہیں
کھانے پینے سے نہیں کام شب و روز ہمیں
یاد میں اس رخ و گیسو کی بسر کرتے ہیں
ہم وہ زندہ ہیں کہ مردے ہمیں سب جانتے ہیں
زندگی موت کے قالب میں بسر کرتے ہیں

کعبہ دل کو مرے ڈھائیں نہ کیوں کر معشوق
بت کافر کہیں اللہ کا گھر کرتے ہیں

خون بعد قتل یہ قاتل کا دامن گیر ہو
قطرہ قطرہ چمکے یارب جوہر شمشیر ہو
چال سیدھی ہم جوانوں سے چلے کیا چرخ پیر
کیا کماں کج میں پیدا راستیٔ تیر ہو

چمن کے دھانی جو پوشاک وہ کبھی آویں
تو کیوں نہ نخل تمنا مرا ہرا ہو جائے

کسی بشر کو تو کر اپنے خلق سے خوش تو
کرے تو کام وہ کر لے جو یادگار رہے
شگفتہ غنچۂ دل ہر گھڑی نہ ہو کیوں کر
جو رات دن مرے سر میں ہوائے یار رہے

اے کبوتر ہے تجھے پیک سلیماں کی قسم
یار کے پاس پہونچنا تو ہوا سے پہلے

بہت میں نے چاہا کہ اُلفت تری
نہ ہو آشکارہ مگر ہو گئی

رہنے دو پردہ رخ یہ دکھالیے گا اب کسے
موسیٰ سا کون طالب دیدار آئے گا

جب بیکسی میں دوست بھی دشمن ہوئے مرے
پھر کون بعد موت کے غم خوار آئے گا

جیتے جی اطلاق مردوں کا ہو اے جان جہاں
یہ اثر دیکھا ہے ہم نے عشق کے آزار میں

نور

جناب میر مظہر علی صاحب تلمیذ جناب جلیل ۔

رواں مجھ پر جو ترا خنجر خونخوار ہو جاتا
تو دو ہی ہاتھ میں دریائے غم سے پار ہو جاتا
یہ میرا ہی جگر ہے جھیلتا ہوں رات دن کڑیاں
جو کوئی اور ہوتا جان سے بیزار ہوجاتا
چڑھاتا سر جو میرا کاٹ کر جلاد سولی پر
شہیدان قد موزوں کا میں سردار ہو جاتا
ادب ہوتا نہ دامن گیر خون گرم بسمل کا
تو سارا پیرہن قاتل ترا گلنار ہو جاتا
اگر وہ نزع میں تشریف لاتے مرنے والے کی
وہ بچ جاتا نہیں تو آخری دیدار ہو جاتا
ترے اس شور سے اے نالۂ دل بات تو جب تھی
اگر یہ بخت میرا خواب سے بیدار ہو جاتا
تسلی کچھ تو ہو جاتی دل بیتاب کی میرے
وفا ہو یا نہ ہو جھوٹا کوئی اقرار ہو جاتا
اگر اک پنکھڑی بھی مانگتا چرخ ستم گر سے
یہ دیتا داغ سینہ تفتہ گلزار ہو جاتا

بہت اچھا ہوا جو آ گئے تم اپنے وعدہ پر
نہیں تو آج کا سامان یہ بے کار ہو جاتا
یقیں ہے نور تم سے صاف دل ہے وہ ہلال ابرو
کھنچا ہوتا تو جانو برہنہ تلوار ہو جاتا[1]

متاع حسن کی بھی ہیں عجب نیرنگیاں یارب
خریداروں کو یوسف دام لے کر مول لیتے ہیں
یہ سنتا تھا گلے کا ہار میرے ہو گئے آنسو
وہ مالی حسن کے خوش آب گوہر مول لیتے ہیں
دیا ہے دل تو دیں گے جان بھی ہم اپنے یوسف کو
ہوئی جب چاہ تو قیمت بڑھا کر مول لیتے ہیں
جو پیش آتے ہیں الفت سے مروت سے عنایت سے
حقیقت میں وہ ہم کو نور بے زر مول لیتے ہیں

نو قافیتین

وہ جب بند نقاب روئے انور کھول لیتے ہیں
خریداروں کو اک جلوہ دکھا کر مول لیتے ہیں
سرکتا ہے جو دامن چشم گوہر بار سے اپنے
ہزاروں سینکڑوں موتی سمندر رول لیتے ہیں
سنا کچھ آپ نے اس کا لفافہ کھل گیا مجھ پر
مرا خط نامہ بر سے مخبر لے کر کھول لیتے ہیں[2]

نور
میر وزیر صاحب

---

۱ - محبوب الکلام
۲ - محبوب الکلام

اوج کی غزل پر خمسہ

اس رشک سہرو مہ کی ادا کچھ نہ پوچھیے
ہر آن پر ہے جان فدا کچھ نہ پوچھیے
خلوت میں لطف شرم و حیا کچھ نہ پوچھیے
سینے کی اس پری کی صفا کچھ نہ پوچھیے
تنہا ملے جو یار تو کیا کچھ نہ پوچھیے

پستان کا حسن رخ کی ضیا کچھ نہ پوچھیے
کیا چیز ہے وہ ماہ لقا کچھ نہ پوچھیے
ایک آئینہ ہے ہوش ربا کچھ نہ پوچھیے
سینے کی اس پری کی صفا کچھ نہ پوچھیے
ظاہر ہے راز پوچھیے یا کچھ نہ پوچھیے

دل جانتا ہے شب کو جو حاصل ہوا مزہ
جائے گا تا بہ زیست زباں سے نہ ذائقہ
کہنے کی جو نہ بات ہو اس کو کہوں میں کیا
ناگفتنی ہے لطف شب وصل یار کا
ناز و نیاز جو کہ ہوا کچھ نہ پوچھیے

آزردہ ہوں نہ گر تو کرے عرض کچھ غلام
کہتا ہوں راست طول سخن میں نہیں کلام
آساں نہیں ہے قصہ الفت کا اختتام
برسوں کے بعد ہوگی مری داستاں تمام
یا شب کو سنیے غور سے یا کچھ نہ پوچھیے

زلفوں کے عشق میں یہ ہوا ہوں نحیف و زار
غش ضعف کے سبب مجھے آتا ہے بار بار
امید زیست تا بہ سحر تھی نہ زینہار
مر مر کے رات کاٹی ہے میں نے بغیر یار
کیونکر ٹلی ہے سر سے بلا کچھ نہ پوچھیے

لاکھی تھی بے قصور جو تقدیر میں قضا
بے وجہ تیغ ناز سے سر کو جدا کیا
جب ذبح کر چکا تو اسے رحم آ گیا
پوچھا اگر کسی نے کہ یہ تو نے کیا کیا

قاتل نے سر جھکا کے کہا کچھ نہ پوچھیے

ممکن نہیں کہ نفع کے بدلے ضرر نہ ہو
برعکس ہو علاج تو دوا کارگر نہ ہو
کس کام کا طبیب توجہ اگر نہ ہو
عیسٰی جو درد عشق ہی کا چارہ گر نہ ہو

مر جائیے تڑپ کے دوا کچھ نہ پوچھیے

دل دکھ رہا ہے اس کو دکھاتے ہیں اور آپ
میں غم زدہ ہوں مجھ کو ستاتے ہیں اور آپ
ذکر گزشتہ یاد دلاتے ہیں اور آپ
تشتیش حال کر کے جلاتے ہیں اور آپ

بس جائیے برائے خدا کچھ نہ پوچھیے

کس زور شور سے ہے رواں آبشار جو
ہے سطح آب آئینہ آب دار جو
نشوونمائے گل کا سبب ہے بہار جو
لہرا رہا ہے باغ میں سبزہ کنار جو

چھائی ہے کس طرح کی گھٹا کچھ نہ پوچھیے

خمسہ بر غزل شوکت

گرفتار رنج و بلا ہوگیا
مرا دوست دشمن مرا ہوگیا

یہ کیسا ستم اے خدا ہوگیا
وہ اہلِ وفا بے وفا ہوگیا
بھلا ہو کے وہ بت برا ہوگیا

مصیبت میں میں مبتلا ہوگیا
غم و رنج کا سامنا ہوگیا
جدا مجھ سے وہ مہ لقا ہوگیا
مقدر کی خوبی یہ کیا ہوگیا
غضب ہوگیا وہ خفا ہوگیا

ہوا بعد مدت وہ خلوت نشیں
لڑے لطف کی چہلے باتیں رہیں
خوشی میں ہوا دل ملول و حزیں
مکدر ہوا ہم سے وہ نازنیں
ابھی بیٹھے بیٹھے یہ کیا ہوگیا

اجل میری فرقت میں حافظ ہوئی
میں مر مر کے زندہ ہوا ہوں ابھی
مسیحا کی اس بت نے تقلید کی
جلایا کبھی مار ڈالا کبھی
مرا یار معجز نما ہوگیا

پڑی ہجر [illegible] مصیبت بہت
ہوئی ہجر میں غیر حسرت بہت
ابھی [illegible] کی ہر [illegible] بہت
ہی [illegible] محبت تو شوکت بہت
یہ دور فلک بارہا ہوگیا

نور

سید حسین حسن خلف حضرت شہیر مچھلی شہری ۔

شہید ہو کے میں حوروں سے ہم کنار رہا
جواب کنج ارم گوشۂ مزار رہا
کمی رہی نہ ذرا داغ عشق سے مجکو
خدا کی دین سے ہر وقت مالدار رہا
کبھی زمانہ کے ہاتھوں نہ میں نے سکھ پایا
ہمیشہ کشتۂ بیداد روزگار رہا
کبھی جو گولدہ لیا دل ہمارا چوٹی میں
تو سب سنگاروں میں چوٹی کا وہ سنگار رہا
پری جمالوں سے میں نے لگایا دل ناحق
میں نور ہو کے عبث مبتلائے نار رہا

نور

منشی صبغت اللہ حسینی سالک گلدستۂ فغان دل شاگرد تسنیم ۔
مدراس میں رہائش ہے ۔

غیر سے مل مل کے تڑپایا مجھے
اے بت کافر تجھے کیا مل گیا

طرفہ قاتل ہیں حسینان زمانہ اے نور
قتل کرتے بھی نہیں تلوار لگاتے بھی نہیں

پھیلاؤ گے جو شانہ پہ زلف سیہ کا دام
دل ہوں گے عاشقوں کے گرفتار اور بھی
سینچو اسے جو خون تمنا سے گل رخو
پھولے پھلے یہ حسن کا گلزار اور بھی

قرباں تری زباں کی لکنت کے مری جاں
دیتی ہے لطف بات کی تکرار اور بھی

وہ داغ اپنا دے کر یہ فرما رہے ہیں
کلیجہ میں رکھو یہ نشانی ہماری

تمہارا رخ کہیں گل ہے کسی جا شمع روشن ہے
تمہیں زینت ہو گلشن کی تمہیں رونق ہو محفل کی
میں از خود کب چلا ہوں سر بکف قاتل کے کوچہ میں
کشش کھینچے لیے جاتی ہے مجکو تیغ قاتل کی
نہیں ہیں داغ اے گلرو چمن لالے کا پھولا ہے
کبھی تو دیکھ آ کر سیر میرے گلشن دل کی
کھلیں گے ساتھ ہی اک دن شب وصلت میں یہ دونو
تیرا بند قبا اے شوخ اور میری گرہ دل کی
دیا کاندھا جنازہ کو نہ بھر فاتحہ آئے
ملیں مٹی میں ساری آرزوئیں حسرتیں دل کی

نور

نور جہاں طوائف لکھنوی مقیم بمبئی۔

عجیب طرح کا مجکو بھی انتشار رہا
تمام رات جو برہم مزاج یار رہا
چھپا نہ آپ سے حسن شباب جب اپنا
تو اپنے دل پہ ہمیں بھی نہ اختیار رہا
کچھ اس میں شک نہیں یہ ہے غضب کا افسانہ
تمہارا حسن مرا عشق یادگار رہا
تمام رات وہ پہلو میں غیر کے سوئے
بلا سے ان کی اگر کوئی بے قرار رہا

نہ رحم آیا انہیں میرے حال پر اے نور
تمام عمر میں فرقت میں اشکبار رہا

نور

شیخ محمد نورالدین ۔ ریاست ٹونک کے شرفا سے ہیں ۔ کتب درسیہ کی تحصیل اور اکتساب فن شعر حضرت ظہیر دہلوی سے کرتے ہیں ۔ ابھی ابتدا ہے ۔

یہ دور تا تمام خزاں و بہار کا
ہے اک طلسم گردش لیل و نہار کا
الٰہی قبر میں آتی ہیں یہ بیتابیاں کیسی
قدم ہم نے ابھی تو پہلی ہی منزل میں رکھا ہے

نور الٰہی

شیخ نور الٰہی دہلوی شاگرد مرزا سعید الدین احمد خان صاحب طالب ۔ ادویات انگریزی کے سوداگر ہیں ۔ طبیعت کی موزونی خداداد ہے غضب کی آمد ہے ۔ کئی سال سے دہلی میں میونسپل کمشنر ہیں ۔ قصیدہ جوبلی اور چند غزلیں نظر سے گزریں ۔

زخم ہجراں ہی تھا کافی جاں‌گدازی کو مری
رنج رشک غیر تو کیوں جان کا لیوا ہوا

نہ یوں پھر منتشر دل ہو نہ یوں پھر ہوں پریشاں ہم
اگر شیرازہ بندھ جائے تری زلف پریشاں کا

زاہد کو خیر گر ہوا طوف حرم نصیب
عشاق کو ہے گردش کوئے صنم نصیب

زر دار ہو کہ عاشق مفلس ہو ایک ہیں
ہوں داغ دل نصیب کہ نقش درم نصیب

عجب کیا لب زخم قاتل سے پوچھیں
بتا اب تو کچھ دل میں ارماں نہیں ہے
تجھے دیکھ کر ساتھ نعشِ عدو کے
کسے اپنے مرنے کا ارماں نہیں ہے

نور حق

شاہ محمد جمیل دہلوی ۔ ان کے جد امجد اورنگ زیب کی طلب پر بخارا سے آ کر اس منصب پانصدی سے ممتاز ہوئے تھے۔ ان کے والد مرزا جواں بخت ولی عہد کے ساتھ بنارس گئے تھے ۔ صہبائی سے اصلاح لیتے تھے ۔

دنیا میں ہوا عدم سے آنا اپنا
اور آ کے ہوا نہ یاں ٹھکانا اپنا
نے جانے کی راہ ہے نہ رہنے کی جگہ
دشوار ہوا ہے منہ دکھانا اپنا

حجاب خودی اٹھ گیا جب کہ دل سے
تو پردہ کوئی پھر نہ حائل رہے گا

کیا عجب گر یہ فروغ سخن آرائی ہے
نور حق تو بھی تو ایک ذرہ صہبائی ہے

آنکھ اٹھا کر کون دیکھے جلوۂ حوران خلد
نور حق خوگر ہیں آنکھیں اور ہی دیدار سے

ناحق کے ہیں تجھ کو مجھ سے مکر و حیلے
دل پہلے ہی لے لیا ہے اور اب جی لے

سنتا تو ہوں نور حق یہ بے تابی سے
ہو جاتے ہیں زخم دل کے ٹانکے ڈھیلے

نوشاد

محمد حیدر علی خان حیدر آبادی شاگرد مہاراجہ کشن پرشاد شاد۔ میر منشی صدر محکمہ مال خلف الرشید مولوی محمد قاسم علی خاں ارشاد۔ ابتدا میں اپنے والد سے اصلاح لیتے رہے بعد میں مہاراجہ کشن پرشاد صاحب شاد سے مستفید ہوئے۔ مندرجہ اشعار ان کے طبع زاد ہیں۔

ہوا جب سے ہے تیرا آشنا دل
ہوا نا آشنا مجھ سے مرا دل
نہیں جچتا نظر میں کوئی دلبر
ہوا ہے جب سے تم پر مبتلا دل

دل اگر الفت گیسو سے پریشاں ہوتا
تنگ زنداں سے مجھے صحن گلستاں ہوتا

تقدیر پہ شاکر رہو نوشاد ہمیشہ
احساں نہ لے ہمت مردانہ کسی کا

وعدہ پہ تم جو آئے مری جاں کرم ہوا
کچھ دل کی آگ کم ہوئی کچھ درد کم ہوا

نوشاد

عالی جناب حضور راجہ محمد نوشاد علی خاں صاحب تعلقہ دار میلا رسالگنج و جہانگیر آباد ۔

شوخیاں اُن کی نہ آنا تویں نہ آئیں اے فلک
برق کو کچھ کچھ ہمارا اضطراب آیا تو کیا
وصل میں لاکھوں ضدیں کرتے ہیں اک اک بات پر
ہے طبیعت میں وہی بچپن شباب آیا تو کیا
نیند آتی خفتہ بختِ ہجر کو تو لطف تھا
جس کے پہلو میں وہ سوئے اُس کو خواب آیا تو کیا

مرے مقدر پہ بعدِ مردن رقیب کو رشک آ رہا ہے
اُٹھائے تھے میں نے ناز جس کے وہی جنازہ اُٹھا رہا ہے
یہ کس کی محفل میں آئے ہیں ہم کہ چھائی جاتی ہے بیخودی سی
یہ کس کے رخ سے نقاب سرکی یہ کون جلوہ دکھا رہا ہے
چمن میں چل کے رہو کسی دن وصال کی آرزو لگالیں
بہار کا دور ختم پر ہے زمانۂ عیش جا رہا ہے

چلے یہ کہہ کے بزمِ عاشقاں سے
یہاں جو لوگ ہیں وہ بد نظر ہیں
وہ کہتے ہیں تڑپ کس کس کی دیکھوں
ہزاروں بسملِ تیغِ نظر ہیں

کیا ہوا کچھ کھا کے اچھا غیر نے گر جان دی
اتنی سی بات اور اس کا ہم کو برسوں غم رہے
لاش سے میری لپٹ کر روئے گر تم سا حسیں
اشتیاقِ مرگ میں بےچین اک عالم رہے
ظلم سہنے والے ایسے کیا ملیں گے پھر تمھیں
یہ دعا مانگو حسینو عاشقوں کا دم رہے

یہاں تو خیر زاہد بھاگ کر مسجد میں جا بیٹھا
کہاں میدانِ محشر میں چھپے گا بادہ خواروں سے
شہیدانِ محبت دیکھ لینا روزِ محشر بھی
دعا دیتے ہوئے قاتل کو اٹھیں گے مزاروں سے

فنا کے بعد بھی یارب کھلی ہے آنکھ بسمل کی
نہ جانے کون سی ایسی ادا دیکھی ہے قاتل کی
وہ کیا سینے سے لپٹائیں وہ کیا پہلو میں بٹھلائیں
وہ کیا جانیں تمنائیں کسی کم بخت کے دل کی
کہاں تڑپے کوئی بسمل بڑا مقتل میں مجمع ہے
ہزاروں دیکھنے آئے ہیں صورت میرے قاتل کی
جو وہ تڑپا لگائی اور اک تلوار جھنجلا کر
بگڑنے سے تمھارے بن گئی تقدیر بسمل کی
وہ شرما کر شبِ وصلت کسی کا ناز سے کہنا
کہو ناشاد نکلیں آج تو سب حسرتیں دل کی

روز پی پی کے نکلتے رہیں میخانے سے
مے چھلکتی رہے ساقی ترے پیمانے سے

دور سے دیکھ کے لیلیٰ آئے مجنوں سمجھی
دوڑ کر حشر میں لپٹی ترے دیوانے سے
حال دل اب وہ سنا کرتے ہیں پہروں ہم سے
کہتے ہیں جی نہیں بھرتا ترے افسانوں سے

نہ رکھو پھول دست نازنیں پر
ادھر توڑو اُدھر پھینکو زمیں پر

جواب اس کا میں کیا دوں پوچھتے ہیں
دل آیا ہے تمہارا کس حسیں پر
نہیں اُلجھتے ہیں اب فرقت کے صدمے
جو تم کہہ دو تو مر جائیں تمہیں پر

نوشہ

عالی جناب نواب ذوالفقار بہادر عرف نواب بہادر ثانی۔ سابق نواب باؤنی مقیم اندور۔ ۱۲۷۲ھ سال پیدائش ہے۔ راجکمار کالج اندور میں تعلیم پائی۔ عنفوان شباب سے شاعری کا شوق تھا۔ نواب کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں نواب رام پور کے شاگرد ہوئے۔

ہم سے یہ شرم غیروں سے وہ بے تکلفی
اچھی دو رنگیاں ہیں تمہارے حجاب کی
دل پر تھے نقش ظلم بتاں وہ بھی مٹ گئے
فہرست کھو گئی ستم بے حساب کی
جس دن سے اس پری کے تصور نے گھر کیا
خالی نہیں جگہ مری آنکھوں میں خواب کی

دریا دلی دکھائے اگر پیر مے فروش
میخانے میں بھی پھیر دے کشتی شراب کی

جان کو وعدہ فردا پہ کہاں تک روکوں
آفریں اے مرے ہر بار مکرنے والے

نوشہ

جناب سرفراز حسین صاحب سلیم پوری تلمیذ حضرت بیان و یزدانی میرٹھی -

فرقت میں کچھ نہ پوچھو حالت دل و جگر کی
اک داغ کھا رہا ہے اک زخم کھا رہا ہے
عاشق کے پاس کیا کیا باقی ہے پھر تو کہیئے
جان حزیں رہی ہے ہاں اور کیا رہا ہے
ہمدرد ہے تو یہ ہے دمساز ہے تو یہ ہے
دل غم کی ہی بدولت کچھ چین پا رہا ہے
ان بدگمانیوں کا سفاک کیا ٹھکانا
سو بار آزما کر پھر آزما رہا ہے[1]

کہتے ہوئے جس حرف کو ڈرتا ہے پیامی
بس ایک وہی حرف تو ہے اس کے دہن کا

شہ

نواب دولہ شوہر نواب سکندر بیگم والی بھوپال - علماء فضلا کے

---

[1] از رسالہ نیرنگ

بڑے قدردان تھے ۔ نواب شاہجہاں بیگم والیہ حال ان کی بیٹی ہیں ۔
۱۸۴۵ء میں عین عالم شباب میں انتقال کیا ۔

خال اس رخ پہ نمایاں نہ ہوا تھا نہ ہوا
آج تک رہزن ایماں نہ ہوا تھا نہ ہوا
دیکھ لاشے کو مرے ہنس کے مسیحا بولا
آج تک گور غریباں نہ ہوا تھا نہ ہوا

اے جنوں ہاتھ جو وہ زلف نہ آئی ہوتی
آہ نے عرش کی زنجیر ہلائی ہوتی

نوید

جناب فضل عظیم صاحب نوید شاگرد جناب سید محمد جعفر صاحب دام ظلہ[1] ۔

تڑپنا اپنے کشتے کا پسند آیا ہے قاتل کو
الٰہ العالمیں طاقت عطا کر جسم بسمل کو
چلا گھر کو تڑپتا چھوڑ کر مجھ نیم بسمل کو
نہ آیا رحم میرے حال پر افسوس قاتل کو
زہے تاثیر الفت دید کی صورت نکل آئی
مشبک آہ مجنوں نے کیا لیلی کے محمل کو
بشر تھے ہم بھلا کیونکر یہ ظلم و جور سہہ سکتے
کریں کیا ہو گئے مجبور پتھر کر لیا دل کو
نوید اپنی رسائی یوں نہیں اس ترک تک ہوگی
سر اپنا کاٹ کر بھیجو بطور نذر قاتل کو

---

۱ - از گلدستہ بریلی

نوید

میر نوشہ علی بریلوی ۔

دل میں الفت جو ہے بھری گل کی
جان ہے بے قرار بلبل کی
نہیں بیجا ہے آگ بلبل کی
روشنی ہے یہ آتش گل کی
پیچ میں اس کے آلیو نہ نوید
مار ڈالے گی یاد کاکل کی[1]

نہال

کنور چندی سہائے صاحب لکھنوی خوشنویس اودھ اخبار خلف الرشید راجہ جیا لال گلشن مرحوم رئیس لکھنؤ شاگرد نواب عاشور علی خان بہادر ۔ سن شریف ۱۳۹۳ء میں ۴۶ سال سے متجاوز تھا ۔ صاحب استعداد ہیں ۔ یہ ان کا کلام ہے ۔[2]

جلوے گلوں میں آج جو اس گلبدن کے ہیں
دیکھو نہال رنگ نرالے چمن کے ہیں
غنچہ کبھی کہا کبھی عنقا، کبھی عدم
میری زباں پہ وصف تمہارے دہن کے ہیں
آنکھوں سے تیری صاف نمایاں ہیں وحشتیں
ہیں ان کی گردشیں کہ چھلاوے ہرن کے ہیں
ہیں پھول پھل ہمارے مضامین پر بہار
ہم اک نہال گلشن شعر و سخن کے ہیں

---

۱ ۔ گلدستہ لطیف

۲ ۔ بہار سخن

سمجھے اس روئے کتابی کو جو قرآں اپنا
مذہب اپنا ہے طریق اپنا ہے ایماں اپنا
لالہ رویوں کا تصور ہے جنوں زور پہ ہے
آج گلزار سے بہتر ہے بیاباں اپنا
دی تو ہے اس کے تصور کو جگہ دل میں مگر
خوف ہے روٹھ نہ جائے کہیں مہماں اپنا

نگہ یار نہ کس طرح بشر تک پہونچے
یہ وہ ناوک ہے جو پتھر کے جگر تک پہنچے
شب وصل ان کو لپٹتا ہوں تو فرماتے ہیں
رفتہ رفتہ نہ کہیں ہاتھ کمر تک پہنچے[1]

نور معنی عالم صورت میں گر پیدا کروں
دل کے آئینے میں اپنے یار کو دیکھا کروں
کہتے ہیں وہ مشق رفتار قیامت زا کروں
دو قدم میں ایک عالم کو تہ و بالا کروں
عیش دنیا فکر عقبیٰ ذکر حق یاد بتاں
چار دن کی زندگی میں کیسے میں کیا کیا کروں

چلو گلگشت کو کیفیت فصل بہاری ہے
چمن سرسبز ہے چھڑکاؤ ہے باران رحمت کا

عشاق سے جب برسر لطف آتے ہیں معشوق
جلوہ انہیں سو رنگ میں دکھلاتے ہیں معشوق

---

۱ - از پیام عاشق

میرے دل میں سمائے گی کیوں کر
بڑھتی دولت ہے آرزو تیری
ہوئے توام جہاں میں کیا پیدا
دل مرا اور آرزو تیری

نہال

جناب نواب سید صادق حسین خاں صاحب عظیم آبادی تلمیذ جناب شاد مدظلہ ۔

زمانے میں مزا نیرنگیوں کا پھر کہاں ہوتا
نقاب یار اٹھ جاتی تو قائل اک جہاں ہوتا
نہال اس کی خبر کب تھی محبت میں یہ کچھ ہوگا
یہی امید تھی پروان چڑھتا اور جواں ہوتا[۲]

نہال[۳]

ابتدائی حالات شاعر کی اپنی زبانی :

نام قاضی عبدالخالق ۔ تخلص نہال ۔ والد بزرگوار کا نام قاضی عبدالواسع اور جد مکرم کا اسم گرامی قاضی مولانا محمد یسین صاحب ۔ تخلص غریق تھا ۔ اور حضرت خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے ۔ وطن قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور ہے میرے اسلاف شاہان اسلام کی طرف سے عہدۂ قضا پر مامور تھے ۔ ۲۷ اگست ۱۹۰۱ء کو عالم عدم سے ملک ہستی کی طرف آیا ۔ ذوق شعر عالم بالا سے اپنے ساتھ لایا ہوں اور دس برس کی عمر سے باوجود شفیق والدین کے زجر و توبیخ کے شعر کہتا ہوں ۔ انٹرنس تک انگریزی میں تعلیم اور علوم شرقیہ سے مکتب میں روشناس ہوا ہوں ۔ ذوق شعر کی ابتدائی نشونما حسرت باغ سنبھلی یادگار

---

۲ ۔ از اردوئے معلی جلد نمبر ۹

۳ ۔ نوموصول

حضرت داغ کی سرپرستی میں شروع ہوئی نہال تخلص اُنھی کا عطا کردہ ہے۔

اٹھارہ سال کی عمر تک جو لکھا اُس کو چاک کیا۔ اس کے بعد اپنے مناسبت مذاق سے حضرت بیباک شاہجہاں پوری کے سامنے ۱۹۲۰ء میں زانوئے ادب تہ کیا۔ ۱۹۲۲ء میں حضرت اُستاد مسندِ رشد و ارشاد پر متمکن ہوئے اور شعر سے کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ ۱۹۲۳ء ۱۹۲۶ء تک حضرت غریب سہارنپوری کے فیض اصلاح سے مستفیض ہوتا رہا۔ اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں مولانا غریب کے مشورہ سے حضرت سائل دہلوی جانشین حضرت نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی مرحوم و یادگار نیر و رخشاں کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ شاگردی اختیار کیا۔ میرا عقیدہ ہے کہ جس شعر میں تصوف نہیں وہ چراغ بے سوز یا بادۂ بے سرور ہے۔ اس لیے ۱۹۲۵ء میں حضرت فراق دہلوی جانشین خواجہ میر درد علیہ الرحمتہ کے دست کرامت آثار پر بیعت کی اور شمع سلوک کو خانۂ دل میں روشن کیا چونکہ میری ناخن بندی ریلوے ڈیپارٹمنٹ سے ہے اس لیے آج کل دفتر ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ دہلی اسٹبلشمنٹ سیکشن میں بمشاہرہ اسی روپیہ ماہوار ہوں۔ جملہ اساتذہ جدید و قدیم کو بے تعصبی کی نگاہ کے ساتھ دیکھتا ہوں۔

نہال سیوہاروی

انتخاب کلام

ہوائے شوق میں مجھ کو کیا آتش بجاں تو نے
رگوں میں دل کی شعلے بھردئے جانِ جہاں تو نے
مہک دی پھول کو مہ کو بنایا ضوفشاں تو نے
غرض ہر شے کی کشتی کو دیا اک بادباں تو نے
یہ سیار و ثوابت ہیں نگینے تیرے جھومر کے
کیا ہے اپنی پیشانی کو آنچل سے عیاں تو نے

پرے حد نظر سے بھی ہے اُس کی منزل عالی
یہ ہے حد نظر سمجھا ہے جس کو آسماں تو نے
ضمیر میں ہے نہں لکتہ رس خطرے کی عظمت پر
بھرا ہے کس طرح کوزے میں بحرِ بیکراں تو نے
سروساماں مقدم ہے یہ کس برق تجلی کا
مرتب لشکر انجم کیا اے آسماں تو نے

یہ میں کیوں کہوں کہ تو اے صبا آسے جا کے عرش بریں سے لا
مجھے بوئے دوست کی ہے یہ شمیم خواہ کہیں سے لا
ہے صفائی قلب کی آرزو تو صداقت اپنا شعار کر
یہ وہ نور ہے تجھے دسترس ہو تو سہر و مہ کی جبیں سے لا
کوئی کہہ دے میری طرف سے جا کے نہال اتنا ٹیگور سے
تیری ذات نازش دہر ہے۔ نہ خطاب کشور چیں سے لا

تنگ ہو کر روشِ عالم ایجاد سے ہم
نکہت گل کی طرح پھرتے ہیں برباد سے ہم

بادۂ وحدت سے جب سرشار آنکھیں ہو گئیں
تنگنائے دہر سے بیزار آنکھیں ہو گئیں
کس کی آمد کی چمکتی بجلیوں نے دی خبر
سجدہ کرنے کے لیے تیار آنکھیں ہو گئیں
تجھ کو کیا دیکھا کہ دنیا کی طرف اٹھتی نہیں
اے تعالی اللہ کیا خوددار آنکھیں ہو گئیں

آئین مروت سے یکسر خالی رفقا کو دیکھتا ہوں
دوزخ نظر آتی ہے دنیا جب قحطِ وفا کو دیکھتا ہوں

ہر جا ہے وہی جب جلوہ فگن سجدے کو حرم کی قید ہو کیوں
ہر شے میں خدا آتا ہے نظر ہر شے میں خدا کو دیکھتا ہوں
فرہاد کا سر ہے اور تیشہ غمناک ہے الفت کا پیشہ
ہے عشق کا حاصل پیش نظر انجام وفا کو دیکھتا ہوں
افسوس نہال سا مومن اور شیوہ کفر پرستی کا
ہر وقت در بت خانہ پر اس مرد خدا کو دیکھتا ہوں

ہمسر برق ہو سکے زہرہ کہاں یہ کاہ کا
دل ہو حریف کس طرح جلوۂ بے پناہ کا
حوروں کی سجدہ گاہ ہے ارض لطیف مے کدہ
بیٹھ کے محتسب یہاں نام نہ لے گناہ کا

رہا وہ یوں ناشگفتہ قبل از سحر ہو جیسے چمن میں غنچہ
ہے نامرادان عشق کا دل کہ سو رہا ہے کفن میں غنچہ
جہاں میں شادی و غم ہیں توام کہیں ہے رونا کہیں ہے ہنسنا
ادھر چراغ سحر ہوا گل ، ادھر کھلا ہے چمن میں غنچہ

طلوع مہر سے چمکا کنشت لالہ و گل
ہے جاں فروز سپہر بہشت لالہ و گل
کسی حسین جوانی سے ملتی جلتی ہے
یہ نو شگفتہ و شاداب کشت لالہ و گل
قرین مصلحت انشائے راز دہر نہیں
رلا بہت نہ مجھے سر نوشت لالہ و گل
نہال اپنی دعا ہے خدا سے یہ پس مرگ
ہو قبر مری میان بہشت لالہ و گل

ظلمت آباد دہر میں ہر سو
روشنی جلوۂ اُمید سے ہے

غایت عشق تھی جن سے وہ نمازیں نہ رہیں
سجدے کیا ہوتے ہیں اب داغِ جبیں ہوتے ہیں

دیوانہ بن کے نہال ان کو یوں آج مرہ ٹھہرایا
بحکم تھی گرفتِ دامن کچھ کچھ دیر لگائی باتوں میں

اب آشیاں ہے اور شب و روز بیم برق
کنج قفس کی زندگی بے خلل گئی

ہم کو کیا مطلب اگر آلٹ میں بل گم ہوگیا
ہم تو خود گم ہوگئے جس دن سے دل گم ہوگیا

نیاز

شاہ نیاز احمد بریلوی ولد شاہ رحمت اللہ مرید باا عتقان مولانا فخرالدین مغفور ۔ دہلی میں تربیت پائی ۔ اردو فارسی کے دیوان مطبوعہ موجود ہیں ۔ کلام ان کا مقبول عوام ہے ۔ فقیرانہ مزاج رکھتے ہیں ۔ ۱۲۵۰ھ میں ۷۷ برس کی عمر میں رحلت کی ۔

کروں کیا بیاں میں ہم نشیں اثر اس کے لطف نگاہ کا
کہ تعینات کی قید سے مجھے ایک دم میں چھڑا دیا
وہ جو نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی
سو کشش سے دامن ناز نے اسے تھی زمیں سے مٹا دیا

مجھے چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

اے دل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا
اپنے ہی بیچ یار کا دیدار دیکھنا
نیرنگیوں سے یار کی حیران نہ ہوجیو
ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا

کس بیار کی نگاہ کا دل میں لگا خدنگ
مرگ و حیات اپنی ہوئیں دونوں ایک رنگ

عقل کے مدرسے سے اٹھ عشق کے میکدے میں آ
جام فنا و بے خودی اب تو پیا جو ہو سو ہو

سسکے ہے پڑا خنجر مژگاں کا یہ گھائل
تیر نگہ دیدہ خوں خوار سے کہہ دو

منہ اپنا جو تو نے دکھایا مجھے
وہیں پھر جو ڈھونڈا نہ پایا مجھے

چھوڑو مجھے بے خود مرا آرام یہی ہے
بے نام و نشاں رہنے دو بس نام یہی ہے
کافر ہوں جو میں اپنے تئیں جانوں کہ میں ہوں
جو کچھ ہے سو تو ہے مرا اسلام یہی ہے
منزل ہماری جانتے ہیں کب شیخ و برہمن
اسلام و کفر سے پرے اپنا مقام یہی ہے

نیاز

منشی نیاز احمد نیاز خیر آبادی شاگرد امیر مینائی - ان کے والد منشی نیازاللہ خیر آباد میں آنریری مجسٹریٹ تھے ۱۳۰۳ھ میں آپ کی عمر ۲۸ سال کی تھی -

فتنے ٹھوکر کی تمہارے ایسے کرتے پامال
سر اگر فتنہ محشر نے نکالا ہوتا

دیکھے تیور جو چشم قاتل کے
اڑ گئے ہوش روح بسمل کے
شور محشر سے خوف کیا واعظ
رہنے والے ہیں کوئے قاتل کے
تیر اس کے نہیں ہیں سینے میں
پر یہ نکلے ہیں طائر دل کے
چشم جاناں میں بھر گئی شوخی
کچھ اثر آ گئے مرے دل کے
جو سخی ہیں خوشی سے وقت دعا
چوم لیتے ہیں ہاتھ سائل کے

نیاز آپ خود ہم کو پاتے نہیں جب
تو ہوتے ہیں وہ بدگماں کیسے کیسے

خدا آہ دل سوزاں کو عمر جاودانی دے
چراغ اس کے سبب سے تربت عاشق پہ جلتا ہے

تیرے فتنوں میں بھری ہیں اے قیامت شوخیاں
کیا ہے تو اس فتنہ محشر کی ٹھکرائی ہوئی
تم بچھاؤ اس نظر سے دل غضب ہوگا نیاز
حاصل ان دو بے قراروں کو جو یکجائی ہوئی

وہ غم عزیز ہوں کہتا ہوں مجھ پہ کیوں نہ ہوا
کسی پہ جور جو کرتا ہے آسماں کوئی

آ کر وطن سے کون ملا مجھ غریب سے
گزری ہوا ادھر کی نہ میرے قریب سے
غنچوں نے منہ کو پھیر لیا اس غریب سے
برگشتہ ہے ہوائے چمن عندلیب سے
نادان ہیں مر نہ جائیں وہ یہ حال دیکھ کر
ان کو ہٹا دو نزع میں میرے قریب سے
غصے کے مارے پھولوں کا منہ لال ہوگیا
نکلی جو گرم آہ دل عندلیب سے
آئیں جو میری آنکھ میں تو صورت نظر
رکھوں انہیں چھپا کے نگہ رقیب سے
شبنم نے سعی مل کے صبا سے ہزار کی
پھولوں کا دل نہ صاف ہوا عندلیب سے
ایسا نہ ہو کہ چاند سا رخ عکس چوم لے
دیکھو نہ آئینے کو تم اتنا قریب سے

نیاز[۱]

محمد صحیح[۲] عالم خاں مفتی باشندہ سنبھل جوان قابل نازک دماغ

---

۲ - مطبوعہ تذکرے میں محمد صبیح عالم خاں لکھا ہے۔

نہایت خوش فکر ۔ ذہن رسا اور فکر بجا رکھتے تھے ۔ کسی کے شاگرد نہیں ۔ یہ چند شعر ان کے ہیں ۔

بسے ہے زلف کا کس کی خیال آنکھوں میں
تمام شب یہ کھٹکتا ہے بال آنکھوں میں

گنجفہ میں عشق کے مجھ سا نہیں ہے جلد باز
ان نے واں شمشیر کھینچی میں کہا سر لیجیے

روز کوچے میں ترے گالیاں کھا جاتا ہوں
ناز کا بھوکا ہوں اس واسطے آ جاتا ہوں
ٹھہرتا کون ہے صاحب کی گلی میں یک دم
خیر دل دیجئے میرا میں اٹھا جاتا ہوں
واں تو پاؤں کے تئیں مہندی لگا بیٹھا ہے
خاک میں یاں تیرے ہاتھوں سے ملا جاتا ہوں

شہید عشق یہ قاتل سے کچھ تمام ہوا
تمہارا نام ہوا اور ہمارا کام ہوا
کبھی کبھی نظر آتا تھا خواب میں وہ نیاز
سو دل کے درد سے سونا بھی اب حرام ہوا

کعبہ میں گر وہ بت ملے اللہ کی قسم
تعظیم خوب سی کروں بیت الحرام کی
روزہ نماز کر دیا سب عشق کی نیاز
تسبیح رہ گئی ہے سو ہے تیرے نام کی

تم نے رقیب کو کل اک پان جو دیا تھا
کرتا تھا کیا ہی باتیں کافر چبا چبا کر
جب بیکسی پر اپنی سینہ اٹھا سلگ کر
قاتل کی تیغ لوہو روئی گلے سے لگ کر

نیاز

منشی نیاز علی ولد پیر جی مبارک علی ساکن قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد۔

سرگرم فغاں شب دل ناشاد و حزیں تھا
شعلہ مری آہوں کا جو تھا عرش نشیں تھا
دوری میں نیاز اس کی کہوں کیا ہے مرا دل
کس درد کس اندوہ کس آفت کے قریں تھا

برباد ہو کے یار کے دل میں جگہ ملی
آباد کر گئیں مری بربادیاں مجھے
صحرا سے کوہ کوہ سے کوئے نگار میں
لایا ہے یہ جنوں بھی کہاں سے کہاں مجھے

نیر

منشی محفوظ اللہ خان صاحب نیر مرحوم۔ جنرل اعظم الدین خان شہید وزیر رام پور کے عزیز اور نواب صاحب بہادر والئے رام پور کے ممتاز مصاحبوں میں سے تھے۔ ۸ ستمبر ۱۹۰۰ء کو بعالم جوانی انتقال کیا

اس ستم گر کو کبھی راہ پہ لایا نہ گیا
غیر کا رنگ جما وہ کہ مٹایا نہ گیا

کس بلا کی تھی محبت کہ رہی جان کے ساتھ
مرتے مرتے بھی اسے دل سے بھلایا نہ گیا
کبھی قسمت سے ملے بھی تو وہ سوتے ہی ملے
اس محبت کا برا ہو جگایا نہ گیا
وائے رے فرط تحیر کہ زباں تک نہ کھلی
قصہ ہجر بھی شب ان کو سنایا نہ گیا
شب جو اس برق جہاں سوز کو دیکھا نیر
وہ گئے ہوش کہ پھر ہوش میں آیا نہ گیا

شب جو پہلو سے اٹھے وہ تو یہ شرما کے کہا
اسی ڈر سے تو ترے پاس ہم آتے بھی نہیں

ان بہالوں کو تو نیر نہیں ماننے کا کبھی
تم اگر چاہو تو ملنا کوئی دشوار نہیں

کیوں قفس میں پڑے پھڑکتے ہم
اڑ نہ جاتے جو بال و پر رکھتے
تیغ قاتل کی آبرو کیا تھی
ہم سے جاں باز گر نہ سر رکھتے

اب کے تو بہا جاتا ہے خون ہو کے کلیجہ
پہلے تو نہ تھی حالت زخم جگر ایسی
شرما کے وہ پہلو سے اٹھیں اور میں روکوں
کیوں بار خدایا کبھی ہوگی سحر ایسی

آنکھ جب پڑتی ہے چہرے پہ جھپک جاتی ہے
حسن کی برق چمکتی ترے رخسار میں ہے
دل مرا چیر کے پہلو کو نکل آئے گا
گر یہی حسن طلب آپ کے انکار میں ہے

نیر

جناب صاحبزادہ نایاب دولہ خان صاحب تلمیذ حضرت صبر رام پوری[1]

انہیں سے ہے کیا غرض کیوں آئیں مجھ بیکس کے مدفن پر
جو مجھ پر مہربانی پہلے تھی وہ اب ہے دشمن پر
محبت اس کو کہتے ہیں کہ بعد قتل بھی ظالم
جو سر کٹ کر گرا میرا تو قاتل ہی کے دامن پر
پلا ساقی کوئی ساغر شراب ارغوانی کا
کہ فصل گل کا موسم ہے گھٹا چھائی ہے گلشن پر

نیر

منشی سید منور علی ابن سید منصور علی ساکن ریاست رام پور شاگرد حضرت داغ عمر ۳۱ سال

بے قراری کھینچ کر مجھ کو اگر لے بھی گئی
رشک دشمن در پہ اس کے پاسباں ہو جائے گا

سیاہی مرے نالے کی حشر میں
قیامت کے دن کو بنائے گی رات

---

۱ - تہذیب

وہ جو کچھو عدے کئے تھے وصل کی شب یاد ہیں
میکشی کے بعد ہنگام سحر رخصت کے وقت

اچھی ہے لامکاں کی فضا لیکن اے جنوں
سر پھوڑنے کو وہاں کوئی دیوار و در نہیں

نعش تڑپے نہ کس طرح اپنی
ہائے اب اذن عام ہوتا ہے

بس رہی ہے نگاہ میں وہ آنکھ
لوگ کہتے ہیں بادہ خوار مجھے

مولوی حکیم محمد قیام الدین رئیس جونپور شاگرد امیر مینائی مرحوم

نشہ میں بڑھا تو اور بڑھیں بے حجابیاں
مستی نے تیری شرم کی مٹی خراب کی
مے پی جو اس نے وصل میں دونا ہوا سرور
نشہ میں مے کے مل گئی مستی شباب کی
جوبن تمہارا گھورتی ہے چشم آئینہ
بجلی گراؤ اس پہ نگاہ عتاب کی

ر

فصیح اللہ خاں نیر بنارسی - اصلی وطن قصبہ جالیس ضلع رائے بریلی -
ن کے آباو اجداد بنارس میں سکونت گزین ہیں - مرزا احمد حسن فائز
ے سخن میں مستفید ہیں - ۱۳۰۳ھ میں ۲۸ سال عمر تھی-

جان لے کر لب گلرنگ جلا دیتے ہیں
کوئی قاتل انہیں کہتا ہے مسیحا کوئی
یہی امید حسینوں میں مجھے لائی ہے
دل کا ہو میرے خریدار خدایا کوئی
میری تقدیر میں تاثیر خدا نے دی ہے
کوئی دل ہاتھ سے پکڑے ہے کلیجہ کوئی

نہ ہنستا ہے نہ روتا ہے نہ یہ کچھ بات کرتا ہے
وہ کہتے ہیں میں باز آیا اگر صاحب یہی دل ہے
خدا ہی اب بچائے ناخدا کا آسرا کیا ہے
عجب مشکل ہے کشتی ہے نہ لنگر ہے نہ ساحل ہے

نیر

عالی جناب سید احمد شفیع صاحب بہادر نیر رئیس اعظم و جاگیردار فرید آباد ضلع دہلی شاگرد رشید امیر مینائی ۔ نواب صاحب بہادر لہارو کے داماد تھے ۔ نثر کا ماہواری رسالہ اردوے معلی نامی جاری کیا تھا ۔ کھٹولا ناول کا جو نیر صاحب کے جوہر طبع کا نمونہ ہے پہلا حصہ اسی رسالہ میں تھا ۔ زبان اور دلچسپی کے لحاظ سے ناول مذکور بہت اچھا ہے مگر مذہبی تعصب کے بدنما دھبے سے جو آج کل کے ناول اور رسائل میں اکثر پایا جاتا ہے یہ بھی بری نہیں ہے ۔

جب مرا مرنا سنا کہنے لگے افسوس سے
فی الحقیقت کچھ نہیں انساں بے بنیاد میں
کچھ عجب انداز ہیں تیرے قد آزاد میں
ہو رہا ہے جس کا چرچا سرو میں شمشاد میں

میں طالب وصلت نہیں ہاں ہے یہ تمنا
خنجر ہو ترے ہاتھ میں اور میرا گلا ہو

سنورنے کا تو کیا کہنا ہے اس کا ذکر ہی کیا ہے
حسینوں کے بگڑنے میں بھی اک عالم نکلتا ہے
پکڑ کر ہاتھ اس بت کا کہوں گا حشر میں نیر
کہ یہ قاتل ہمارا ہے اسی پہ دم نکلتا ہے

نالہ و شور و فغاں گریہ و زاری کے سوا
آپ ہی کہیئے کہ عشاق کا شیوا کیا ہے

مارا جو خموشی سے تو باتوں سے جلایا
کافر تری ہر طرز جفا اور ہی کچھ ہے
مشاطہ نے کس حسن سے بل اس میں دیا ہے
یار آج خم زلف دوتا اور ہی کچھ ہے

نیر

رئیس بلند اختر مولوی محمد علی صاحب نیر بدایونی عمدۃ التلامذہ جناب ضیا ۔

تمہارے منہ سے بھلائی کی تھی امید حضور
غضب ہے کہتے ہو بے وجہ تم برا مجھ کو
نصیب یار دگر ہو نہ طول عہد فراق
بہت جیا مگر اب موت دے خدا مجھ کو
جو ہونی تھی سو ہوئی ہجر یار میں نیر
مگر اسی نے نہ پوچھا کہ کیا ہوا مجھ کو[1]

---

۱ ۔ از گلدستہ بدایوں ۔

نیر

منشی محمد عبدالرحمٰن نیر وکیل دہلی شاگرد یاس لکھنوی ۔ سرکار سے خان صاحب کا خطاب بھی ملا ہے یہ ان کا کلام ہے ۔

طور پر تیری نہیں گر جلوہ آرائی ہوئی
پھر ہے یہ برق تجلی کس کی چمکائی ہوئی

نزاکت میں کمر اس نازنیں کی
کہیں باریک ہے تارِ نظر سے

ڈھونڈتے جا کے عدم میں کوئی مضموں باریک
ہم جو مداح ترے موئے کمر کے ہوتے

کٹ گیا غیرت سے مہر اس مہ لقا کو دیکھ کر
داغ کھایا ماہ نے رخ کی ضیا کو دیکھ کر

یہ بیمار الفت کی کافی دوا ہے
مسیحا ترا اک نظر دیکھ لینا

اوپر اوڑھے ہیں عبا زیرِ بغل شیشۂ ہے
مئے گلرنگ کی کی شیخ نے حرمت اچھی
میکدے میں کہیں دستار تھی جبہ تھا کہیں
آج مے خانے میں واعظ کی بنی گت اچھی

محبت میں ہزاروں آفتیں ہیں
دل نادان ابھی دیکھا ہی کیا ہے

نیر

جناب احمد صاحب مینیجر الفنسٹن کرکٹ کلب بمبئی۔

پاس حسرت نامرادی اس کی دیکھا چاہیے
جس کے دل میں آرزو بن کر تمھارا غم رہے

نیرنگ

دلاور خان پنشنر۔ اول آپ کا ہمرنگ تخلص تھا بعد میں نیرنگ پسند فرمایا برادر مصطفیٰ خان یکرنگ۔

نہیں مطلب مجھے اے باغباں اور
میں دیوانہ ہوں گل کے رنگ و بو کا

سدا بیدار رہ غفلت سے اے دل
مثل مشہور ہے سویا سو چوکا

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

دل کو تجھ عشق سے قرار نہیں
اب تلک تجھ کو اعتبار نہیں

فرہاد کو محنت کی سختی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو اک بوسہ ملتا شکر آلودہ

یار کا جب خیال آتا ہے
ہوش میرا تمام جاتا ہے

نیرنگ

سید غلام بھیک صاحب ۔ بی ۔ اے ۔ نیرنگ ۔

کھلا ہے گلشنِ مغرب میں لالہ زارِ شفق
ز بس ہے رو کشِ حسنِ چمن بہارِ شفق
ہوا ہے واردِ مغرب جو خسروِ خاور
بنا ہے اس کے لیے قصرِ زر نگارِ شفق
و فورِ نشہ سے چہرے پہ چھا گئی سرخی
بٹے ہے مے قدحِ خور میں بادہ خوارِ شفق
یقیں دلاتی ہے اک ماہرو کے ملنے کا
بہارِ گلشنِ اُمید ہے بہارِ شفق

کیوں ہم پہ ہیں یہ قہر کی اُلفت کی نگاہیں
اُلفت کی نگاہیں نہ محبت کی نگاہیں
مت پوچھ کہ کیا کیا نہ ستم ڈھا گئی دل پر
شرمائی ہوئی تیری شرارت کی نگاہیں
افسوں تھیں کہ جادو تھیں کہ فتنہ تھیں کہ بجلی
آفت کی نگاہیں تھیں قیامت کی نگاہیں

ہونے کو گل و لالہ بھی ہیں شمس و قمر بھی
تیری ہی طرف اُلٹی ہیں خلقت کی نگاہیں
تم بھی تو سنو آ کے کبھی تم بھی تو دیکھو
ارمان کی باتیں مری حسرت کی نگاہیں
کس جلوے کی رہتی ہے تلاش آپ کو نیرنگ
گھبرائی ہوئی پھرتی ہیں حضرت کی نگاہیں

محبت میں مزے ہیں انتہا کے اور مصیبت بھی
یہ وہ میوہ ہے جس میں تلخیاں بھی ہیں حلاوت بھی
ابھی اس قامت رعنا نے کچھ فتنے اٹھائے ہیں
یہ لچھن ہیں تو اک دن آ ہی جانے کی قیامت بھی
علاج درد الفت ترک الفت تو نے سمجھا ہے
مگر اے چارہ گر خود اک مرض ہے ترک الفت بھی
یہ مانا شان ناز حسن ہے جور و جفا کرنا
ستم کی انتہا بھی ظلم کی کوئی نہایت بھی
گل گلشن کی رعنائی ہے ہر خار بیاباں میں
مگر چشم تماشائی میں ہو نور بصیرت بھی

آپ کا دل صاف ہے تو مجھ سے بدظن کیوں ہو دئے
میرے دل میں ہے وہی جو آپ کی نیت میں ہے
سادگی کیا کم ہے نہ رہنے بھی دو آرائشیں
اک غضب کی دلبری اس حسن بے زینت میں ہے
حسن باطن بھی ہے لازم حسن کامل کے لیے
کاش سیرت میں بھی ہو جو آپ کی صورت میں ہے

واحد

سید واجد علی صاحب رضوی مرحوم بلگرامی ۔ واجد تخلص ۔ آپ سید امجد علی صاحب رضوی رئیس اعظم بلگرام پلیڈر ہائی کورٹ ہردوئی کے چھوٹے بھائی تھے ۔ مکتب نشینی کے زمانے میں بعارضہ چیچک مبتلا ہوئے اور اسی میں آپ کی آنکھوں کا نور جاتا رہا ۔ اسی وجہ سے آپ تحصیل علم نہ فرما سکے ۔ مگر آپ کے والد ماجد میر دوست علی صاحب نے زبانی بہت کچھ تعلیم دی ۔ آپ بچپن ہی سے بلا کے ذہین اور طباع

تھے ۔ ایام طفلی ہی سے شعر کہتے تھے ۔ جنوری ۱۸۹۶ء میں آپ حضرت داغ دہلوی کے تلامذہ میں شامل ہو کر اُن سے اصلاح لینے لگے ۔ غزل ۔ قصیدہ ۔ تاریخ مرثیہ وغیرہ ہر قسم کے شعر کہتے تھے ۔ فارسی میں بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کی ہے ۔ ابھی چند ہی سال ہوئے کہ اس دار فانی سے انتقال فرمایا ۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو :

مانا وہ رشکِ حور بھی ہیں مہ لقا بھی ہیں
وعدہ خلاف ، عہد شکن بے وفا بھی ہیں
محشر میں آپ ہی کے طرف دار سب نہیں
اس مجمعِ کثیر میں کچھ باخدا بھی ہیں
پہچان لیں گے سنتے ہی واجد فغاں کے ساتھ
آواز سے ہماری وہ گوش آشنا بھی ہیں

لقب اُلٹو نہ اُلٹو رخ سے یہ معلوم ہے سب کو
حسیں ہو ، حور وش زہرہ جبیں ہو مہ لقا تم ہو

ہوئی مد نظر تیرِ ستم کی مشق بہتر ہے
نشانہ کیجیے موجود میرا طائرِ دل ہے

کیوں ترک کریں بادہ کشی موسمِ گل میں
توبہ کا بھی در شیخ کبھی بند ہوا ہے

واجد ۔

جناب حکیم واجد حسین صاحب شاگرد حضرت تسلیم لکھنوی ۔

شوق دیدار تھا یا جھڑکیاں کھانے کا مزا
کچھ تو ایسا تھا کہ میں پھر لرے در پر آیا

کیا اثر تیری رکاوٹ میں ہے او تشنہ خوں
تیغ بھی رک کے چلی تیر بھی کھنچ کر آیا
پھر نظر پر نہیں چڑھتا جو گرا نظروں سے
آنکھ میں اشک نہ پھر آنکھ سے گر کر آیا[1]

جسے چاہے وہ کر دے سیر اپنے ایک جلوہ میں
ہوئی کب حضرت موسیٰ کو پھر دیدار کی حسرت
چبھے کانٹا لگے برچھی اڑے ناوک چلے خنجر
یہ سب کچھ ہو نہ کھٹکے پر دل پرخار کی حسرت

واجد

جناب محمد عبدالواجد صاحب ساکن حیدر آباد دکن الدرون دروازہ چادر گھاٹ۔

کیا تھا کیا گلوں نے ہمسری کا ادعا تم سے
روانی ان کی گلشن سے سوئے بازار کیسی ہے
فلک پر تو شفق ہے اور زمین پر لعل و مرجاں ہے
جہاں میں تیری عزت دیدۂ خونبار کیسی ہے
نہیں ہے بوسہ بازی گر تیرا مقصود اے بلبل
تو پھر پھولوں کے منہ پر یہ تیری منقار کیسی ہے[2]

ہم ہی نہیں بادہ خوار بحر بھی ہے زاہدا
لب پہ یہ جام حباب دیکھیے کب تک رہے
عبرت اہل نظر تا کہ رہے درس خواں
باغ میں گل کی کتاب دیکھیے کب تک رہے
ہنس کے وہ کہتے ہیں یوں تو ادھر آیا ہے کر
روح فزا یہ عتاب دیکھیے کب تک رہے

---

۱ - از تصویر مشاعرہ۔
۲ - محبوب الکلام۔

واجد

سید واجد علی صاحب متوطن اورنگ آباد ضلع بلند شہر شاگرد جناب نواب صاحب ۔

یہ بھی ہے اک معجزہ اس قاتل خونخوار کا
زندہ جاوید ہے کشتہ ہر اک تلوار کا
آ گئے دھوکے میں وہ میں نے یہ جو ان سے کہا
کام مشکل ہے بہت کرنا وفا اقرار کا
مرتے جیتے ہیں ترے اقرار سے انکار سے
واہ کیا کہنا ہے اے دلبر تری رفتار کا

واجد

شیخ عبدالواجد شاہجہان آبادی ۔ بہادر شاہ ثانی کے عہد میں نشوونما پائی تھی ۔

دل جو محو جلوۂ رخسار جاناں ہو گیا
آئینہ صورت کو میری دیکھ حیراں ہو گیا
دل ہوئے جاتے ہیں لاکھوں کے یہاں پامال غم
یہ سمند ناز کس کا گرم جولاں ہو گیا
مونس جاں عشق میں سمجھا تھا واجد دل کو میں
ہر مرے پہلو میں وہ بھی دشمن جاں ہو گیا

کرتے ہیں وہ تو جور و ستم ایسے شخص ہیں
اور ان پہ جان دیتے ہیں ہم ایسے شخص ہیں
جیسے ترے ہم عاشق جانباز ہیں سنا صنم
ڈھونڈے اگر جہان میں تو کم ایسے شخص ہیں
جن کی سرشت میں ہی ہے بیداد کب بھلا
کرتے کسی پہ لطف و کرم ایسے شخص ہیں

کیا اعتبار قول و قسم کا بتوں کے یہ
اک دم میں کھالیں لاکھ قسم ایسے شخص ہیں
واحد عدو کو جب وہ ڈراتے ہیں لے کے تیغ
گردن ہم اپنی کرتے ہیں خم ایسے شخص ہیں

حسن پر ترے اگر ہوتا نہ وہ دیوانہ شمع
تو بھلا کیوں جان کھوتا اس طرح پروانہ شمع
بزم میں گر دیکھ لیوے وہ قدِ جانانہ شمع
رشک سے جل جائے بن کر صورت پروانہ شمع
سر سے پا تک یقین ہو جائے دل تیرا گداز
دل لگا کر سناؤں تجھ کو میں افسانہ شمع
لاش پر پروانے کی رونی نہیں ہے یہ کھڑی
کرتی ہے لبریز اپنی عمر کا پیالہ شمع
اس کو کہتے ہیں لگی دیکھو غم پروانہ میں
اشک حسرت کیا بہاتی ہے یہ بے تابانہ شمع

وارث

منشی عبدالوارث خاں صاحب شاگرد داغ - حیدرآباد دکن -

امید تھی کہ خواب میں آتا وہ بے وفا
آتی نہیں ہے نیند مگر انتظار میں
کیوں کر کریں نہ ذکر عدو وہ شب وصال
آخر ستم کا کوئی تو پہلو ہو پیار میں
غم نے ترے شباب میں ہم کو گھلا دیا
ہم نے خزاں کا جور اٹھایا بہار میں
تیغ نگاہ سے نہ کیا قتل کیوں مجھے
مصروف تھے جو ہاتھ تمہارے سنگار میں

ہاں اے امید رحمت پروردگار تو
دم بھر ٹھہر ہمارے دل بے قرار میں
جھوٹی قسم نہ کھاؤ وصال رقیب پر
دیکھو نہ فرق آئے کہیں اعتبار میں
وارث کریں گے خاک تمنائے زیست ہم
رکھا ہی کیا ہے زندگی مستعار میں

نہیں بچتا ہے ایسا مال ہم کہتے نہ تھے دیکھا
لیا دزد حنا نے دل ترے دست حنائی سے

سرکار محبت میں یہ اندھیر تو دیکھو
دل دے کے ہوئے الٹے خطاوار ہمیں اور

دیکھو پچھتاؤ گے اک ہاتھ لگاتے جاؤ
بات رہ جائے گی مرنے کو تو مر جائیں گے

ہوں وہ دیوانہ کہ مدت سے مری مشتاق ہے
بن کے آغوش تمنا ہر کڑی زنجیر کی
کس طرح زنداں سے نکلوں بے مروت سے بعید
روکتی ہے پاؤں پڑ کر ہر کڑی زنجیر کی

کفر کا داغ مٹانے سے مٹایا نہ گیا
عشق اس بت کا مرے دل سے خدایا نہ گیا

کیا ہوا دیدۂ تر نے جو بہایا دریا
شعلۂ داغ جگر اس سے بجھایا نہ گیا
واہ اے جذبۂ دل دیکھ لی تاثیر تری
یاں تک اس وعدہ فراموش کو لایا نہ گیا
سارے عالم کی نگاہوں میں شب و روز پھرے
اک مرے پاس ہی بس آپ سے آیا نہ گیا
محفل یار سے آیا جو بگڑ کر وارث
لاکھ سمجھایا اسے لاکھ منایا نہ گیا[1]

واسطی

مولوی منشی سید فضل رسول صاحب واسطی - تعلقہ دلر سندیلہ -

یاد آئی جو تری نرگس میگون ساقی
میں تو کیا ہوں نہ فرشتوں کو مرے ہوش رہا
ایک اپنی نہ کبھی میں نے زمانے کی سنی
مثل گل باغ جہاں میں ہمہ تن گوش رہا

جب تک رہا جہاں میں رہی رزق کی تلاش
گردش میں رات دن صفت آسیا رہا

زندہ ہوں لاغری کے سبب اب میں ناتواں
پھر پھر گئی ہے موت بھی آ آ کے بارہا

لب شیریں کی محبت میں سفر کر ہی گیا
زہر میٹھا تھا مگر مجھ کو اثر کر ہی گیا

---

۱ - از فصیح الملک

منھ چاہِ زنخداں کو لگانے نہیں دیتا
وہ دل کی لگی مجھ کو بجھانے نہیں دیتا
درباں سے جو اوس در پہ مجھے ملتی ہے رخصت
کم بخت ادب پاؤں بڑھانے نہیں دیتا

اگر وہ وعدۂ فردا نہ کرتا
کبھی یوں حشر میں برپا نہ کرتا
تمنائیں ہزاروں عمر تھوڑی
جہاں میں کیا میں کرتا کیا نہ کرتا

یا بوسہ دیجئے مجھے یا بوسہ لیجئے
سوچو کہ کام آئے گا اک دن دیا لیا
دنیا میں بیٹھنے کو جگہ اس کی نہ تھی
اچھا ہوا کہ ہم کو خدا نے اٹھا لیا

نہ پوچھو عالم پیری میں کیفیت جوانی کی
ہوا جنگل سے بدتر باغ پامالِ خزاں ہو کر
ہما بھی ہے سگِ جاناں بھی خواہاں جسمِ لاغر کا
کروں کس کس کی دعوت ایک مشتِ استخواں ہو کر

طالبِ رتبہ اگر ہے تو قدم گھر سے نکال
تاج تک پہنچے صدف سے جو ہو گوہر باہر

مر کے عشقِ لبِ جاں بخش کا جائے نہ اثر
خاک ہو جاؤں جو میں خاکِ شفا بن جاؤں

زیب معشوق رہے مدِ نظر صدموں میں
جل کے سرمہ ہوں تو میں پس کے حنا بن جاؤں

روز ہالے کی طرح میں تو ہوں تجھ پر قرباں
مہر مجھ سے تجھے اے ماہ لقا ہے کہ نہیں
دشتِ وحشت سے یہ کانٹوں کی صدا آتی ہے
تر کرے ہم کو کوئی آبلہ پا ہے کہ نہیں

اے شہ سوارِ حسن فلک ہے ترا سمند
مطلق نہیں ہے فرق ہلال و رکاب میں
دیکھے گلوں کو نرگسِ مخمور سے جو یار
خاصیت شراب ہو پیدا گلاب میں
وقتِ کلام بے دہنی کا ہے اُن کو عذر
ہے بات لاجواب کہیں کیا جواب میں

مرے اشکوں کی طغیانی نہ پوچھو
ہوا جاتا ہے دل پانی نہ پوچھو
کسی آئینہ رو کے ہم ہیں عاشق
ہماری وجہ حیرانی نہ پوچھو

سلامت کوچۂ گیسو سے کب رہرو گزرتے ہیں
وہاں دو چار کی ہر روز شامت آ ہی جاتی ہے
جلا پروانہ دیکھا شمع کو روشن جو محفل میں
ملے معشوق غیروں سے تو غیرت آ ہی جاتی ہے

کیا مانند زر اُلفت نے زرد آخر مرا چہرہ
مقدر چاہیے گھر بیٹھے دولت آ ہی جاتی ہے

سمجھ کر چشم عاشق اس نے اپنی آرسی توڑی
خدا حافظ بچیں گے کس طرح سے آئینے دل کے
ادا و ناز و شوخی و شرارت عشو و غمزہ
ہمیں تو مار ڈالا ہے انہیں دو چار نے مل کے
حواس و عقل و صبر و ہوش جتنے دوست تھے میرے
انھیں سب کو نکالا گھر سے دل نے عشق سے مل کے

عاشقوں سے بڑھ کے معشوقوں کا دل مشکل میں ہے
آرزو پوری کریں کیوں کر جو سب کے دل میں ہے

واصف

سید تصوف حسین صاحب اکبر آبادی

پیاری صورت تری خالق کا پتا دیتی ہے
آئینہ مجکو حقیقت کا دکھا دیتی ہے
اک اشارے میں تری آنکھ کے جی اٹھتا ہوں
اچھی بیمار ہے مردے کو جلا دیتی ہے
مر گیا میں تو کہا ظلم نہ اٹھے اس سے
طعنے کیا کیا مجھے ظالم کی جفا دیتی ہے
بند ہو جاتی ہے جب آنکھ تصور میں ترے
جو نہ دیکھا ہو وہ آنکھوں کو دکھا دیتی ہے

ملایا خاک میں ارمان دل کا
ہتو یہ ظلم کعبے کے مکیں پر

واصفی

سید محمد عبدالصمد واصفی تلمیذ داغ دہلوی ۔

سرمہ آلودہ نگاہِ یار ہے
سان پر رکھی ہوئی تلوار ہے
اسکو دیکھیں خواب میں گر خواب آئے
دشمن اپنا دیدۂ بیدار ہے
تم کو ہے اپنی نگہ پر ناز کیا
دیکھنے کی یہ فقط تلوار ہے

تجلی طور کی ہو یا کسی کا روئے زیبا ہو
ہمیں تو دیکھنے سے کام ہے کوئی تماشا ہو

کیوں خانۂ دل سے مرے ارمان نہ نکلیں
کیوں تنگ نہ مہمان ہوں اجڑے ہوئے گھر میں

تکتا ہے روز آئینہ ایک ایک کا جو منہ
کیا جانے کس کی شکل کے ہے انتظار میں

کرے گی اب ہمیں کیا خاک چشمِ تر ٹھنڈا
جلے ہوئے ہیں بہت داغِ ہجر یار سے ہم
نشانہ کرتا ہے نیزۂ مژہ سے وہ کافر
اگر بچاتے ہیں دل کو نگہ کے وار سے ہم

سمجھ سکتا ہے تو اے بے وفا اس دل کی حالت کو
دمِ اقرار کیسی تھی ، دمِ انکار کیسی ہے

جفا پر ہو جفا پیہم ، ستم پر ہو ستم ہر دم
مرے دل کو بھی یا رب لذت دیدار کیسی ہے
پھلے پھولے ترا باغ تمنا اے شہ آصف
ترے دم سے دکن کی سلطنت گلزار کیسی ہے

مل کر گئے وہ مجھ سے الٰہی ستم ہوا
اک رنج میرے دل کا بڑھا ایک کم ہوا

کیا سمایا ہے دل میں غرور
بت بھی دعویٰ کریں خدائی کا
دہن تنگ سے ترے ظالم
حرف نکلا نہ آشنائی کا

ملا اس طرح خون عاشق کا اس نے
کوئی جانے ہاتھوں میں رنگ حنا ہے

ایسا ڈرا ہوں میں ترے بیداد و جور سے
گر لطف بھی ہوا تو یہ جانا ستم ہوا

کیوں ہوش اڑ گئے آپ کے اے حضرت زاہد
کیا دیکھ لیا جلوۂ مستانہ کسی کا

اس کو خموشی کی تاب دیکھئے کب تک رہے
بات مری لاجواب دیکھئے کب تک رہے

نرگسِ میگوں کا ہے دل کو ہمیشہ خیال
جام میں اپنے شراب دیکھئے کب تک رہے
لپٹا ہوا ہے مرا رشتۂ تارِ نظر
بن کے یہ تارِ نقاب دیکھئے کب تک رہے

واقف

نواب سید اصغر حسین عرف لاڈلے صاحب واقف تخلص۔ رئیس شمس آباد۔ شاگرد داغ دہلوی۔

کیا غضب ہے کہ مرے خون کا پیاسا دل ہے
زندگی کا جو سہارا ہے وہی قاتل ہے
آج تم حشر میں گھبرائے ہوئے پھرتے ہو
ہم نہ برسوں سے یہ کہتے تھے خدا عادل ہے
شوق نے راہِ محبت جو بتائی مجھ کو
دل نے بے ساختہ روکا کہ کڑی منزل ہے

گراں اتنی تو ہو جنسِ وفا تیرے زمانے میں
اگر سر دے کے اس کو لیں یہ سودا جب بھی سستا ہو
جمالِ یار بھی قائل ہوا تیرا اے سیہ بختی
مزا جب ہے کہ اس کافر کے گھر میں بھی اندھیرا ہو

پایا نہ کہیں اپنے لیے اس نے ٹھکانا
آباد ہوئی آ کے تباہی مرے گھر میں
چھوڑا نہ بعدِ مرگ بھی سوز دروں نے ساتھ
بن کر شرر رہا مرے سنگِ مزار میں

آیا تھا کون دشت میں سینہ کے بل جنوں
ٹکڑے لگے ہیں دل کے ہر اک نوکِ خار میں

دل کا پہلو میں کوئی مطلب نہیں
چھپ کے بیٹھا ہے نگاہِ ناز سے
ہارتے ہیں جان کیوں کر عشق میں
پوچھ یہ اپنے کسی جاں باز سے
منہ تھکائے کیھ کے قم تیری بلا
کر مسیحائی نگاہِ ناز سے
جاں فزا ہے تیری ظالم ہر ادا
تو مجھے مارے گا کس انداز سے

وہ آنکھ میں ہے دل میں خدنگِ نظر اس کا
اس گھر کا مکیں اور ہے اس گھر کا مکیں اور

زمانہ اس ستم آرا کو قاتل کس طرح سمجھے
لہو کا رنگ جب ظاہر نہ ہو دستِ حنائی سے
یہی نہ چند آنکھوں پہ ہے کچھ تفتہ جاں تڑپیں
وگرنہ اور کیا مطلب تھا ان کی خود نمائی سے
غضب ہے اے ہجومِ غم کہ سینے میں ترے ہوتے
جگر کے پار ہو جائے وہ ناوک اس صفائی سے

جگر کے ہر طرح دشمن غمِ فرقت کے نالے ہیں
جو گھٹ جائیں تو چھریاں ہیں جو بڑھ جائیں تو بھالے ہیں
وہ نظریں لاکھ چھریاں ہوں وہ ابرو لاکھ خنجر ہوں
ہمیں جو دیکھ کر جیتے ہیں کیا وہ مرنے والے ہیں

ادا بانکی ، نگہ ترچھی ، بھویں کج ، پُرشکن گیسو
ترے اعضا جُدا نے کون سے سانچے میں ڈھالے ہیں

جلائے گا لبِ جاں بخش تیرا ایک کس کس کو
کہ تیری ہر ادا کہتی ہے میں سفاک و قاتل ہوں

سر ابھی دوش پر کچھ بار نہیں ہے مجھ کو
توبہ کیجیے نہ مرے سر کی قسم کھانے سے

واقف

مرشد زادہ آفاق میرزا کوباش[1] بہادر خلف بہادر شاہ بادشاہ دہلی شاگرد ذوق ۔ مرزا فخرو کے بعد ولی عہد ہوئے ۔ مفقود الخبر ہیں ۔ دو بیٹے مرزا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور مرزا نصرو دہلی میں ہیں ۔

سو لختِ جگر ساتھ ہیں سو پارۂ دل ہیں
اشک آنکھ سے اس شان سے اس دھوم سے نکلے
ہر کوچہ و دیوار سے ہو سنگ فشانی
دیوانہ ترا نکلے تو اس دھوم سے نکلے

واقف

صاحبزادہ عبدالغفار خان ۔ صاحبزادگان ٹونک سے ہیں ۔ نو عمر صاحبزادے ہیں ۔ کیسی قدر تحصیل علم کی ہے ۔ حضرت ظہیر دہلوی سے تلمذ ہے ۔ فن شعر کی ابتدا ہے[2] ۔

---

۱ ۔ قوباش ؟
۲ ۔ از بیاض

بسکہ رنج افزائے طبع نازک جاناں نہیں
آسماں پر ہے دماغ اس آہ بے تاثیر کا

جو نہ جاتا ہو کہیں کوچۂ جاناں کے سوا
ایسے دیوانے کو کچھ حاجت زنجیر نہیں

شوخی بھری ہوئی ہے غضب چشم یار میں
لڑتی ہے ایک ایک سے کافر خمار میں

نہیں رہتا زمانہ چار دن بھی ایک حالت پر
عدو کا دور دورہ ایک سا یارب سدا کیوں ہے

آج منہ پھیر کے محفل میں وہ فرماتے تھے
شرم کچھ ہو تو ہمیں منہ نہ دکھائے کوئی

کیوں نہ باطل سمجھوں اقرار وفا
سحر ٹپکے ہے تری گفتار سے

میں ستم گار سہی آپ وفادار سہی
دیکھنا یہ ہے کہ کیا مجھ پہ ستم کرتے ہیں
کھول کر بھی وہ نہ دیکھیں گے کہ کس کا خط ہے
ہم کس ارمان سے خط شوق رقم کرتے ہیں

واقف

واقف شاہ غازی پوری معاصر سودا مقیم دہلی۔ آخر عمر میں لکھنؤ میں جا کر وفات پائی[1]۔

میں تو گیا تھا سونپ کے دل کو وفا کے ہاتھ
اے آہ چڑھ گیا یہ کہاں سے جفا کے ہاتھ

عشق میں کیا فضل و ہنر چاہیے
آہ میں تھوڑا سا اثر چاہیے
خوبرو ہو کے باوفا ہووے
میں نہ مانوں اگر خدا ہووے

رحم اے زلف ستم گر لطف اے بخت سیاہ
موکشاں کھینچے پھرے کب تک پریشانی مجھے

واقف

داروغہ مرزا واجد حسین لکھنوی شاگرد حضرت اسیر مرحوم۔

دی خدا نے جن کو اپنے گھر میں رہنے کی جگہ
ان بتوں سے زاہدو کیوں کر عزیز ایماں کریں
بن بلائے ہجر قاتل میں چلا آتا ہے غم
ہم سوائے خون دل کیا خاطر مہماں کریں

واقف

شاہ واقف۔ واقف تخلص۔ کہتے ہیں کہ فیض آباد میں ایک فقیر تھے

---

۱ - از بیاض

منقبت کہنے میں شہرت تھی۔ کبھی کبھی غزل بھی کہہ لیتے تھے۔
زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔ یہ چند شعر ان کے مصحفی کے تذکرہ میں دیکھ
کر نقل کیے گئے۔

جب وہ پردے سے یار نکلے ہے
آہ بے اختیار نکلے ہے

ان رقیبوں سے گئے گزرے ہیں کیا اے یار ہم
وہ شریک بزم ہوویں اور نہ پاویں بار ہم
در تلک نکلا نہ ہوگا واسطے واقف کے تو
پھر گئے ہوں گے ترے کوچہ میں سو سو بار ہم

خیال وعدہ سے از بس کہ تو نظر میں رہا
تمام رات مرا جی صدائے در میں رہا

صبح پر وصل یار کی ٹھہری
آہ پھر انتظار کی ٹھہری

لی وائے ہمرہوں نے رہ اپنی یاں کی
ہم رہ گئے بھٹکتے جوں گرد کارواں کی

وجاہت

مولوی محمد وجاہت حسین جھنجھانوی۔ وطن جھنجھانہ ضلع مظفرنگر۔
تلمیذ حضرت داغ دہلوی۔

ہمارے آہ و نالہ نے جہاں سر پر اٹھایا ہے
زمیں گردش میں آئی ہے فلک چکر میں آیا ہے

مسی مالیدہ لب پر پان کا لاکھا جمایا ہے
تماشا ہے دھوئیں کو آگ کے نیچے دبایا ہے
لبوں پر آہ رہتی ہے کلیجہ منہ کو آیا ہے
غضب میں آ گیا ہوں جب سے میں نے دل لگایا ہے
کوئی بت دیر سے آ کر مرے دل میں سمایا ہے
غضب ہے کعبہ میں کافر نے اپنا گھر بنایا ہے
پس مردن جہاں کی کشمکش سے چین پایا ہے
تھپک کر گور نے آرام سے ہم کو سلایا ہے
وجاہت آفرینش سے یہ مطلب ہم نے پایا ہے
کہ خالق نے مٹانے کے لیے ہم کو بنایا ہے

ناصحا مجھ کو نصیحت تو بہت کی تم نے
وصل کی بھی کوئی تدبیر بتاتے جاتے

سودائے زلف ہے تپ فرقت میں زور پر
پیدا یہ درد سر بھی ہوا ہے بخار میں
سوئے عدم ہے توسن عمر رواں رواں
روکے اسے نہیں ہے یہ طاقت سوار میں

دل کے ارماں تیر لینے کو بڑھے
لائے گھر مہماں کو اعزاز سے
حشر ہے مغرور اپنی چال پر
تم ذرا چل کے دکھا دو ناز سے

نام عنقا کا ہو گیا مشہور
بے نشانی نشان ہے گویا

کچھ قفس میں زندگانی اور ہے
کوئی دن کا دانہ پانی اور ہے
شیخ جی کے واسطے پیرِ مغاں
لا جو تھوڑی سی پرانی اور ہے

آنے ہوں گو کہیں سے اپنے بزرگ اب تو
ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا
اُس کی کھوٹ اک دن کھو کے رہے گی ہم کو
مٹ جائے گا جہاں سے نام و نشاں ہمارا
فاسن کے بوٹ اچھے لگتے ہیں ہندیوں کو
اب نفر ہو گئی ہیں یہ جوتیاں ہمارا
ہر وقت منہ میں رکھتے ہیں سگریٹ اور پائپ
شائستگی سے اُڑتا ہے اب دھواں ہمارا

سنگدل کو بھی وہی کر دے گا موم
جس نے پتھر میں شرر پیدا کیا
خود مرض بڑھ کر ہوا اپنی دعا
درد دل نے چارہ گر پیدا کیا

سوزِ اُلفت کبھی عیاں نہ ہوا
جل گیا دل مگر دھواں نہ ہوا

بیخودی لے گئی کہیں سے کہیں
میں جہاں ہوں کبھی وہاں نہ ہوا

وجد

منشی غلام غوث صاحب بدایونی شاگرد مذاق بدایونی ۔

تم تو جب تھے کہ زمانے کا نہ تھا نام و نشان
تم زمانے سے بھی ہو اگلے زمانے والے

وجد

منشی محمد شفیع وجد دہلوی شاگرد شوکت میرٹھی

چھڑا دی دختِ رز دے دے کے چکمہ حور و غلماں کا
پڑے گا صبر تجھ پر شیخ مجھ سیدھے مسلماں کا

منظور تیغ یار کو خود امتحاں نہ تھا
ورنہ عدو سے بڑھ کے تو میں سخت جاں نہ تھا

قطعہ

تو ہم میں ہے اور ہم سے معمور ہے تو
دریا کی طرح قطروں سے بھرپور ہے تو
جلوہ ہے ترا عیاں مگر تو پنہاں
جوں مردمِ چشم پاس مگر دور ہے تو

چاک دامان کر چکا پھر بھی گریباں گیر ہے
دیکھو اے دشت جنوں جامے سے بیروں باہر نہ ہو

---

۱ - از بیاض -

گزر کر نعش عاشق پر ترا رشک مسیحا ہو
صدائے قم بہ غل مقتل میں ہر سو مرحبا کا ہو
چھڑایا کوچہ دلبر کا بھی بیمار محبت سے
ترے سودائے درماں کا علاج اے چارہ گر کیا ہو
مزا جب ہے کہ وہ خنجر بکف ہو کر یہ کہتا ہو
بھلا دیکھیں مرے کیوں کر وہ جو اُلفت کا مارا ہو
سیہ بختی نہ ہو خال سیہ کا گر نہ سودا ہو
نہ ہوں ٹیڑھے وہ گیسو گر مقدر اپنا سیدھا ہو

قطعہ

دل وارفتہ اپنا جب لگے مرنے حسینوں پر
کوئی کہتا ہو میرا ہو کوئی کہتا ہو میرا ہو
مگر جب کشمکش دونوں طرف سے ہو تو لطف آئے
کہ یہ کمبخت ہرجائی نہ اُن کا ہو نہ ان کا ہو

شب وصال یہ اس بت کی شوخیاں دیکھو
ہزار بار نہیں کی ہے ایک ہاں کے لیے

تصور نے جما دی بات آخر قیس کے دل میں
خدا کا گھر جسے کہتے ہیں وہ لیلیٰ کا محمل ہے
حسینانِ جہاں سب عقل پر زاہد کی ہنستے ہیں
وہ مر کر خلد کی حوروں پر ان حوروں سے غافل ہے

وجد

میر واجد علی۔

برہم ہوئے کیوں ہاتھ سے کیوں آئینہ پھینکا
دیتی ہے پتہ کچھ عرق آلودہ جبیں اور
کیا لطف دیا دل کو ترے تیر کے صدقے
ہاں او قدر انداز یہیں اور یہیں اور
قبضہ کریں بت شان خدا کعبۂ دل پر
اللہ یہ نیرنگ! مکاں اور مکیں اور
تیر نگہ ناز ہی کیا کم تھے جو قاتل
کھنچنے لگی خنجر کی طرح چین جبیں اور

وحشت

مولوی رضا علی وحشت ابن مولوی شمشاد علی مرحوم ابن حکیم غالب علی علوی نسب ہیں۔ شریف‌النفس خلیق اور بامروت ہیں۔ ۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء مطابق ۲۵ ذی‌الحجہ ۱۱۹۸ء ہجری کو کلکتے میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں درجہ انگریزی میں تعلیم پائی۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے دفتر امپیریل رکارڈ ڈیپارٹمنٹ میں ملازم رہے۔ فارسی اور انگریزی اچھی طرح جانتے ہیں۔ شاعری کی ابتدا ۱۸۹۷ء میں ہوئی اور مولوی ابوالهاشم محمد شمس مرحوم خلف‌الرشید مولوی عبدالغفور خاں بہادر نساخ مرحوم کے ارشد تلامذہ میں منسوب ہوئے۔ مرزا احمد علی کوکب مرحوم کی صحبت نے بھی ان کی فن شعر میں رہنمائی کی ہے۔ شعر و سخن میں ان کو بہت انہماک رہا ہے اور کلام اساتذہ سے فیض اٹھایا ہے۔ مرزا غالب مرحوم کو وہ اپنا ہادی فن قرار دیتے ہیں اور ان کے کلام میں کسی قدر غالبیت بھی موجود ہے۔ فارسی میں بھی شعر کہتے ہیں۔

ہندوستان کے اکثر رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ کلام رنگین اور طبیعت متین ہے۔ جابجا ان کے اشعار میں متانت اور رنگینیٔ طبع اور جودتِ فکر کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہم ناظرین کو ان کے اشعار سے محظوظ کرنا چاہتے ہیں۔

پایہ بہت گیا بلند اس نے حریم ناز کا
تا نہ پہنچ سکے غبار رہگزرِ نیاز کا
دیر ملا تھا راہ میں کعبہ کو ہم نکل گئے
جذبۂ شوق میں دماغ کس کو ہو امتیاز کا
خاک میں مل گئے ولے آنکھ اٹھی نہ شرم سے
ہم سے ہوا نہ حق ادا اس کی نگاہِ ناز کا

قسمت میں ناامیدی و حسرت ہے کیا کروں
اس بیوفا سے مجھ کو محبت ہے کیا کروں
کس کو خبر نہیں ہے کہ دیتا ہے وہ فریب
یاں تو فریب کھانے کی عادت ہے کیا کروں
قائل ہوں خوش کلامیٔ واعظ کا میں ولے
پیرِ مغاں سے مجھ کو عقیدت ہے کیا کروں

کون جانے کہ یہ کافر نظری کس کی ہے
خبر اتنی ہے کہ ثابت مرا ایمان نہ رہا
مل گئی وحشتِ دیوانہ کو تھوڑی سی زمیں
اب وہ ہنگامہ سرِ کوچۂ جاناں نہ رہا

چلتا رہا ہمیشہ میں اک طرز خاص پر
یعنی فریب خوردۂ دیر و حرم نہ تھا

احسان ہے طبیعتِ دقت پسند کا
یعنی کہ رہنا کوئی نقشِ قدم نہ تھا

گھر کے آنے ہی سے ابر کا باراں ہونا
جمع ہونا ہی ہے خاطر کا پریشاں ہونا
دیدۂ یار سے جب تک کہ نہ ٹپکے آنسو
ہم کو تسلیم نہیں چشم کا گریاں ہونا

دل خستہ ذوقِ الم سے خوش غمِ یار اپنے اثر سے خوش
کوئی غیر کے ہے ضرر سے خوش کوئی آپ اپنے ضرر سے خوش
یہی رسمِ منزلِ عشق ہے کہ ہیں سب پرائے ضرر سے خوش
جو مژہ ہے پارۂ دل سے خوش تو ہے چشم لخت جگر سے خوش
نہ خیال ذوق وصال کا نہ دماغ بزم نشاط کا
وہی مجھ کو عیش دوام ہے جو کرے تو ایک نظر سے خوش
ہر اک اپنے رنگ میں محو ہے یہ ہے لطف وادیٔ عشق میں
جو خوشی ہے صید کو زخم کی تو کہاں کش اپنے ہنر سے خوش
ہے تلون اُن کے خمیر میں مجھے اعتماد ہو اُن پہ کیا
جو عدو سے اُن کی بگڑ گئی تو میں کیوں ہوں ایسی خبر سے خوش

میری صبحِ وصل شامِ ہجر کی تمہید ہے
اور شامِ ہجر صبح حشر کا آغاز ہے
صید ہے عاجز تو ہے صیاد بھی عاجز نواز
بے پر و بالی مجھے بال و پرِ پرواز ہے
نکتہ پردازی میں وحشت پیرو غالب ہوں میں
سرمے کو کہتا ہوں دودِ شعلۂ آواز ہے

شرمندہ ہو کے گر گئے اپنی نظر سے آپ
یعنی کہ ہم سما نہ سکے چشم یار میں
آنا ترا بھی روزِ قیامت سے کم نہیں
ہے انتظار مرگ ترے انتظار میں

ظالم کی تو عادت ہے ستاتا ہی رہے گا
اپنی بھی طبیعت ہے بہلتی ہی رہے گی
اک آن میں وہ کچھ ہیں تو اک آن میں کچھ ہیں
کروٹ مری تقدیر بدلتی ہی رہے گی

ہر اک عضوِ بدن ماتم کناں ہے دل کے جانے سے
ہوا جو یوسف گم تو کارواں کا کارواں رویا

غضب ساقی کی بد مستی ستم جوشِ شباب اُس کا
چھلک پڑتا ہے اُس کے ہاتھ سے جامِ شراب اُس کا
ہزاروں اُس کے قدموں پر تھے مشتاقِ گرفتاری
مرے ہی دل کو چھانٹا دیکھنا تو انتخاب اُس کا
کرم کی ہے نظر اُفتادگانِ خاک پر دائم
محافظ ہے دلوں کا طرۂ عالی جناب اُس کا
کلام عرفیؔ شیراز ہے تقلید کے قابل
ہمارے ریختے میں دیکھ لے وحشت جواب اُس کا

نہ میسر آئی اک دن مجھے قلب کی حضوری
ہوئی عمر اپنی آخر نہ گئی مگر یہ دوری
ترے پھر کر آتے آتے کہیں یہ نہ ہو کہ قاصد
مری جان پر بنا دے مرے دل کی ناصبوری

ہے یہ رنگ فارسی کا جو ہے تیرے ریختے میں
تری اب جگہ ہے وحشت بمقابلِ ظہوری

کبھی میں گستاخ تھا تپش میں کبھی میں رونے میں بے محابا
نہ ڈھنگ آیا نماز ہی کا نہ کچھ سلیقہ مجھے وضو کا
بنے کا ذوقِ عطا خود اُس کا محرکِ آشنا نوازی
طلب کی خاطر دراز کرنا ضرور کیا دستِ آرزو کا

مجھے بیتاب رکھتا ہے یہاں خود ذوقِ بربادی
تمھیں سمجھاؤ کچھ اپنی نگاہِ فتنہ ساماں کو
ترے آنے سے خونِ لالہ و گل جوش میں آیا
لگا دی آگ تیرے حسن نے گویا گلستاں کو
جو کی ہے اک نظر تو دوسری بھی بندہ پرور ہو
نکالا دل جو سینے سے تو کیوں رہنے دو ایماں کو

نہیں میں عندلیبِ بے مروت باغِ اُلفت میں
کہ چھوڑوں گلستاں کو خستۂ جورِ خزاں ہو کر
اُنھیں کچھ ربط غیروں سے نہ تھا پر اب کیا پیدا
بگاڑا آپ میں نے کام اپنا بدگماں ہو کر
خدا جانے کدھر کا جذبہ لیجائے کہاں مجھ کو
چلا ہوں میں تو کعبہ کو مگر کوئے بتاں ہو کر

مجھے مرگ ہے گوارا نہ بلاؤ چارہ گر کو
کہ کسی پہ ہو نہ ظاہر مرے دل کا راز ہرگز

اثرِ سجود زاہد ہو جبیں سے گر نمایاں
تو تری نماز کو میں نہ کہوں نماز ہرگز

ہم بھی تھے جوہرِ گراں مایہ
پر کوئی صاحبِ نظر نہ ہوا
قدر دانی کی کیفیت معلوم
عیب کیا ہے اگر ہنر نہ ہوا

چلا جاتا ہے کاروانِ نفس
نہ بانگِ درا ہے نہ صوتِ جرس
برس کتنے گزرے یہ کہتے ہوئے
کہ کچھ کام کر لیں گے اب کے برس

آہوں کا ہنگامہ ستم ، اشکوں کی طغیانی غضب
برپا ہے طوفاں اک طرف جاری ہے دریا اک طرف
کیا پوچھتا ہے حالِ دل ، ہوں جرمِ اُلفت سے خجل
آنکھ اپنی اُٹھ سکتی نہیں عرضِ تمنا اک طرف

کیا جانے کہاں سے دلِ مضطر میں لگی آگ
کس گھر سے اُٹھی آگ کہ اس گھر میں لگی آگ
اے طبع تری گرم عنانی کا ہوں کشتہ
پرواز کی گرمی سے مرے پر میں لگی آگ

ہر اک بقدرِ ظرف ہے خواہاں نشاط کا
مے سے قدح ، قدح سے سبو اور سبو سے ہم

یارب ہمیں نصیب نہ ہو لذتِ خلش
رسوا کریں جو زخمِ جگر کو رفو سے ہم

اس طرف بھی ہو عنایت کی نظر اے ساقی
ہم بھی اک بار کہیں لا ترے قربان گئے
شوخیٔ عشق کہ ہم ہوگئے رسوائے جہاں
خوبیٔ حسن کہ سب آپ کو پہچان گئے

دیکھ لی تیری محبت دیکھ لی
تو محبت آزمانا چھوڑ دے
گر جلانے کو بہت ملتے ہیں دل
تو مرے دل کا جلانا چھوڑ دے
قدر وحشت کی کہاں اس بزم میں
ہے یہی بہتر کہ جانا چھوڑ دے

رباعی

بے سمجھے نہ جامِ غم پیا تھا میں نے
یہ کام تو جان کر کیا تھا میں نے
انجام یہ تھی نظر جو رویا تھا بہت
جس روز کہ تجھ کو دل دیا تھا میں نے

در مدح مرزا غالب

ظہوری ہو کہ طالب تیرے دل کا راز کیا سمجھے
ادا دانی کو تیری عرفیٔ شیراز کیا سمجھے

حزیں یہ شیوۂ فکر چمن پرداز کیا سمجھے
تری ترکیب کیا جانے ترے انداز کیا سمجھے
ہوا ہے رشک افزائے عجم ہندوستاں تجھ سے
بنی یہ سرزمیں دلی کی گویا اصفہاں تجھ سے

وحشت

میر بہادر علی وحشت شاگرد شیخ قلندر بخش جرأت ۔

ہوا دل کیوں تو دیوانہ نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
یہ چپکے چپکے غم کھانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
ہوئی ہے بعد مدت وصل کی شب اب تو کچھ بولو
غضب ہے ایسا شرمانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
بس اپنا کیا چلے حیرت سے ہو جس وقت یہ عالم
منہ اس کا دیکھ رہ جانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
ستانے کا ہمارے یہ بھی اک انداز ہے ان کا
کہ گھر سے ہم کو بلوانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
مرے نامے کو پڑھ کر وہ خفا ہووے تو قاصد تو
نہ گھبرانا نہ ڈر جانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
یہ خو ہے شعلہ رویوں کی بیٹھے چپکے عاشق کے
جگر میں آگ بھڑکانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
شرارت ایک یہ بھی ہے کہ ہم سے باتوں باتوں میں
بگڑ کر ان کا اٹھ جانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
جو وحشت عاشق صادق ہے تو تو اس کی فرقت میں
کچھ اک دن کھا کے مر جانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا

جتنے تھے اسیر آج ہوئی سب کی رہائی
افسوس ہمیں کر گیا صیاد فراموش
شیریں کی صدا قبر سے آتی ہے کہ تاحشر
کرنے کے نہیں محنتِ فرہاد فراموش

نقشِ پائے گزشتگاں ہیں ہم
محو حیرت ہیں اب جہاں ہیں ہم
ضعف سے کیا کہیں کہاں ہیں ہم
اپنی نظروں سے خود نہاں ہیں ہم
صبر و تاب و تواں کے جانے سے
ہائے گم کردہ کارواں ہیں ہم
دل کو لے کر خبر بھی دل کی لیا کی
پھر کہو گے کہ دل ستاں ہیں ہم
آ کے جلدی کرو مسیحائی
اب کوئی دم کے میہماں ہیں ہم
آئینہ دیکھنے نہ دیویں گے
جانتے ہو کہ بدگماں ہیں ہم
کم کوئی ہوگا موردِ آفات
جس قدر زیر آسماں ہیں ہم

شعلہ شمع میں تب سے ہے گزرِ پروانہ
حضرتِ عشق ہیں جب راہبر پروانہ
حسرت و یاس کے عالم میں ہیں دونوں یکساں
ہجر کی شام شمع کی اور سحرِ پروانہ

حال کیا پوچھتا ہے رات کا مجھ سے وحشت
قصۂ شمع کہوں یا خبرِ پروانہ

مانگو بوسہ تو وہ دشنام دے مینوشی میں
دیکھ لو ہوش ہے کتنا اسے بیہوشی میں
بات آئی نہ اسے تیرے دہن کے آگے
غنچہ کا پردہ ہی بس رہ گیا خاموشی میں

وحشت

مرلوی غلام غوث صاحب بدایونی شاگرد مذاق ۔

نالہ تاثیر آشنا نہ رہا
بے نیازی ترا گلہ نہ رہا
ہے وفا کا مری انہیں اقرار
مجکو اب شکوہ جفا نہ رہا
اے ہجوم سرشک یہ اندھیر
کہ نظر کا بھی راستا نہ رہا

وحشت

حکیم صدرالدین خان صاحب متوطن شاہ جہاں آباد ۔ آپ عالی خاندان ہیں اور آپ کے آبا و اجداد قدیم الایام سے عہدہ ہائے جلیلہ پر قلعہ میں ممتاز رہے ۔ آپ مرزا منش خوش تقریر اور خوش خلق ہیں ۔ فن حکمت میں استعداد کامل حاصل ہے ۔ شہزادہ عالی تبار مرزا جواں بخت بہادر کے مصاحب تھے تھوڑے عرصہ سے بوجہ ناموافقت زمانہ شہر رام پور میں مقیم ہیں ۔ یہ آپ کے کلام کا انتخاب ہے ۔

میں وفادار ہوں خدا کی قسم
نہ کرے مجھ سے وہ وفا نہ کرے
مجھ سے تجھ کو خدا خفا نہ کرے
تجھ سے میں ہوں خفا خدا نہ کرے

نیند سے اٹھتے تھے جس تصویر کا منہ دیکھ کر
خواب میں بھی سو نہیں دیتی دکھائی کیا ہوئی
دو گھڑی دل جا کے بہلاتے تھے جس سے گاہ گاہ
اس میں اور ہم میں الٰہی یہ جدائی کیا ہوئی
ہم میں اور تم میں بھلا پوچھو تو کیسا ربط تھا
کیا ہوئی فرماؤ تو وہ آشنائی کیا ہوئی
زعفرانی ہو گئے جو آتشیں رخسار تھے
وہ کدھر لالی گئی یہ کہربائی کیا ہوئی

جلا چکے مرے دل کو بہت مجھے دیجے
اجی دھرے رہو بس تم نے دل ستائی کی

لب پان خوردہ ترے باغ میں اے رشک بہار
غرق خون ہووے اگر لالہ صحرا دیکھے
لے کے زنجیر اگر دشت میں آوے ناصح
پھر وہ وحشت کا ہماری بھی تماشا دیکھے

حشت

شاعر نامور غلام علی خاں مراد آبادی مولد شاہ جہاں آباد۔ ۱۸۴۷ء میں چالیس برس کی عمر تھی اور مہاراجہ الور کی سرکار میں ملازم تھے۔ مومن خان سے مستفید تھے ذکی الطبع سخن فہم با کمال تھے۔ حضرت غالب مومن خان۔ شیفتہ و آزردہ مرحوم کے ہم صحبت و دلی دوست تھے۔[1]

بے تکلف آئے وہ پھر تماشہ وقت نزع
کام آساں ہو گیا یہاں مردن دشوار سے

---

۱ - از بیاض

گزرا اس اعتماد محبت سے . میں خدا
مجھ سے چھپالیں کاش وہ الفت رقیب کی
نالہ میرا روز و شب سن سن کے عادت ہو گئی
اہل عالم اب نہیں ڈرنے کے بانگ صور سے

وحشت

مرزا کبیر الدین احمد گورگانی دہلوی شاگرد ذوق و مرزا رحیم‌الدین حیا مرحوم ۔

وہ بے وفا اُمید تسلی بشام غم
تیرا خیال یہ دل مضطر کدھر گیا

کون سے فتنوں میں ہے فتنۂ محشر ظالم
سینکڑوں فتنے ہیں ایسے تری رفتار کے پاس

ناحق کے ظلم کاوش بیجا سے کیا حصول
لو گے ستا کے کیا دل خانہ خراب کو

وحشت

جامع النسبت و السانیت استاد شیخ احمد حسن صاحب وحشت بدایونی تلمیذ رشید میاں عبداللہ شاہ صاحب بیتاب بدایونی[1] ۔

بہار رنگ عجب روئے گلزار میں ہے
یہ ایک گل چمنِ حسن کا ہزار میں ہے

۱۔ از گلدستہ بدایوں ۔

قدم قدم پہ ہوا چاہتا ہے حشر بپا
نہاں وہ فتنہ محشر خرام یار میں ہے
بتائیں کیا کہ بھری ہے کہاں کہاں حسرت
دل فگار میں ہے جان بیقرار میں ہے
تم آ کے خانہ دل میں بناؤ اپنا گھر
کھلا ہوا یہ در چشم انتظار میں ہے
پلا ہے آنکھوں میں خون دل و جگر پی کر
یہ طفل اشک مژہ کی رہا کنار میں ہے

حشت

میر حبیب احمد خلف میر مشتاق احمد[۲] ۔

آخر اپنا بھٹک بھٹک کے غبار
ایک دن اس کے در پہ آ ہی رہا

خانہ خراب نالۂ و زاری سے باز آ
ہر دم کی ہائے ہائے میں اے دل اثر نہیں

شغل واں اس کو میکشی کا رہا
زہر کے گھونٹ یاں پئے ہی بنی
اس کے تھم تھم کے گھر آنے پر
ہم کو رک رک کے جان دئے ہی بنی
جو نہ سننا تھا وہ سُنا ہم نے
جو نہ کرنا تھا وہ کیے ہی بنی

---

۲ - از بیاض -

دل کی خانہ خرابیاں وحشت
عافیت سر پہ دھر لیے ہی بنی

وحشت

شاہزادہ احمد شاہ مقیم کلکتہ ۔ ٹیپو سلطان والی میسور کے خاندان میں سے ہیں ۔

قتل گہ میں جب برائے قتل خنجر لے چلا
مجھ کو بھی دم دے کے ساتھ اپنے ستم گر لے چلا
دیکھتے ہی ابروے قاتل مری گردن جھکی
حسرتیں جو دل میں تھیں سب زیر خنجر لے چلا
تشنہ کامان محبت کو پلانے کے لیے
مژدہ باد اے دل کہ قاتل آب خنجر لے چلا
آج تربت پر چڑھانے کو شہید ناز کی
دوستوں کے ساتھ وہ پھولوں کی چادر لے چلا

افشاں کی چمک ابروے دلدار پہ ہے یا
جوہر یہ نمودار ہیں شمشیر سے باہر

وحشت

حافظ رشید النبی مرحوم رام پوری مقیم کلکتہ ۔ اکرام احمد ضیغم کے شاگرد تھے ۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شاعر تھے ۔ مولوی عبدالغفور خاں نساخ ڈپٹی مجسٹریٹ و صاحب تذکرہ سخن شعرا ان کے شاگرد تھے منتخب کلام درج کیا جاتا ہے ۱۲۷۴ھ میں عالم شباب میں انتقال کیا ۔

لطف و اشفاق و عنایات و کرم تو اک طرف
ان دنوں وہ مائل جور و جفا ہوتا نہیں

مشتاق سمجھ کر مجھے پردے میں ستم کے
باتیں سر محفل وہ سنا جاتے ہیں کیسی

وحشی

قاضی محمد عبداللہ صاحب وحشی بنارسی شاگرد مرزا صابر صاحب بہادر[۱]

میں وہ ہوں گر لب پہ میرے نالہ شبگیر ہو
منتظر باب اجابت پر کھڑی تاثیر ہو
ہیں جو وہ ٹیڑھے تو ہوں سیدھی اگر تقدیر ہو
خاک اپنے ہاتھ میں آ جائے تو اکسیر ہو
ان کے چہرے میں ہے اتنی روشنی نام خدا
منہ چھپالیں تو نقاب آئینہ تصویر ہو
بوسے جی بھر کر لب شیریں کے لینے دو ہمیں
تا نہ دل بھٹکے اگر نیت ہماری سیر ہو
آپ ہیں معشوق وحشی کی نشانی کے لیے
آپ کے زیب گلو بھی نقرئی زنجیر ہو

وہ بے حجاب ہو ہم سے تو پھر نہ آئے حجاب
کہ وقت پر وہ نہ آنے سے شرمسار رہے
جو دیکھے حال وہ میرا تو صورت تصویر
مدام چشم میں غالب نظر کا تار رہے

[۱] از گلدستہ لطیف ۔

عجب ہی وہ لاغر کمر ہو گئی
کہ دیکھا نہیں اور نظر ہو گئی
ترے رخ پہ جا کر نہ وہ ہٹ سکی
مری ناتواں پہ نظر ہو گئی
تمہیں دیکھ لیں گے کہ کتنے ہو تم
ہمیں جس دم اپنی خبر ہو گئی

یوں کفن لپٹا ہے مجھ وحشی کے جسم زار میں
سوزن عیسیٰ ہو جیسے زخم داسندار میں
تھد مدت کی لگا دو تم کہ آ جائے یقیں
عمر آخر ہو گئی اقرار ہی اقرار میں
آپ مل جاتے ہیں ہر اک رنگ میں پانی کی طرح
آپ کا انکار ہے اے یار کس انکار میں

وحشی

منشی حبیب حسن صاحب باشندہ دیوبند مقیم رورڑ کی۔

انصاف میں کیوں دیر ہے اے داور محشر
ڈر ہے نہ چلا جائے وہ محشر سے نکل کر
اس زلف کا سودا ہے کہ ارمان ہے دل کا
ہم مر بھی گئے پر نہ گیا سر سے نکل کر

اگر پتھر ہوں تو اس سنگدل کا یا خدا دل ہوں
سیہ رو ہوں تو یا رب عارض محبوب کا تل ہوں

بنا آخر ہلال اپنے تکبر کے نتیجے سے
کہا تھا آسماں پر بدر نے میں ماہ کامل ہوں

وحشی

عبدالقادر خان صاحب متخلص بہ وحشیؔ متوطن رام پور ساکن حال بریلی شاگرد علی بخش صاحب بیمار مرحوم[1]

سامنے ان کے ہے کیا چیز دل سخت ترا
یہ وہ نالے ہیں کہ پتھر میں اثر کرتے ہیں
کونسی بات حسینوں میں ہے اور اس کے سوا
ظلم کرتے ہیں ستم کرتے ہیں شر کرتے ہیں
رات دن شہر خموشاں سے صدا آتی ہے
ملک فانی میں عبث گھر یہ بشر کرتے ہیں

کیجئے کوئی اشارہ ابروے خمدار کا
ہاں بھلا ہم بھی تو دیکھیں کاٹ اس تلوار کا
کیا اٹھا کر آنکھ دیکھیں وہ مریض عشق کو
جو نہ پوچھیں حال اپنے مردم بیمار کا
کہہ رہا ہوں اپنے خالق سے کہ دے خلد نعیم
لے نہیں سکتا ادب سے نام کوئے یار کا
اس قدر گل کھائے ہیں اس گلبدن کے عشق میں
بلبلوں کو میرے تن پر ہے گماں گلزار کا
آج کل سے مجھ کو وحشی عالم وحشت نہیں
میں ہوں دیوانہ ازل سے اس پری رخسار کا

---

۱ - از گلدستہ لطیف

وحشی

منشی محمد فیض علی خاں متخلص بہ وحشی وکیل دربار کشن گڑھ متعینہ آبو۔ بسمل خیر آبادی کے شاگرد ہیں۔

وہ تصور میں ہے مہماں میرا
اب نکل جائے گا ارماں میرا
فصل گل آ گئی سینے کیوں ہو
یوں ہی رہنے دو گریباں میرا
کیوں نہ لوں مصحف رخ کا بوسہ
میں مسلماں ہوں یہ قراں میرا

آرزو ملنے کی ہے تیری ہمارے دم کے ساتھ
ہم تمنا سے ہیں زندہ اور تمنا ہم سے ہے[1]

وحید

عبدالوحید صاحب مالک پوری انسپکٹر بٹوارہ محکمہ کلکٹری میرٹھ[2] شاگرد داغ۔

پھول لالے کا نہیں ہے یہ چمن میں پھولا
داغ کھایا ہوا پرخون کسی کا دل ہے
مردم دیدۂ عاشق کا پڑا ہے پرتو
پھول سے گال یہ تیرے جو نمایاں تل ہے

ملے وہ غم سے جس کو خاک میں ملنا ہو مرنا ہو
لگائے غم سے وہ دل جس کا پتھر کا کلیجا ہو

۱۔ از بیاض
۲۔ معیارالارشاد

مری آنکھوں میں رہنے سے حجاب آتا ہے گر تم کو
تو میرے دل میں آ بیٹھو اگر منظور پردا ہو

میں جب جانوں تجھے آہ رسا کچھ زور ہے تجھ میں
وہ چٹکی لے کہ جس سے ان کے دل میں درد پیدا ہو
برچھی کی ہے تیزی مرے قاتل کی نظر میں
سینے سے گئی دل میں گئی دل سے جگر میں
بچپن میں یہ شیریں سخنی آئی کہاں سے
مشہور ہے ہوتا نہیں رس خام ثمر میں
نظریں تو ملاتے نہیں تم شرم و حیا سے
یہ تیر کہاں سے چلے آتے ہیں جگر میں

صبر و قرار چلتے ہوئے ہجر یار میں
اک درد رہ گیا ہے دل بے قرار میں
رکھا ہوا ہے کیا ترے بیمار ہجر میں
ہو جائے گا تمام شب انتظار میں
آہ شرر فشاں کے پتنگے ہوا میں ہیں
یا جگنو اڑ رہے ہیں یہ شب ہائے تار میں
دنیا سے لے کے جائیں گے ہم آپ کا خیال
بہلائیں گے اسی سے دل اپنا مزار میں
گھبرا نہ داغ فرقت جاناں سے تو وحید
یہ داغ کام شمع کا دیں گے مزار میں

دل میں لو اس بت مہوش کی لگا رکھی ہے
گھر میں اللہ کے یہ شمع جلا رکھی ہے

حسرتوں کا تو یہاں خون ہوا جاتا ہے
واں حنا پاؤں میں ظالم نے لگا رکھی ہے
خوف یہ ہے کہیں کھل جائے نہ دل کی چوری
مجھ سے اس واسطے آنکھ اس نے چرا رکھی ہے[1]

وحید

راجہ غلام حسین خاں صاحب ۔ وحید نامور استاد راجہ جنگ بہادر صاحب بہادر راجہ لال پارہ ۔ شاگرد نواب عاشور علی خاں صاحب بہادر مرحوم[2] ۔

مدام سالل گیسوئے مشک بار رہے
خطا سے باز نہ آئے سیاہ کار رہے
الٰہی پاؤں میں بیڑی پڑے محبت کی
جنوں کے ہاتھ سے دامن بھی تار تار رہے

اشک برسے شبِ فرقت میں گھٹا سے پہلے
جھولکے آہوں کے چلے سرد ہوا سے پہلے
پھیر تلوار گلے پر تو ہمارے لیکن
پھانسی دے لے گرہِ زلفِ دوتا سے پہلے

ہرگز لگاؤ غیر سے مدِ نظر نہ تھا
جو رنگ ڈھنگ اب ہے ترا پیشتر نہ تھا
ہنگام مرگ آنکھ سے آنسو نکل پڑے
موجود اپنے پاس جو زادِ سفر نہ تھا

---

۱ ۔ محبوب الکلام
۲ ۔ از گلدستۂ لطیف

پہونچے ہم اسی کے در پہ الہی ہزار شکر
جس حور کی گلی میں ملک کا گزر نہ تھا
قاتل نظر پڑا تو قدم دوڑ کے لئے
سر پر اجل سوار تھی مرنے کا ڈر نہ تھا

جوبن کا لوٹنے میں مزا گلعذار کے
کیونکر نہ باغ باغ رہیں پھول ہار کے
دوڑا نہ دیں ملک بھی کہیں ہاتھ ڈر یہ ہے
بے طرح آپ چلتے ہیں سینہ ابھار کے
بولے بگڑ کے جھوٹ کا پتلا بنا ہے تو
صدمے بیان کئے جو شب انتظار کے
نیکوں کے ساتھ اس نے بدی کی تمام عمر
شاکی سبھی رہے فلک بے مدار کے

وحید

استاد مشہور دور و نزدیک مولوی وحیدالدین وحید ساکن الہ آباد۔

پہونچے اگر فلک پہ دھواں میری آہ کا
گل ہو چراغ روشنیٔ مہر و ماہ کا
دل سے جگر کی سمت پھری ہے صف مژہ
پہونچی کہاں کدھر تھا ارادہ سپاہ کا

سو مرتبہ گو صور پھکے حشر بپا ہو
وہ آنکھ نہیں خواب سے غفلت کے جو وا ہو

ہو جانے مرے حق میں دوا درد کی صورت
تو چاہے تو خود درد ابھی شکل دوا ہو

اے سکہ داغ ملک دل میں
تیرا ہی رہے چلن ہمیشہ

یاد آئی ہے پھر اس بت کمسن کی شرارت
چٹکی سی ابھی لی ہے مرے دل میں کسی نے
کیوں آئے ہو کیا کام ہے جاؤ گے رہو گے
اتنا بھی نہ پوچھا تری محفل میں کسی نے

سوجھتا پہلے سے الفت کا جو انجام مجھے
ایسے صدمے نہ دکھاتا دل ناکام مجھے
میں تو خود چاہتا ہوں ہجر میں نالے نہ کروں
لینے دیتا نہیں درد جگر آرام مجھے
سر بالیں ترے کشتوں کی قضا کہتی ہے
کر گئی تیغ ادا مفت میں بدنام مجھے

یہ کیا نیند ہے کیسے سوتے ہو صاحب
مزا صبر و آرام کھوتے ہو صاحب
وحید آج کس کا خیال آ گیا ہے
جو یوں ہاتھ مل مل کے روتے ہو صاحب

وحید

منشی سرفراز علی خان وحید شاگرد میر وزیر علی صبا ۔[1]

لہراتی ہے دل کو جو اڑاتی ہے صبا زلف
رشک آتا ہے کیوں چھوتی ہے اس گل کو ہوا زلف
کیا کفر نے اسلام کا پہلو ہے دبایا
ہوتی نہیں دم بھر ترے عارض سے جدا زلف
ہے تم سے مہ و مہر کو کیا حسن میں دعویٰ
ہمسر ہیں تو دکھلائیں تمہاری سی بھلا زلف
اس دل کی گرہ زلف گرہ گیر نے کھولی
اس عقدہ لاحل کی ہوئی عقدہ کشا زلف
ساقی نے نہانے میں اگر بال نچوڑے
بہت مست یہ سمجھے کہ ہوئی کالی گھٹا زلف

وحید

سید ہادی علی خلف میر مہر علی اُنس لکھنوی مرثیہ گو ۔

تم صاف رہو یا نہ رہو اے مہ تاباں
ہم وہ ہیں کہ دل بھی کبھی میلا نہیں ہوتا
بے وجہ پریشانی و سودا نہیں ہوتا
دل زلف میں جب تک کہیں الجھا نہیں ہوتا
کیوں عشق میں ڈوبے نہ رہیں چاہنے والے
دریائے محبت میں کنارہ نہیں ہوتا

---

۱ ۔ کارنامہ

دل تم سے نہ پھرے گا وحید جگر افگار
یہ عاشق جانباز کا شیوہ نہیں ہوتا

وحید

جناب منشی محمد وحیدالحق صاحب ساکن پلول ضلع گوڑگانوہ - تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم -

مرے پھولوں میں شامل ہو کوئی کہنے کی باتیں ہیں
پس مردن بھی حاصل ہو خوشی کہنے کی باتیں ہیں
ستم دل پر سہے ایسے کوئی کہنے کی باتیں ہیں
نباہے غیر تم سے دوستی کہنے کی باتیں ہیں
مٹے دل سے ہمارے داغ الفت ہو نہیں سکتا
چلی جائے بہار اس باغ کی کہنے کی باتیں ہیں
فلک بھی ہاں ستم گر ہے مگر تم اور ہی کچھ ہو
کرے گا وہ تمہاری ہمسری کہنے کی باتیں ہیں
تڑپ کر دل نکل آئے مرے پہلو سے ممکن ہے
مگر نکلے تمنائے دلی کہنے کی باتیں ہیں
کسی کا پاس رسوائی زباں کو تھام لیتا ہے
نکلتی جو نہیں منہ سے وہی کہنے کی باتیں ہیں
مجھے روتے جو دیکھا شمع نے جل کر کہا مجھ سے
ان اشکوں سے بجھے دل کی لگی کہنے کی باتیں ہیں

وحید اہل زباں ہیں اور سخن کو ہم پرکھتے ہیں
غزل لکھ دے کوئی اس رنگ کی کہنے کی باتیں ہیں[1]

وحید

مولوی عبدالواحد صاحب ۔ پنشنر مدرس تلمیذ حضرت داغ ۔

دیکھ کر خنجر بکف قاتل کو فرط شوق سے
نذر دل پہلے کیا تو بعد کو سر رکھ دیا[2]

وزیر

جناب شیخ وزیر علی صاحب لکھنوی شاگرد جناب حکیم لکھنوی[3] ۔

دیکھو نظر کے رم کو ادھر ہے کبھی آدھر
انداز ان کی آنکھ میں وحشی ہرن کے ہیں
سنیے لٹی کہانی مری چھیڑ کر کبھی
قصے پرانے قیس کے اور کوہ کن کے ہیں
اڑ کر ہوا سے چہرے پہ آتی ہے زلف یار
آثار ظاہر آج تو سورج گہن کے ہیں
تکیہ میں ہیں مٹے ہوئے جن کے نشان قبر
عاشق کمر کے کچھ ہیں کچھ ان کے دہن کے ہیں

وہ کون دن تھا کہ جس دن خیال یار نہ تھا
وہ کون رات تھی جس رات انتظار نہ تھا

---

۱ ۔ از رسالہ ید بیضا ۔
۲ ۔ از فصیح الملک ۔
۳ ۔ از بہار سخن ۔

اکا تھا قبر سے پھر کیوں درخت نرگس کا
پس فنا مجھے ان کا جو انتظار نہ تھا[1]

اے حضرت عشق آپ کے باعث سے جہاں میں
آباد ہیں گھر تھوڑے ویران بہت ہیں
حاضر جگر و دل ہیں یہ آنکھیں مری موجود
رہنے کے لیے آپ کے ایوان بہت ہیں
شیدائے رخ یار ہیں کم زلف کے بے حد
حیران ہیں دو چار پریشان بہت ہیں

رندوں سے مے کو حجاب دیکھئے کب تک رہے
شیشے میں بند آفتاب دیکھئے کب تک رہے
آنکھ مری غرق آب دیکھئے کب تک رہے
پانی کے نیچے حباب دیکھئے کب تک رہے
شیخ کو شغل شراب دیکھئے کب تک رہے[2]
شیب میں رنگ شباب دیکھئے کب تک رہے[3]

کسی پر اے وزیر اک روز مر کے
چلے جائیں گے اپنا نام کر کے
خجل حوریں ہوئیں شرمندہ پریاں
وہ جب محفل میں آئے بن سنور کے

---

۱ - از دامن گلچیں -

۲ - از محبوب الکلام -

۳ - از محبوب الکلام -

غبار آسا اگر بیٹھے کہیں پر
بٹھا دی کچھ زمیں ہم نے زمیں پر
ہمارے دل کے ٹکڑے اس گلی میں
پڑے ہیں کچھ کہیں پر کچھ کہیں پر

وزیر

خواجہ محمد وزیر صاحب مرحوم لکھنوی۔ یادگار حضرت ناسخ مرحوم۔

کیا دل جلوں کے زخم کے انگور سے کھنچی
ساقی شراب میں جو مزا ہے کباب کا
کوئے صنم میں شوق سے میخواریاں کرو
فردوس میں حلال ہے پینا شراب کا
کہتا ہے آب تیغ سے سیراب کر کے شوخ
پانی پلانا کام بڑا ہے ثواب کا

خط سے پنہاں عارض رشک قمر ہونے لگا
رات اب بڑھنے لگی دن مختصر ہونے لگا
سختیٔ ایام دوڑی آتی ہے پتھر لیے
کیا مرا نخل تمنا بارور ہونے لگا

وہ چشم مجھ کو مار کے خونخوار بن گئی
آہو شکار کر کے مجھے شیر ہو گیا
زلفوں نے دل کو چھین لیا رخ کی دید میں
لوٹا ہے دن دہاڑے یہ اندھیر ہو گیا

چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شادماں ہو کر
زمین کوئے جاناں رنج دے گی آسماں ہو کر
اسی خاطر تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر
کیا غیروں کو قتل اس نے موئے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستو آئی نصیب دشمناں ہو کر
کھلے گا رازِ الفت کر یہ چپ رہنے کے چرچے ہیں
کرے گی مجھ کو رسوا میری خاموشی بیاں ہو کر

کٹ گیا سر بزم میں لیکن رہی ثابت قدم
ہے تو زن رکھتی ہے لیکن ہمت مردانہ شمع

عید قرباں ہے یہی دن تو ہے قربانی کا
آج تو تیغ کی مانند گلے مل قاتل
سخت جاں ہوں مری گردن پہ چھری پھیرا کر
تیز کرنے کے لیے خوب ہے یہ سِل قاتل

غروب چار پہر آفتاب رہتا ہے
نہاں ہے آلہ پھر کیوں شراب شیشے میں
کسی کے آتے ہی ساقی کے یہ حواس گئے
شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں عجب خوابِ ناز ہے
فتنہ تو سو گیا ہے درِ فتنہ باز ہے

محراب تیغ یار سے پھیرا کبھی نہ منھ
جس کا نہیں سلام وہ اپنی نماز ہے
کیا کیا نہ ہم کو اپنی عبادت پہ ناز ہے
دم ہی نکل گیا جو سنا بے نیاز ہے

بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ
اب توقع نہیں رہائی کی
شاہ کہلائے ہر طرح سے وزیر
بادشاہی نہ کی گدائی کی

یادِ مژگاں میں مری آنکھ لگی جاتی ہے
لوگ سچ کہتے ہیں سولی پہ بھی نیند آتی ہے
فغاں کروں کہ ہے سیبِ ذقن پہ طوطی خط
ثمر بچانے کو کرتے ہیں باغباں فریاد
چھپا ہے گیسوے مشکیں میں رخ کروں نالے
ہوئی ہے رات کرے کیوں نہ پاسباں فریاد

اٹھا اٹھا کے جو پردہ نگاہ کرتے ہیں
ہمارے دل میں وہ در پردہ راہ کرتے ہیں
لکھی ہے حسن نے فارغ خطی پہ خط نہ سمجھ
جو تِل نکلتے ہیں مہریں گواہ کرتے ہیں
ذائقہ ہونٹوں کا بدلے گا نہ مسی ملیے
ہوں گے پہ قندِ سیہ اب تو شکر پارے ہیں

لڑ گئیں تم سے جو آنکھیں ہو گئی اک بار صلح
کیجیے دو تین باتیں چار آنکھیں ہو گئیں
اے بت کافر ہے بس بے عیب ذات اللہ کی
لب ترے عیسیٰ ہوئے بیمار آنکھیں ہو گئیں

بعد از فنا زمیں سے نہ اٹھا مرا غبار
ایسا کوئی کسی کی نظر سے گرا نہ ہو
مر کر بھی اس گلی میں نہ ہم پہنچیں یا نصیب
خاک اپنی جب اڑے تو ادھر کی ہوا نہ ہو
بے جرم و بے گناہ نہ عاشق کو قتل کر
کعبہ تری گلی ہے کہیں کربلا نہ ہو

لیا جان و دل و تاب و تواں کو
مرے یوسف نے لوٹا کارواں کو

چاہیے اگر خدا تو ہر اک عیب ہو ہنر
موسیٰ کو دیدیا ید بیضا جلا کے ہاتھ
دیندار ہم اسی کو سمجھتے ہیں اے وزیر
دنیا سے جو کہ بیٹھ رہا ہے اٹھا کے ہاتھ

چومتا ہوں لب شیریں وہ خفا ہوتا ہے
کیا شکر رنجیٔ جاناں میں مزا ہوتا ہے
قفس تن میں نہ گھبرائیو اے طائر روح
جو گرفتار ہے اک روز رہا ہوتا ہے
نہیں معشوق بھی آزاد گرفتاری سے
ہاتھ مہندی ہی کے حیلے میں بندھا ہوتا ہے

سب کی نظروں سے گراتا ہے دلا دستِ سوال
ہاتھ میں یاں اثرِ لغزشِ پا ہوتا ہے

ہو گوارا رنج انھیں جن کو ہو آرائش پسند
ہاتھ بندھوالیں حسیں رنگِ حنا کے واسطے

چھانتا ہے خاک کیا تو گور بنانے کے لیے
فکر رہنے کی اس کر آیا ہے جانے کے لیے
خاک ہوں تو دانۂ تسبیح بنوائے فلک
سو طرح کی گردشیں مجھ کو دکھانے کے لیے
کیوں دلِ بیتاب کو دکھلایا خالِ زیر زلف
دام میں مچھلی نہیں آنے کی دانے کے لیے

ہجر میں اک ماہ کے آنسو ہمارے گر پڑے
آسماں ٹوٹا شبِ فرقت ستارے گر پڑے
پھینکی تھی زاہد نے کل شیشے کی گردن توڑ کر
آج سنتے ہیں کہ مسجد کے منارے گر پڑے

وزیر

وزیر علی خاں ابن کپتان حسن علی خاں شاگرد مومن دہلوی۔ ابتدائی عمر میں دہلی میں رہائش تھی پھر نواب یوسف علی خاں والی رامپور کے ہاں ملازم ہوئے۔ ۴۳ سال کی عمر میں ۱۲۸۶ھ میں انتقال کیا فن شعبدہ بازی میں مہارت کامل رکھتے تھے۔[1]

۱۔ از بیاض۔

لے گئے رخ دکھا کے تاب و تواں
لٹ گیا دن کو قافلہ دل کا

بیٹھ کر پاس مرے جب وہ اٹھا شوخی سے
بیقراری سے کئی بار میں اٹھا بیٹھا

نہیں ہے ساماں خواب دلبر تو موت ہی کاش ہو میسر
جو تو نہ آئے تو بھیج خنجر کہ سو رہیں ہم گلے لگا کے

دام الفت میں ترے پھنس کے بھلا دیکھیں تو
طائر دل کے تڑپنے کا مزا دیکھیں تو
دل میں کالے کے کھلانے کا جو بل رکھتے ہیں
ہاتھ کافر تری چوٹی کو لگا دیکھیں تو

اک صلاح غیر پر لاکھوں ستم
پوچھنا تھا اور بھی دو چار سے

شیشے میں نہیں شراب مدت گزری
میخانہ ہوا خراب مدت گزری
توبہ کے عوض وزیر توڑا دل کو
ساقی کو دیا جواب مدت گزری

وزیر

شیخ محمد وزیر ولد پیر بخش مقیم عظیم آباد کلکتے میں بود و باش رکھتے اور رہن برس کے مالک ہیں ۔ پہلے حکیم سید محمد سجاد کے شاگرد

تھے۔ اب بلبل ہندوستان حضرت داغ دہلوی کے شاگرد اور اخبار گوہر آصفی کے ایڈیٹر ہیں ۔ موزوں طبع شاعر ہیں ایک رسالہ موسوم بہ نتیجہ سخن بھی شائع کیا تھا ۔ عمر ۵۴ سال ۔ اپریل ۱۸۸۴ع میں مجلد و قصیدہ تہنیت تخت نشینی حضور نظام خلعت و سرپیچ مرصع قیمتی دو ہزار پانسو انعام پایا ۔ دکن ۔ دہلی ۔ لکھنؤ ۔ اطراف ہند کی سیر کر چکے ہیں ۔[1]

دعائیں بھی کی بھر رہی ہیں
پتہ ملتا نہیں تاہم اثر کا

ساربان سے کہتے تھے پہلے نہ پردہ فاش ہو
قیس کا آنا نہیں اچھا مرے محمل کے پاس

وہ کبھی دشت میں اور شوق کبھی کوچہ میں
حشر تک دفن نہ ہو گی اسی تکرار میں لاش

سرفروش و سر فدائے نام یار اتنا تو ہو
جاں نہ دے میری طرح سے جاں نثار اتنا تو ہو
پہلے پوچھا جاؤں میں روز شمار اتنا تو ہو
عاصیان حشر میں میرا وقار اتنا تو ہو

نالوں نے کلیجہ تو دل آہوں نے جلایا
ان خانہ خرابوں کی شرارت نہیں جاتی

وزیر

نواب آصف یاور الملک بہادر ۔

---

۱ - از بیاض ۔

اے اصف زمانہ تو وقت کا سلیماں
ہو تیرے حاسدوں کو رنج و محن مبارک

وسعت

مستقیم خاں برادر ملا محسن خاں نبیرہ ملا اعظم خاں از سرداران افاغنہ متوطن شہر رام پور[۱] -

خبر آمد کی ہے کس رشک گل کی اے صبا کہہ تو
کیا فرش رنگیں جو کہ گل نے اپنے داماں کا

نظر آئی جو کا کل اس کی شب ہاتھوں میں غیروں کے
اسی حیرت سے یارو ہم نے سنبل کوٹ کر پھالکا
مرا مذکور اس کی بزم میں مت لائیو وسعت
کہیں سیدھی سنا بیٹھے کا بھائی تجھ کو وہ بانکا

مرد موں لعل و گہر نکلے ہیں پل میں لاکھوں
خانہ چشم مرا جوہری بازار ہوا

بھلا اس زلف عنبر فام کو تشبیہ دوں کس سے
نہ ہمسر یک سرمو جس کے یاں مشک ختن نکلا

زلف سے اس کی لگا دست درازی کرنے
رات شانے نے پریشان جو پایا مجھ کو

---

۱ - از شوق

جو بخت بد ہوں تو ہرگز نہیں کریم سے فیض
تہی حباب کا دریا میں جام چلتا ہے

کوچۂ زلف میں شب جانئے الدھیر تھا کیا
شانہ ساں داں سے جو نکلا سو پریشاں نکلا

بھلا کس کس کو رؤوں بیٹھ کر اے ہم نشیں کہہ تو
جگر کو چشم کو یا خواب کو یا دل کو یا جاں کو

کسی خوش چشم کے عارض کا تل جب یاد آتا ہے
تو کس کس طرح سے ہیہات یہ دل تلملاتا ہے

برنگ گل ہنسانا غیر کو منظور تھا شاید
مثال شبنم اے رشک چمن میرے رلانے سے

اس کی کاکل سے جو تجھ کو ہمسری کا ہے خیال
شاید اے سنبل تجھے کچھ ان دنوں سودا ہوا
سانپ کی سی لہر آ جاتی ہے جب یاد آتے ہے
زلف پرپیچ اس کی اور چہرہ وہ بل کھایا ہوا
شاید اس گل رو کی ہے نوک مژہ دل میں چبھی
تو جو وسمت آہ ایسا سوکھ کر کانٹا ہوا

وسیم

سید محمد عسکری وسیم برادر ریاض احمد ریاض مالک ریاض الاخبار۔

شاگرد امیر مینائی لکھنؤی ۔ گلدستہ مسمی بہ گلچیں ان کے اہتمام سے گورکھپور سے شائع ہوتا ہے ۔ راجہ جونپور اور راجہ تمکوہی کے استاد اور بڑے پرگو شاعر ہیں ۔ خیرآباد ان کا وطن ہے مگر اکثر گورکھپور میں رہتے ہیں ۔ شیریں گفتار اور تیز طبع شاعر ہیں ۔ ان کے والد طفیل احمد بھی ایک ذکی اور فہیم شخص تھے ۔

آہوں سے کم پھکیت نہیں وہ نگاہ بھی
کس کس ادا سے روک رہی ہے اثر کی چوٹ
چل پھر سے تیغ ناز نے کاٹی نگاہ شوق
اچھی رہی ہے آج ادھر سے ادھر کی چوٹ

واعظ جسے سمجھتے ہو وہ آدمی نہیں
رندوں کی جاں کو ہے فرشتہ عذاب کا

دل وہ ضدی ہے جس کی ہٹ وہ بھی
چھکے سے ہنس کے مان لیتے ہیں

شاگردئے امیر پر نازاں ہیں اے وسیم
بسمل ۔ فدا ۔ ریاض ۔ شرر ۔ ایک تمھیں نہیں

دیکھ لینا جب لب کوثر جھکیں گے بادہ خوار
حشر میں واعظ کہے گا میں بھی ہے خواروں میں ہوں

دیا سر تیغ کو دم تیر کو دل اس کے پیکاں کو
قیامت ہے وہ بت اب بھی نہ مانے میرے احساں کو

بتوں کی دید ہے گو دیر میں منظور اے واعظ
تو پہلے طاق پر مسجد کے تم دھر آؤ ایماں کو

نظر طرز حیرت کی بتلا گئی
خموشی وہ تصویر سکھلا گئی

جتنے تیر آئے مرے دل میں ترے ترکش سے
اتنے ہی دل سے نکل کر مرے ارمان گئے
لے گئے چھین کے رندوں سے جو مے لے جائیں
چیز ان کی گئی زہاد کے ایمان گئے

خود لوٹ گیا صورت نخچیر وہ قاتل
دل میں جو لگی تیر سے فریاد کسی کی
تم چل کے ذرا پائے نگاریں سے دبا دو
تا چرخ نہ مٹی کرے برباد کسی کی

حنا یہ بولی کہ قدموں سے رکھ لگا کے مجھے
تو پس کے دل نے کہا واسطے خدا کے مجھے
شب وصال عدو ہو گیا وصال مرا
مرے نصیب نے مارا یہ دن دکھا کے مجھے

تری بزم میں مثل مے کھچ کے آئے
پلانے کو پیر مغاں کیسے کیسے
شب وصل اٹھانے نہ دیں ان کو آنکھیں
لیے شرم نے امتحاں کیسے کیسے

یہ اس کی شرارت ہے جلا ہوں کہ ہوں ٹھنڈا
دل کو کوئی گر آگ لگائے مرے آگے

وہ کہتا اٹھی ہے پی لو واعظو
ورنہ پھر ترسو گے اس دن کے لیے

تری ٹھوکر کا فتنہ ساتھ ہی ٹھوکر کے چلتا ہے
یہ گستاخی کہ تجھ سے دو قدم آگے نکلتا ہے

گرم نظریں کیجیے تا گرم ہو بازارِ شوق
گرم حسن و عشق کا بازار رہنے دیجیے

اٹھتے جوبن کیا جوانی میں چھپیں
یہ تو دو تمغے ہیں اس سن کے لیے

کہاں پیر مغاں کا ہے دخت رز میں اثر
ولی کے گھر میں یہ پیدا ہوئی ولی نہ ہوئی

ہنس کے کہتے ہیں جو ہم آہِ رسا کرتے ہیں
واہ یہ تیر ہوائی بھی خطا کرتے ہیں
دل یہ کہتا ہے سلامت رہے وہ تیغِ ستم
زخمِ دل درد کے بڑھنے کی دعا کرتے ہیں
داغ دل کے ہیں عجب گورِ غریباں یہ چراغ
کہ جلاتا نہیں کوئی یہ جلا کرتے ہیں

تو تو ہنستا نہیں او شوخِ ستمگر مجھ سے
تیرے خنجر سے مرے زخم ہنسا کرتے ہیں

پھرے بیٹھے رہیں الدوہ و الم کے دل پر
خانۂ دل میں سوا تیرے نہ آئے کوئی
خال اتنے ہیں ترے عارضِ نورانی پر
بن کے پتلی مری آنکھوں میں سمائے کوئی

مہ و خورشید کو رخسار سے دعویٰ کیا ہو
اُس کے تلوؤں سے تو منہ پہلے ملائے کوئی
گردشِ چشم نے پیسا ہے تعجب کیا ہے
بن کے سرمہ تری آنکھوں میں سمائے کوئی

وصل کی شب یوں حیا آنکھوں میں ہے آئی ہوئی
جیسے پردے میں دلہن بیٹھی ہو شرمائی ہوئی
دفن کرنے اپنے کشتہ کو نہ آئے اور کہا
مٹی ہو جائے گی مہندی میری رسوائی ہوئی

قتل کا حال زخم بسمل کے
منہ پہ کہہ دیں گے تیغ قاتل کے

وہ آئے تھے مجھے غش سے اُٹھاتا
نہ اتنا بھی نہ ہوا دردِ جگر سے
سنا ہے میکشوں پر صورتِ ابر
وسیم آج آ کے واعظ خوب برسے

رقیب میں آسمان ہے مینا کہیں جسے
شیشے میں آفتاب ہے صہبا کہیں جسے
ملنے سے آنے کا کفِ افسوس میں بھی رنگ
یہ وہ حنا ہے خونِ تمنا کہیں جسے
ہوں نزع میں پھریں مری آنکھوں کی پتلیاں
وہ ہنس کے پتلیوں کا تماشا کہیں جسے
کہیے تو آئینے میں دکھا دیں ہم ایسی شکل
شرما کے آپ چاند کا ٹکڑا کہیں جسے

لحد میں حشر تک تڑپے گی میری روح اس غم سے
حسینوں کے دکھے ہیں دستِ نازک میرے ماتم سے
نہ یہ کافر ٹھہرتا ہے نہ وہ ظالم سمجھتا ہے
الجھتا ہے کسی سے دل بگڑتا ہے کوئی ہم سے
فلک بیکار ہے یہ رات بھر تیری عرق ریزی
لگی بلبل کے دل کی کب بجھے گی آبِ شبنم سے
تکلف میکدے میں ہو اگر درکار اے ساقی
خمِ افلاطون سے لاؤں جام لاؤں چھین کر جم سے
نسیمِ صبح سے کہہ دو ذرا دم لے ذرا ٹھہرے
کہ گل کپڑے بدلتے ہیں نہا کر آبِ شبنم سے
نرے جوبن کا تیری چال کا پوچھے کوئی عالم
مرے آتے ہوئے دل سے مرے جاتے ہوئے دم سے

شوخیاں اور جوانی میں قیامت ہوں گی
بچپنے ہی میں وہ آفت ہیں غضب ڈھاتے ہیں

جانتے ہیں میکدہ کچھ آج بہکتے ہیں وسیم
کوئی حضرت سے یہ پوچھے تو کہاں جاتے ہیں

وصال

منشی مرزا مرتضی حسین داستان گو شاگرد جلال لکھنوی ۔ ان کے والد علی مرزا مرحوم لکھنؤ کے متوطن تھے ۔ یہ خود ایک عرصے سے بوجہ روزگار رام پور میں رہتے ہیں ۔ ۱۲۶۴ سال پیدائش ہے[1] ۔

ایک بوسہ دیا نہ ان نے وصال
منتیں کرتے گزری ساری رات

اٹھ گیا کوئی خرابات جہاں سے لیکن
بے سبب چھائی اداسی نہیں میخانوں پر

تم وعدۂ وصل پر کچھ کہدو ہاں نہیں
کیا سوچ ہے تمہیں یہ کوئی چیستاں نہیں

لخت جگر کے شاید آنے کے منتظر ہیں
ٹھہرے ہیں کیوں مژہ پر آنسو مرے نکل کر
جب وہ کرتے ہیں ستم کہتی ہے الفت ان کی
لطف سمجھو اسے یہ بھی ہے عنایت ان کی

ہاتھ ادھر آٹھے اٹھایا زندگی سے ہم نے ہاتھ
ہم کو شمشیر دو پیکر ان کی انگڑائی ہوئی

۱ - از بیاض

یار اگر عشق خرامی کا تھا دعویٰ کچھ تجھے
الو کھوڑی ہوتی پیاری لاش لھکرائی ہوئی

وصال

حکیم نصراللہ خاں صاحب مرحوم ابن حکیم ثناءاللہ خاں فراق دہلوی۔ طب میں حکیم شریف خاں مرحوم کے شاگرد تھے۔ ۱۸۵۸ء میں ۹ برس کی عمر تھی یہ اشعار ان کے ہیں۔

جان من اضطراب اس دل کا
رشک افزا ہے مرغ بسمل کا

آئینہ گھورنے کو سب سے نرالا نکلا
منہ تو دیکھو یہ بڑا چاہنے والا نکلا

پھیریں گے منہ نہ ہرگز اس شوخ کی جفا سے
ہوگا یہی نہ آخر مر جائیں گے بلا سے
کس کس سے جان بچاؤں حیران ہوں الٰہی
چشمک سے شوخیوں سے انداز سے ادا سے

وصال

جناب محمد عثمان صاحب تلمیذ حضرت واصل۔

یار کے منہ پر نقاب دیکھئے کب تک رہے
ابر میں یہ آفتاب دیکھئے کب تک رہے
کچھ یہی ادائیں نئی کچھ ہیں کرشمے نئے
چلبلا ان کا شباب دیکھئے کب تک رہے

رہتی ہے ہر وقت ہی قتل پہ میرے نظر
ان کی یہ نیت خراب دیکھئے کب تک رہے
اشک کا دریا بہا غرق زمانہ ہوا
دیدہ تر مثل سحاب دیکھئے کب تک رہے[1]

وصف

نواب وصی علی خاں صاحب وصف ۔ عرف سلطان صاحب لکھنوی ۔ شاگرد مشتاق ۔

دشت گردی میں بھی تھا کیا لطف اے جوشِ جنوں
وہ لہو کی دھاریں وہ تلووں میں چبھنا خار کا
آدھے آدھے جام لے کے ساری محفل کو دے
بخلِ ساقی نے جلایا دل ہر اک میخوار کا

قیس اس اُلفت پہ بھی لیلیٰ کے بیگانہ رہا
خاک اُڑانے کے لیے جنگل میں دیوانہ رہا

میکدہ ساقی رہے آباد تا دورِ سپہر
میکشِ محتاج ہوں یہ بڑ مری رندانہ ہے
بھاگتے ہیں مجھ سے کیوں شیخ و برہمن دور دور
عشق کا پابند ہوں مذہب مرا رندانہ ہے

مرا دست جنوں تیار ہے پرزے اُڑانے کو
رفو بیکار ہے اے بخیہ گر چاک گریباں کا

---

۱ ۔ محبوب الکلام

بہار آنے تو دو وحشت مری خود رنگ لائیگی
اُدھڑ جائے گا بخیہ خود بخود چاکِ گریباں کا

اک غیر کا دل ہے کہ جو ناشاد نہ ہوگا
اک یہ دل ناشاد ہے جو شاد نہ ہوگا

دیکھیں گے تم جو کہتے ہو کس طرح ہو یقین
دل پھیر دو مرا تو مجھے اعتبار ہو

درختِ گل میں نہ لٹکا قفس مرا ظالم
کہ لچکی جاتی ہیں پھولوں کی ڈالیاں صیاد
نہ چھوڑے گا جو قفس سے تو فصلِ گلشن میں
تڑپ تڑپ کے مرے گا یہ نیم جاں صیاد
اسیر کر کے بہار چمن لٹا دے گا
رنگے گا خون سے بلبل کے آشیاں صیاد
چمن سے جاؤں گا میں یوں بہار کے ہمراہ
کہ ڈھونڈے سے بھی نہ پائے گا پھر نشاں صیاد

کس قدر مانگنے کا اس کی زباں کو ہے مزا
ایک دم بھی نہیں رہتے لبِ سائل خاموش

بیوجہ نہیں آتے ہی عاشق پہ یہ غصہ
بھیجا ہے ضرور آپ کو سمجھا کے کسی نے
خودبیں جو حسینوں کو بنایا ہے سکندر
ڈھایا ہے غضب یہ تری آئینہ گری نے

زمانہ عمر کا کم ہے سفر پہ ہو تیار
کہیں روانہ عدم کو نہ قافلہ ہو جائے

جو تھا گیسوئے جاناں کا تصور
تو ساری رات اُلجھن میں بسر کی
جو شب مجھ کو ہوئی دشتِ جنوں میں
تو کر کے چاک دامن کو سحر کی

ہمارا روزِ جدائی کبھی تمام نہیں
یہ دن بھی حشر کا دن ہے کہ جس کی شام نہیں
مساعدت پہ زمانے کی فخر و ناز نہ کر
یہ گل وہ ہے جسے اک رنگ پر قیام نہیں

راضی ہوں میں وہ ظلم کریں اک ادا کے ساتھ
اے دل وفا کا لطف بھی ہے پر جفا کے ساتھ

وصل

جناب سید مقبول حسین صاحب بلگرامیؔ تلمیذ جناب حمد لکھنوی ایڈیٹر عالمگیر ہردوئی۔[۱]

وصل کو رستے میں پوچھا میں نے کچھ اس ڈھنگ سے
ان کو گھبرا کر یہی کہنا پڑا ہو جائے گا
اور کچھ مطلب نہیں اقرار کر لو گے جو تم
وصل کا مجھ کو فقط اک آسرا ہو جائے گا

۱۔ از فصیح الملک۔

مرغوب ہیں مجھے دل وحشی کو بن کے پھول
آئیں بھلا پسند اسے کیا چمن کے پھول
گلگشت کو گیا جو مرا غیرت چمن
ہونے لگے خود اس پہ فدا سب چمن کے پھول
زخم جگر کی آ کے مرے دیکھیے بہار
جو ناپسند آپ کے ہیں سب چمن کے پھول
غربت میں پھول اٹھا میں احبا کو دیکھ کر
لو مل گئے مجھے مرے باغ وطن کے پھول
گلہائے باغ خلد مبارک ہوں شیخ کو
ہم کو ہیں اپنے بت کدۂ برہمن کے پھول
تم اس کی یادگار ہو اس کی میں یادگار
شیریں کے پھول تم کرو میں کوہ کن کے پھول[1]

جس نے رخسارۂ جاناں دیکھا
دل میں سمجھا وہ کہ قرآں دیکھا
دہن یار بھلا کس کو ملے
کس نے ہے چشمۂ حیواں دیکھا
کس طرح زلف پھنسا لیتی ہے
اب تو تو نے دل ناداں دیکھا
چھوڑ کر صبح وطن کو ہم نے
جلوۂ شام غریباں دیکھا
ہوئی آزاد قفس سے بلبل
بعد مدت کے گلستاں دیکھا
مجکو دکھلا دے زمانے میں کہیں
جس نے ہو آپ سا انسان دیکھا

---

۱ - از عالمگیر۔

کوئے جاناں میں گئے ہم واعظ
تو نے کب روضۂ رضواں دیکھا[1]

وصل

میر کرار حسین صاحب وصل مرحوم مختار عدالت کلکٹری فتح گڑھ تلمیذ حضرت طاہر فرخ آبادی۔[2]

میں وہ وحشی ہوں کہ دیکھے جو مری جامہ دری
ٹکڑے ٹکڑے کرے ناصح بھی گریباں اپنا
چھوڑ کر میں در دولت کو ترے مفت نہ لوں
اے پری تخت بھی دے دیں جو سلیماں اپنا

باغ الفت بھی لگایا تو ہمیں پھل نہ ملا
دست کوتاہ ہمارے نہ ثمر تک پہونچے

موے مژہ کو ظلم جو مد نظر ہوا
ناوک ہوا کٹار ہوا نیشتر ہوا
پہنچا تمہارے کوچہ میں یا لی عدم کی راہ
سینے سے دم نکل کے روانہ کدھر ہوا
یہ حسن اتفاق ہے اے یار خود پسند
دل کا جو آئینہ تجھے مدنظر ہوا

۱۔ از عالمگیر۔
۲۔ از پیام عاشق۔

ملتا نہیں ہے غیر ترے آستانے سے
کمبخت آدمی ہے یہ کیوں سنگ در ہوا

دیکھ کر اپنے گریبان کفن کو کشتے
ایسے بے خود ہوئے قاتل کا گریباں سمجھے
اے جنوں ہم نہ کہیں گے اسے دیوانہ عشق
فصل گل میں جو گریباں کو گریباں سمجھے

یہ نکتہ حل ہو گیا ہر نکتہ داں سے
سنو وصف دہن میری زباں سے
بنیں اے قند لب مصری کی ڈلیاں
نکل کر گالیاں تیری زباں سے
سوال بوسہ سن کر کیوں ہو خاموش
نہیں ہاں کچھ تو فرماؤ زباں سے
کہاں جاتے ہو کیسا کل کا وعدہ
کسی نادان کو دینا یہ جھانسے
نہ دو ہونٹوں کے بوسے آج مجھ کو
یہ کہہ دو کل کہا تھا کیا زباں سے
جو کھینچے دار پر بھی کوئی مجھ کو
خدا چاہے تو حق نکلے زباں سے

دست بستہ آئے ہیں صبر و قناعت دیکھنا
اس فقیری میں ہماری شان و شوکت دیکھنا
آ گیا ہے وہ مسیحا آج عیادت کے لیے
کل سے آج اچھا ہے بیمار محبت دیکھنا

اپنے ہاتھوں آپ پابند سلاسل ہو گیا
زلف سے الجھی طبیعت میری شامت دیکھنا
یہ مٹھائی زہر قاتل کا دکھانے گی اثر
جان لے گی بوسۂ لب کی حلاوت دیکھنا
فاتحہ پڑھنے کو آئیں گے پری رو خود بخود
نقشِ حب بن جائے گا تعویذ تربت دیکھنا

وصل

سید عاشق حسن ابن سید قربان حسین خلف حکیم میر محمد صاحب مرتعش مولد و مسکن شہر لکھنؤ ہے ۔ ۱۷ ماہ صفر ۱۲۸۷ھ مطابق ۹ مئی ۱۸۷۰ع تاریخ ولادت ہے ۔ حکیم میر محمد صاحب اطبائے نام آور سے تھے۔ ان کے صاحبزادے سید قربان حسین اول رسالہ دار ہوئے پھر شغل تجارت اختیار کیا ۔ تجارت میں خسارہ ہوا تو نواب قاسم علی خان مرحوم رئیس لکھنؤ کی سرکار میں داروغگی اور رفاقت پر منصوب ہوئے ۔ سید عاشق حسن صاحب نے عربی فارسی اور کسی قدر انگریزی کی بھی تحصیل کی اور شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوئے اور ۱۵ سال کے سن ۱۸۸۵ع میں شیخ محمد جان صاحب لکھنوی المتخلص بشاد معروف بہ پیر و میر سے جو اسی سالہ بزرگ اور واقف فن عروض و قافیہ تھے تلمذ اختیار کیا ۔ سحر صاحب نے ان کو ایک سال تک اول فن عروض سکھایا پھر دو سال تک ان کے کلام پر اصلاح دی ۔ ازاں بعد منشی اشرف علی اور منشی شمس الدین خوشنویس لکھنؤی سے اصلاح خط لی اور مختلف مطابع میں آٹھ سال تک کتابت کرتے رہے ناول نگاری کا بھی شوق رہا ۔ رسالہ ارمغاں کے ایڈیٹر رہے ۔ پھر گونڈے میں تحصیلدار ہو گئے ۔ لیکن ۱۹۰۰ع میں علیل ہو کر لکھنؤ چلے آئے اور دو سال تک بیمار رہے ۔

جوش وحشت میں یہ مجھ وحشی نے کی جامہ دری
دشت میں ہیں پارہ جیب و گریباں تا کمر

الجھیں کیا جانئے کیا سوچ کے چن رکھتا ہوں
پھول بستر پہ شب وصل جو مل جاتے ہیں

قبر میں مجھ کو اکیلا نہ فرشتے سمجھیں
بیکسی بھی مری غمخوار ہے تنہائی بھی

ان کی بھی نازک مزاجی سے سوا نازک ہے یہ
ہاتھ سے اس دل کے جینا سخت مشکل ہو گیا

جھوٹے وعدوں میں کسی کے ہے عجب امید و یاس
زندگی تو زندگی مرنا بھی مشکل ہو گیا

غم ہجراں ہو یا ایذائے فرقت کیوں ہو غیروں کو
الٰہی یہ مری دولت نصیب دشمناں کیوں ہو

رکھ پاؤں تربتوں پہ ذرا دیکھ بھال کے
کشتے ہیں ان میں تیری قیامت کی چال کے
شب بھر لڑا کئے یہ کہا ہنس کے وقت صبح
طالب تھے آپ کیا اسی روز وصال کے

وہ عیسیٰ خود علاج درد دل جب کر نہیں سکتا
تو میرے چارہ گر کیوں سعی بے حاصل میں رہتے ہیں

وصل

جناب محمد مشرف خاں صاحب لکھنوی سب پوسٹ ماسٹر صفدر جنگ شاگرد حضرت امیر مینائی ۔

نہ نکلی آرزوئے وصل گر یہاں میری
پھرے گی روح بھٹکتی کہاں کہاں میری
کسی کے ناوک مژگاں کی یاد ہے دم نزع
تڑپ تڑپ کے نکلتی ہے تن سے جاں میری
مجھے مٹے ہوئے دنیا میں اک زمانہ ہوا
عبث تلاش میں پھرتا ہے آسماں میری

محبت کچھ تمھاری کم نہیں ایذا رسانی سے
عدو اپنا ہے اک عالم تمھاری مہربانی سے
عبث شکوہ تجھے صیاد کا ہے بلبل نالاں
ملا کنج قفس تجکو تری اس خوش بیانی سے

وصل

سید محمد ساجد لکھنوی شاگرد عارف لکھنوی ۔

پھر سوزش جگر کا بیاں حال وہ کرے
چلے زباں شمع تو پیدا کرے کوئی
تنہا تڑپ تڑپ کے کوئی رات کاٹ دے
راحت سے اپنڈ اینڈ کے سویا کرے کوئی

رہنے کا تیری یاد کے وہ بھی تھا اک مقام
اچھی جگہ تھی نام تھا جس کا دیار دل

خود میں نے اپنے درد کو مونس بنا لیا
کوئی فراق میں جو نہ تھا غم گسار دل
پہلو میں دل کی طرح سے رکھوں نہ کس طرح
کچھ داغ دل میں رہ گئے ہیں یادگار دل

ہٹا دو نزع میں زانو سے تم مرے سر کو
ہے جائے وہم اگر پاس سے مرے سر کو
ٹھہر ٹھہر کے ہے چلتا گلے پہ یہ کمبخت
تمہارے ناز کی چال آ گئی ہے خنجر کو
یقین داد ملے عاشقوں کو محشر میں
نہ بے نقاب دکھاؤ جو شکل داور کو
جہاں میں تجھ کو الٰہی نہ بھولتا کوئی
جو تو حسیں نہ بناتا بتانِ خود سر کو
برسنے لگتی ہے وحشت سی خانۂ دل پر
جو یاد کرتے ہیں غربت میں ہم کبھی گھر کو
کسی کو فیض نہ ہو ظالموں سے عالم میں
نہ پی سکا دہن زخم آب خنجر کو

وصل

محمد علی خان خلف و شاگرد حکیم نصیر اللہ خان وصال شاہجہاں آبادی ۔ اکبر شاہ ثانی و بہادر شاہ کے عہد میں تھے۔ یہ اشعار ان کے ہیں

کیا مزا اس دل مجروح کو ہوتا حاصل
اس کی شمشیر کے گر ساتھ نمکداں ہوتا

ظلم اس سنگدل کے ہسکہ سہے
بن گیا اپنا دل بھی پتھر کا

بوسے تو اپنے لب کے ہمیں پانچ چار دے
ساتھ اس کے گالیاں بھی اگرچہ ہزار دے

محفل اغیار میں مجھ کو بلایا آپ نے
فتنہ کیا بیٹھے بٹھائے یہ اٹھایا آپ نے

وصی

منشی وصی احمد صاحب متوطن لکھنؤ پور شاگرد جلال لکھنوی

اپنی آواز سناتے یونہی آتے جاتے
گالیاں ہی مجھے دو چار سناتے جاتے
کیسے رہتے ہو یہ کیوں حال تمہارا ہے تباہ
تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کبھی آتے جاتے
شام تو ہو گئی اب آپ کہاں جائیے گا
رات ہو جائے گی گھر آپ کو جاتے جاتے
کاش الفاظ تسلی نہ سنانے جاتے
کر گئے او بھی بے چین وہ جاتے جاتے
چھپ کے اس وجہ سے آئے وہ ہمارے دل میں
کیوں زمانے کی نگاہوں میں سماتے جاتے
کہہ گئے جاتے ہوئے غیر کے گھر جاتا ہوں
دے گئے اور ٹھوکا مجھے جاتے جاتے

وفا

جناب مولوی سید فرید احمد صاحب وفا مراد آبادی ۔

---

۱ ۔ مذاق سخن حیات

ذبح قاتل نے کیا ہائے ستم پھیر کے منھ
مرتے مرتے بھی نہ حسنِ رخِ زیبا دیکھا
جب کہا مرتے ہیں تم پر تو کہا جھوٹے ہو
کبھی ہم نے تو نکلتے نہ جنازا دیکھا

چار دیوار عناصر ایک دن گر جائے گی
کیا بھروسہ کیجئے دو روز کی تعمیر کا

قتلِ عالم کا سبب پوچھا کسی نے تو کہا
ناز تھا، غمزہ تھا، شوخی تھی، ادا تھی میں نہ تھا
اس طرح بولے ہٹا کر وہ مرے منھ سے کفن
کیا اجل دردِ جدائی کی دوا تھی میں نہ تھا

خنجر کی چال آپ کی رفتارِ ناز ہے
کشتوں کے پشتے لگ گئے نکلے جدھر سے آپ
میں کیا کہوں کہ ہجر میں کیوں بولتا نہیں
لڑئیے شبِ وصال میں مرغِ سحر سے آپ

وفا

جناب حکیم عبدالہادی خاں صاحب وفا رامپوری ۔ شاگرد امیر مینائی لکھنوی ۔

جوشِ نظارہ ہے اور پرتوِ یکتائی ہے
تری تصویر بھی اک چشمِ تماشائی ہے
اس طرف عکس اُدھر آپ کی رعنائی ہے
آئینہ تختۂ مشقِ ستم آرائی ہے

اس سے کیا کام وہ رشکِ مہ و انجم ہی سہی
میں ہوں اور جلوۂ داغِ شبِ تنہائی ہے
شعر کہتے ہیں کسے کہنے کی فرصت کس کو
ماتمِ شیفتہ و مومن و صہبائی ہے

توڑ کر عہدِ کرم ناآشنا ہو جائیے
بندہ پرور جائیے اچھا خفا ہو جائیے
خاطرِ محروم کو کر دیجیے محوِ الم
درپئے ایذائے جانِ مبتلا ہو جائیے
گر نگاہِ شوق کو محوِ تماشا دیکھئے
قہر کی نظروں سے مصروفِ سزا ہو جائیے
جی میں آتا ہے کہ اس شوخِ تغافل کیش سے
اب نہ ملیے پھر کبھی اور بے وفا ہو جائیے
دل سے یادِ روزگارِ عاشقی دیجیے نکال
آرزوئے شوق سے ناآشنا ہو جائیے
کاوشِ دردِ جگر کی لذتوں کو بھول کر
مائلِ آرام و مشتاقِ شفا ہو جائیے
ایک بھی ارماں نہ رہ جائے دلِ مایوس میں
یعنی آخر بے نیازِ مدعا ہو جائیے
بھول کر بھی اس ستم پرور کی پھر آئے نہ یاد
اس قدر بیگانۂ عہدِ وفا ہو جائیے
ہائے رے بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر
اس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہو جائیے

وفا کیا تم سے رنگِ بے وفائی بھی نہیں جمتا
اگر ضد ہے تغافل کی تو مجھ سے نیم جاں تک ہے

ابھی اک ذرۂ فیض ہوائے شوق ہے باقی
وہ شمع کشتہ ہوں جس کا دھواں بھی آسماں تک ہے
کوئی اپنی زباں میں بلبل ہندوستاں ہوگا
مرے مضموں کا چرچا اے وفا اقلیم جاں تک ہے

کام ہے جلوۂ نیرنگ تمنا سے مجھے
چاہیے مشق انظر دیدۂ عنقا سے مجھے
میں سبک ہو کے گراں ہوں تو اٹھا لو مجھ کو
صورتِ حرفِ غلط صفحۂ دنیا سے مجھے
آج اُمید ہے میرے لیے سامانِ اجل
نیند آتی ہے ترے وعدۂ فردا سے مجھے
ساقیٔ بزمِ ازل کی یہہ ہوئی بخششِ عام
ہوش آیا ہے وفا نشۂ صہبا سے مجھے

دلِ افسردہ جو بھر آئے تو دریا بن جائے
جوشِ اُمید سمٹ جائے تو آنسو ہو جائے
اس سے مرتا ہوں کہ یہہ لاگ لگاوٹ ہوگی
اس پہ جیتا ہوں کہ دشمن سے خفا تو ہو جائے

کون بیٹھا رہے قاتل کی تمنا لے کر
خود چھری پھیر نہ لیں نام خدا کا لے کر
جذبِ اُلفت ترے صدقے مجھے وہ دن دکھلا
میں کہوں پیار کروں وہ کہیں اچھا لے کر

لیا میں نے بوسہ تو بولے بگڑ کر
ہٹو تم نہیں منھ لگانے کے قابل

تہ تیغِ قاتل کروں کیوں نہ سجدے
یہ دن عید کا ہے دو گانے کے قابل
نزاکت سے وہ ہیں نقاہت سے میں ہوں
نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل

یہ بھی معشوق بنے جان کو میری یارب
چٹکیاں لینے لگے حسرت و ارماں دل میں
کھو دیا حسن پرستی نے تجھے اے زاہد
حوریں آنکھوں میں پھرا کرتی ہیں غلماں دل میں

نظر جو نیچی کیے سر جھکائے بیٹھے ہیں
یہی تو ہیں جو مرا دل چرائے بیٹھے ہیں
نہ دیر کی ہمیں پروا غرض نہ کعبہ سے
تمھارے در پہ مصلا بچھائے بیٹھے ہیں

تمھارے مصحفِ رخ کی بلائیں لیتے ہیں گیسو
خدا کی شان ہے کافر مسلماں ہوتے جاتے ہیں
ستم ہے ان حسینوں کا حیا سے سر جھکا لینا
کماں بن کر ادا کے تیر دل کے پار کرتے ہیں
وفا یہ رنگ بدلا ہے زمانے کی محبت کا
ہمیں کوسا وہ کرتے ہیں جنھیں ہم پیار کرتے ہیں

چراغ داغ دل روشن ہے اپنے خانہ تن میں
رگ جاں کا فتیلہ جل رہا ہے خوں کے روغن میں

یہاں جلتا ہے جی ہنستا ہے وہ گل بزمِ دشمن میں
لگی ہے آگ گلشن میں کھلے ہیں پھول گلخن میں
تری ترچھی نظر نے برچھیاں بڑھ بڑھ کے ماری ہیں
سپاہی ہے بڑا بانکا یہی مژگاں کی پلٹن میں

اُن کی شوخی مری بیتابی یہہ دونوں ہیں گواہ
دل چرا کر جو مکرتے ہیں مکر جانے دو
رخ سے کاکل جو اُٹھائی تو کہا وصل کی رات
لو سحر ہو گئی چھوڑ مجھے گھر جانے دو

چڑھا کوٹھے پہ اپنے سیر کو وہ مہر پیکر ہے
قیامت ہے سوا نیزے پہ لو خورشید محشر ہے
تماشا ہے کہ اُس کو دیکھ کر بت بن گیا ناصح
مثل مشہور یہہ سچ ہے کہ جو سمجھے سو پتھر ہے
بجھا دے گی خزاں شمع بہارِ حسن کو اک دن
جوانی ہے چراغِ صبح پیری بادِ صرصر ہے

محبت اس کو کہتے ہیں کہ دونوں ساتھ ہی نکلے
اِدھر وہ گھر سے نکلے اور اِدھر جانِ حزیں نکلی
گلی میں تیری لاکھوں بیگنہ مارے گئے قاتل
جسے سمجھے تھے کعبہ کربلا کی وہ زمیں نکلی

ترچھی نظروں سے نہ کر قتل چڑھا کر ابرو
بل ترے تیر میں ہے خم تری شمشیر میں ہے

اے پری بول اٹھا کھینچتے ہی نقشہ تیرا
کون کہتا ہے خموشی تری تصویر میں ہے

وفا

نواب محمد عمر خان صاحب بہادر حیدر آباد دکن تلمیذ جناب جلیل و صفی -

کچھ تو سوال وصل پہ کہنا تھا ہاں نہیں
خاموش آپ ایسے ہیں گویا زباں نہیں
قیمت وہ اک نگاہ کی لیتے ہیں جان و دل
مجھ سے جو کوئی پوچھے تو سودا گراں نہیں
کتنے رقیب ہیں مرے اس کو نہ پوچھئے
کیا آپ کا فریفتہ سارا جہاں نہیں[1]

اثر میرے تڑپنے کا ہوا اتنا تو قاتل پر
کہ تھی جس ہاتھ میں تلوار اب وہ ہاتھ ہے دل پر
تمہیں کو ہم تو دیکھیں گے تمہیں کو ہم تو چاہیں گے
کسی کا کیا اجارہ ہے ہمارے دیدہ و دل پر
اسی کا نام جینا ہے تو اس سے موت بہتر ہے
لگا دو اور اک خنجر کرو احساں بسمل پر
تمہیں کہدو کہ ایسے میں ہو کیا صورت تسلی کی
تمہیں پروا نہیں دل کی ہمیں قابو نہیں دل پر
ہزاروں چاند سورج اس زمیں پر چلتے پھرتے ہیں
فلک کو ناز ہے بے فائدہ اک ماہ کامل پر

---

۱ - یدبیضا

عدو کی چاہ کو دیکھو اور اپنی شان کو دیکھو
کہو اب بھی غلط ہے بس نہیں چلتا ہے کچھ دل پر

مجھ سے کہتے ہیں وہ سن کر مرے افسانے کو
آپ تڑپانے کو آئے ہیں کہ بہلانے کو
ہم ہیں ان لوگوں میں اے جان تمہیں یاد رہے
عشق میں کھیل سمجھتے ہیں جو مر جانے کو
دوڑ پڑتی ہیں بلائیں وہ جدھر جاتا ہے
جان رکھا ہے تماشا ترے دیوانے کو
عمر گزری کہ شب و روز جلا کرتے ہیں
دل جلوں سے ترے نسبت نہیں پروانے کو[1]

تم سلامت رہو کس پیار سے چٹکی لی ہے
اس جفا سے تو مجھے بوئے وفا آتی ہے
خوش نصیبی یہ ہے رندوں کی جو ساقی آیا
دل بڑھاتی ہوئی مستانہ گھٹا آتی ہے

رونے آئی تھی غریبوں کو مگر وائے نصیب
شمع کے ساتھ ہی تربت پہ ہوا بھی آئی
لگہ یاس نے کی لاکھ خوشامد دمِ قتل
بتِ ظالم کو مروت نہ ذرا بھی آئی[2]

---

۱ - محبوب الکلام
۲ - عطر فتنہ

رفا

قاضی سید محمد محسن صاحب سب رجسٹرار سکندر آباد تلمیذ رشید حضرت ناظر سیتا پوری ۔

خاک ہو وعدۂ فردا ہے تسلی مجھ کو
وہ قسم کھا کے پلٹ جاتے ہیں پیماں کس کا[1]

ریاضِ دو جہاں کا رنگ ہے تیرے کوچے میں
کرے کس آرزو پر خواہش باغ جناں کوئی
بھنویں تانے ہوئے آئے ہو لے لو ہاتھ میں خنجر
مٹا لو حوصلے دل کے نہیں ہے درمیاں کوئی
بیاں جب درد فرقت کا کیا کہنے لگے مجھ سے
سنے آخر کہاں تک یہ پرانی داستاں کوئی

رہ گئے دل میں مرے دل سے نکل کر ارماں
آ گئے پھر کے اسی گھر میں یہ مہماں آلٹے
ہو چکیں زیر و زبر چاہنے والوں کی صفیں
ہاں صفِ حشر بھی اب اے صف مژگاں آلٹے

ذرا جوبن ڈھلے عشاق پھر کب ہاتھ آتے ہیں
طیور باغ کا مجمع بہارِ بوستاں تک ہے

نیچی نظروں کا اثر پڑ نہیں سکتا دل پر
کچھ خبر بھی ہے کہ یہ تیر خطا کرتے ہیں

---

۱ - جزن

اور الٹے وہ خفا ہوگئے شامت دیکھو
دیکھنے کیا یہ مرے دست دعا کرتے ہیں
عکس پلکوں کا نہ چھپ جائے تن نازک میں
ان سے کہتا ہوں جو نظروں میں پھرا کرتے ہیں

سچ ہے لحد سے بڑھ کے نہیں کوئی جائے امن
یہ وہ زمین ہے کہ جہاں آسماں نہیں
درد فراق سے ہمہ تن درد ہو گیا
اب تم کو کیا بتاؤں کدھر ہے کہاں نہیں

دیکھ لی رخنہ گری اے نگہ شوق تری
ایک روزن بھی نقاب رخ جاناں میں نہیں
پاس اگر دولت دنیا ہے دنی ہے بھی تو کیا
آدمیت جو نہیں ہے تو کچھ انساں میں نہیں
نہیں اگلا سا مرے دل میں امیدوں کا ہجوم
کوئی جز یاس اب اس خانۂ ویراں میں نہیں

افشا کسی پہ راز دل چشم تر نہ ہو
یوں چھپکے رو کہ مژہ کو خبر نہ ہو
وہ دو قدم چلیں تو اٹھے حشر لاکھ بار
میں شرط باندھتا ہوں قیامت اگر نہ ہو
دل کی لگی ہے عشق کوئی دل لگی ہے کیا
یہ بک وہ نہیں کہ ادھر ہو ادھر نہ ہو
آفت ہو قہر ہو کہ قیامت ہو سب سہی
آئی ہوئی کسی پہ طبیعت مگر نہ ہو

آواز غیر پر بھی گماں ہے انہیں مرا
کہتے ہیں دیکھنا وہی آشفتہ سر نہ ہو[1]

رفا

اشرف پوری ۔ نامعلوم الاسم ۔

غیر ممکن ہے تب غم سے جدا ہو جانا
کیسی صحت کسے کہتے ہیں شفا ہو جانا
جیسا موقع ہو وہاں ویسی ادا ہو جانا
وصل میں آف تری شوخی کا حیا ہو جانا
ایک ہی چپ میں تو کتنی ہیں بلائیں لاکھوں
بے دہن تم مری جاں پیش خدا ہو جانا[2]
ساتھ مدت کا قفس سے نہ چھڑا اے صیاد
بدتر از قید ہے اب مجھ کو رہا ہو جانا

مے و مینا بھی ہے کالی گھٹا بھی
مزا آئے جو ہو وہ مہ لقا بھی
نہیں اک ان کی آنکھوں میں مروت
لگاوٹ بھی ہے شوخی بھی حیا بھی
شب وعدہ وہ اپنے ساتھ لائے
ادا بھی ناز بھی ضد بھی حیا بھی
وفا کب تک بتوں کا دم بھرے گا
کر اب مرد خدا یاد خدا بھی[3]

---

۱ ۔ ید بیضا
۲ ۔ عطر فتنہ
۳ ۔ عطر فتنہ

کہا میں نے کہ بوسہ ہو یہ دل لو
بگڑ کر بولے کچھ سودا ہوا ہے
بہارِ چند روزہ پر نہ اتراؤ
جوانی تم سے بڑھ کر بے وفا ہے
نظر ان کی مری قسمت زمانہ
غرض جو ہے وہی مجھ سے پھرا ہے
خدا ہی شرم یکتائی کی رکھے
وہ بت آئینہ خانے میں گیا ہے
جلایا دل کو ٹھنڈی گرمیوں سے
یہ کس بے مہر سے پالا پڑا ہے
وفا کے نام سے بھی ضد ہو جس کو
وفا کہا اس سے امید وفا ہے[1]

وفا

مرزا انور بیگ باشندہ میرٹھ ۔ مولانا شوکت سے تلمذ رکھتے ہیں.

دعا ہے یا الٰہی ہو تمنا پوری دونوں کی
میں پیاسا آب پیکاں کا وہ پیاسا خونِ ارماں کا

لٹا دے پہلے نقد جان و دل کو
وہی ہے لوٹنا جوبن کسی کا

داغ ہے دل گر غم الفت میں یکسر خوں نہو
خاک ہے نالہ دھواں بن کر اگر گردوں نہ ہو

---

[1] ۔ عطر فتنہ

رباعی

ہزاروں بھردئے اک جام سے شوکت نے میخانے
وہ سیر اس بزم میں ہوں جو کہ ہیں شوکت کے دیوانے
یہ ہے وہ شمع جس سے جل رہی ہیں سینکڑوں شمعیں
یہ وہ پروانہ ہے جس پر فدا ہوتے ہیں پروانے

ولہ

خاک کرتے ہیں جلا کر جو دل عاشق کو
اپنے کشتے کو ہیں اکسیر بناتے جاتے
ان کی تحسین جو کرتا ہے لب زخم جگر
چرکے پر اور بھی چرکا ہیں لگاتے جاتے
سخت جانی پر کسی کی نہ یہ منہ آنے کا
ہم ہیں خنجر کو مزہ اس کا چکھاتے جاتے
پہلے کیوں قتل کیا تھا جو پشیمانی ہے
اب ہو کیوں دھبے کو دامن سے چھڑاتے جاتے

سوال وصل نے آخر بنا کر ہتپ انہیں چھوڑا
نکلتی ہاں کہاں منہ سے نہیں بھی تو نہیں نکلی

مٹ گئے ہم مگر ارماں تمہارا نہ مٹا
مجھ کو ارماں ہے تم ارماں کو مٹاتے جاتے

وفا

لول رائے متوطن چاند پور قوم کایستھ برادر خورد راجہ گلاب رائے

دیوان امیرالامرا نواب مجیب الدولہ بہادر جنت آرام کہ مجمع خوبی ہیں اور فن تیر اندازی میں قادر انداز محمد قائم کے شاگرد ہیں ۔ یہ چند متفرق شعر بہم پہنچے جو درج کئے جاتے ہیں ۔[۱]

عارض پہ تمہارے یہ پسینہ
ہیرے کا ہے لعل پر نگینہ
ٹوٹا جو نہ اس جفا سے تیری
پتھر سے بھی سخت ہے یہ سینہ

جوہر ذاتی نہ ہو سیل حوادث سے تباہ
شستہ ہوں آب میں کب نقش و نگار ماہی

ہو فائز عروج ستم کار بیشتر
کانٹا جگہ کرے سر دیوار بیشتر
موجوں کی کشمکش سے ہے ظاہر کہ دہر کے
کج طینتوں میں چلتی ہے تلوار بیشتر

عشق نے کثرت سے جاکی مجھ دل بیتاب میں
آ بھرا دریائے آتش قطرہ سیماب میں
سختی قسمت سے جوں آئینہ کب ہوتی ہے نرم
گرچہ ناؤ اپنی سدا ڈوبی رہی ہے آب میں

جو کہ ہمسر ہیں سو آمادۂ پیکار سدا
کہ دو ابرو میں کھچی رہتی ہے تلوار سدا

---

۱ ۔ از تذکرہ شوق ۔

آپ کو چشمِ فہم سے ٹک دیکھ
ہے تجھی میں یہ کائنات تمام
اپنی ہستی تلک ہیں کون و مکاں
ساتھ دولہا کے ہے برات تمام

خضر کو یوں رکھا محروم مے کی پاسبانی سے
مبادا کچھ بدل لے اپنے آب زندگانی سے
نہیں معلوم لے آیا ہے کیا دولت غم جاناں
چوئی پڑتی ہے شادی اپنے رنگ زعفرانی سے

وفا

صاحب عالم مرزا علیم الدین خلف مرزا رحیم الدین حیا دہلوی ۔

وفا

حیدر علی مرثیہ خواں تلمیذ ذوق سر رشتہ دار محکمہ بندوبست ۔

وفا

مرزا دارا بخت ۔

وفا

حاجی گل محمد متوطن مصطفےٰ آباد عرف رام پور ۔

دل کی بے تابی سے بے بازو و پر اڑتے ہیں
برق ساں ہم تو باندازِ دگر اڑتے ہیں
کبھی کاکل کو کبھی منہ کو ترے دیکھ کے یار
مہر و مہ کی طرح ہم شام و سحر اڑتے ہیں

فکر بیہودہ نہ کر قید کی صیاد کہ ہم
دام طاؤس نمط دوش پہ دہر اڑتے ہیں
بس کہ وارفتہ ہیں ہم . قید تعلق سے وفا
باد کی طرح جدھر چاہیں ادھر اڑتے ہیں

اس شوخ کو گر گل کا تماشہ نہ خوش کیا
تو مثل چمن کیوں مجھے داغوں سے جلایا

ایک عالم مر گیا دیکھ اس کا قامت ہائے رے
تھا وہ قامت یا مجسم تھی قیامت ہائے رے

دل ہوا جا کو جو الجھا زلف کے ہر تار سے
کس طرح جانبر بھلا کوئی ہو لاکھوں مار سے

وفا

مولانا حامد علی وفا حافظ شاہ محمود علی فدا سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم بہاؤالحق خاصہ فدا قدس سرۂ کے چھوٹے بھائی تھے ۔ اپنے وطن امیٹھی شریف ضلع لکھنؤ میں ماہ ذی الحج ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم اور فارسی کی درسی کتابیں اپنے والد حضرت شاہ مظہر علیؒ سے پڑھیں ۔ فتح پور ضلع بارہ بنکی (اودھ) میں حاجی شیخ محمد عباس کی صاحبزادی کے ساتھ عقد ہوا ۔ ۲۶ جولائی ۱۹۱۹ء کو دفعتاً سینے کے درد سے جاں بہ حق ہوئے اڑسٹھ برس کے قریب عمر پائی ۔ نہایت پابند وضع بزرگ تھے ۔ کبھی کبھی شعر کہتے تھے ۔ حضرت امیر مینائیؒ سے تلمذ تھا ۔ بہت سی غزلیں کہی تھیں ۔ مگر خدا جانے کیا ہوئیں ۔ یہ دو چار شعر اُن سے یادگار ہیں ۔

بندگی پر یہ لڑائی دیکھئے
دیکھئے اُلٹی خدائی دیکھئے
کیوں بناوٹ سے بگڑتے ہیں حضور
وہ ہنسی ہونٹوں پہ آئی دیکھئے
دل میں سو زخم اور بدن پر خط نہیں
تیغِ ابرو کی صفائی دیکھئے

اُلجھاؤ جتنا زلفِ شکن در شکن میں ہے
اتنا ہی پیچ و تاب دلِ پر محن میں ہے
شوخی تو دیکھو بولے مرا منہ چڑھا کے وہ
کیوں جی تمھیں کلام ہمارے دہن میں ہے
غربت کی زیست مرگ سے بدتر ہے اے وفا
بس لطفِ زندگی ہے اگر تو وطن میں ہے

وفا

طفیل علی صاحب ۔

فراق یار میں کانٹا ہوا ہے سوکھ کے تن
ہمیشہ نوک کی لیتے رہے ہیں خار سے ہم

وفا

مولوی محمد فصیح اللہ صاحب لکھنوی شاگرد صبا ۔

ناصح میں تیرے کہنے سے چھوڑ دوں شراب کیوں
توبہ کی فصل گل میں مجھے کچھ ہوس نہیں
دیر و حرم میں پھونکا تو سجدے تجھے کئے
غافل میں تیری یاد سے کوئی نفس نہیں

چھوڑوں پری رخوں کو مروں شوق حور میں
زاہد تری طرح سے میں کچھ بو الہوس نہیں

وفا

منشی امتیاز احمد صاحب خاقان و وفا باشندہ مارہرہ شاگرد مضطر خیر آبادی ۔

چلو بیٹھو بھی اب باتیں بنانے سے نتیجہ کیا
چلو بس خوب دیکھا تم کو مطلب آشنا تم ہو

چلو جھگڑا چکا قصہ مٹا سب مر گئے عاشق
مصیبت جھیلنے والے مصیبت دیکھنے والے
کہاں تک ہو چکیں آرائشیں کچھ انتہا بھی ہے
ادھر بھی دیکھ آئینے میں صورت دیکھنے والے

قاتل ابھی زندہ ہیں یہ جانباز محبت
دم سادھ گئے ہیں تری تلوار کے آگے

یارب خیال یار تھا یا درد دل مرا
کروٹ یہ آکے کون بدلوا گیا مجھے

صنم خانے میں جائیں یا گزاریں عمر کعبے میں
ہمارے دل نشیں یاد بتاں یوں بھی ہیں اور یوں بھی

صبر و قرار راحت و آرام سب گئے
غربت میں لٹ گیا میں دہائی خدا کی ہے

جب وہ نہیں ہے پاس تو کیا خاک زندگی
اے کاش ایسے جینے سے آئے قضا مجھے
اے چارہ گر میں تجھ سے کہوں بھی تو کیا کہوں
میں آپ سوچ میں ہوں یہ کیا ہوگیا مجھے

وفا

بابو تلسی رام صاحب رئیس اکبر پور از تلامذہ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی ۔[1]

سرو شمشاد سے بالا ہے قدِ راست اگر
بڑھ کے خورشید سے ہے کچھ رخِ روشن ان کا

اللہ رے یہ ضعف کہ گردوں شکن آہیں
لب تک نہیں آتیں دل مضطر سے نکل کر

پہلو میں ہے وہ یار دل نیم جاں نہیں
افسوس کیوں نہ ہو کہ مکیں ہے مکاں نہیں

وفا

رئیس نامدار اقبال علی خان وفا رئیس بہار ۔ شاگرد داغ ۔

فصل گل آتے ہی صیاد کے پھندے میں پھنسے
ہائے کس وقت چھٹا ہم سے گلستاں اپنا
چاک کر کے میرے سینہ کو جگر کو دل کو
جس جگہ شک ہو تمہیں ڈھونڈ لو پیکاں اپنا

۱ - از بیاض

شب کو دیکھا ہے ترا گیسوئے پر خم ہم نے
آہ کس سے کہیں یہ خواب پریشاں اپنا

اب نہ کہنا کہ مجھ سا کوئی نہیں
آئینے کو اٹھا کے دیکھ لیا

اک نہ اک دن دل چرا کر رنگ لائے گا وہ شوخ
خوف آتا ہے مجھے دزد حنا کو دیکھ کر
خوب کرتے تھے نصیحت حضرت ناصح ہمیں
خود ہی بیخود ہوگئے اس مہ لقا کو دیکھ کر

آنکھوں میں جان لب پہ دعا دل میں دردِ عشق
تیرے مریضِ عشق کا یہ حال زار ہے

دے کے بوسہ وصل میں کس ناز سے فرماتے ہیں
اب تو کیوں صاحب مرے وعدے وفا ہونے لگے

وفا

مولوی محمد سعادت یار خاں بریلوی[1] ۔

اس چمن میں نہ دل لگا بلبل
چند روزہ بہار ہے گل کی

وفا[2]

محمد ظہور حسن نام ۔ وفا تخلص ۔ حضرت سخا شاہ جہاں پوری کے

---

۱ ۔ از گلدستہ لطیف ۔
۲ ۔ نوموصول

فرزندِ رشید اور مذہباً سنی حنفی ہیں ۔ ۶ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ کو شاہجہانپور میں پیدا ہوئے محمد ظہور حسن تاریخی نام ہے ۔ آپ کے والد ماجد سخا صاحب جناب طاہر فرخ آبادی کے ارشد تلامذہ سے ہیں ۔ سخا صاحب کی تعلیم و تربیت فاضل باپ کی نگرانی میں گھر ہی پر ہوئی ۔ فارسی و اردو ادب عالیہ عرصہ تک زیر مطالعہ رہا ۔ شاعری میں اپنے والد ماجد سخا صاحب ہی سے تلمذ ہے ۔ قدرت نے مذاق سلیم عطا کیا ہے ۔ کلام میں لطافت و معنویت پائی جاتی ہے ۔ انجمن "مراۃ الادب" کانپور کے سیکرٹری ہیں ۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ۔

ابھی اے فرط حیرت کون یہ میرے مقابل تھا
نظر جلووں میں گم احساس میں کھویا ہوا دل تھا
مرے مسلک میں ننگ شوق تھی مقصد کی پابندی
جسے منزل نے خود ڈھونڈھا میں وہ آوردہ منزل تھا
غرض تھی سیر ہستی و عدم سے جستجو تیری
یہی جینے کا مقصد تھا یہی مرنے کا حاصل تھا
کیا تھا بے نیازِ آرزو ہو کر جو اک سجدہ
وہی اے زندگی عشق کل سجدوں کا حاصل تھا
لیا ہے انتقامِ شوق یاس آگیں نگاہوں نے
وہ خود بسمل ہے جو مصروفِ سیرِ رقصِ بسمل تھا
وہ جلوے انتہائے شوق کے اور وہ مری حیرت
یہ عالم تھا کہ بعد و قرب کا ادراک مشکل تھا

ہزاروں جلوے ہیں پنہاں مری حقیقت میں
کسی کے حسن کی روداد ہوں محبت میں
نظر کے ذوق نے ڈالا ہے دل کو حیرت میں
اب امتیاز ہے دوری میں اور نہ قربت میں

ضبط اے جذبۂ وحشت، ادب اے دست جنوں
اب وہ نظریں ہیں نگہبان گریبانوں کی
عالم بیخودیٔ دید بھی کیا عالم تھا
خود تجلی نگراں بھی ترے دیوانوں کی
حسن بھی حادثۂ عشق سے اپنا ہے اثر
شمع کے اشکوں میں روداد ہے پروانوں کی
تو مرے عشق کے جذبہ کا ہے اک عکس جمیل
میں ہوں تفسیر ترے حسن کے افسانوں کی
ہوں میں جنت بہ نظر اور جہنم بہ نفس
انتہا ہوگئی اب عشق کے احسانوں کی

ضبط کو جب حسن بیتابی کا عرفاں ہو گیا
درد نے یوں دل کو تڑپایا کہ درماں ہو گیا
ہو گئی بحث من و تو ختم لیکن یہ بتا
جذب ہے تو مجھ میں یا میں مجھ میں پنہاں ہوگیا
حسن نے کر دیں ودیعت عشق کی بیتابیاں
دل کی جانب دیکھ کر جب میں پشیماں ہوگیا
سر بسجدہ کیوں ہیں مجھ کو دیکھ کر دیر و حرم
کس کا جلوہ میری ہستی سے نمایاں ہوگیا
اے وفا روز ازل تک حسن تھا میرا ہی نام
عشق کے قالب میں جب آیا تو انساں ہوگیا

وقار

نواب سلطان حسین خان صاحب نبیرہ و شاگرد نواب دولہ مرحوم خویش نواب معتمد الدولہ وزیر شاہ اودھ کانپور کے رئیس اعظم ہیں ۔ ان

کے بزرگ سرکار اودھ میں عہدہ جلیلہ رکھتے تھے - ۴۵ سال عمر ہے - راقم کے عنایت فرما ہیں -[1]

تیر اس ترک کی چتکی سے نکلنے تو ہے
یہ ادا دل میں کیا چاہتی ہے گھر اپنا

ہمارے ضعف کا بیٹھا ہے ہر طرف سکہ
کہ سہر نام کی آٹھتی نہیں ہے محضر پر

نہیں چھپتی ہے محبت کسی صورت سے وقار
تاڑنے والے دلوں کی بھی خبر رکھتے ہیں

ابتدا سے انتہا تک ایک ہو انجام عشق
عمر بھر تڑپا کریں یارب اسیر دام عشق
صاف طینت پڑھ رہے ہیں دل سے کلمے عشق کے
کور باطن جانتے ہیں کفر ہے اسلام عشق
تشنہ کامان محبت سیر ہی ہوتے نہیں
شان خالق کی پئے جاتی ہیں آنکھیں جام عشق
دو ہی باتیں ہیں اگر جائے حریم دوست تک
پاک کر لے دل پہن لے جامہ احرام عشق

داغوں سے اور لطف نیا انجمن میں ہے
یعنی دل سدا بہار تمہارے چمن میں ہے
عالم کی سب کجی نہیں زلفوں کے واسطے
حصہ نگاہ یار کا بھی بانکپن میں ہے

---

۱ - از بیاض -

عشاق کی ہے موت کبھی زندگی کبھی
یہ ہیر پھیر آپ کے طرز سخن میں ہے
رنجش ہے ان کی خرمن دل کا پتہ کہاں
پوشیدہ برق دہر جبیں کے شکن میں ہے

حشر تک بھی وہ کسی کے نہیں ہونے والے
کب تلک روئیں گے تقدیر کو رونے والے
آ کے تربت پر وہ کس ناز سے کہتے ہیں وقار
چونک اب خواب عدم سے مرے سونے والے

خنجر بھی چھٹ کے ہاتھ سے قاتل کے گر پڑا
حسرت بھری نظر سے جو ہم نے نگاہ کی

کچھ تو ہو معشوق کی باتوں میں شوخی کا اثر
چٹکیاں لے دل میں خوبی ہے یہی تقریر کی
ہو گیا دل اب مکافات عمل سے مطمئن
فرد عصیاں میں جگہ باقی نہیں تحریر کی

اچھا تو ہے تڑپ میں اور لطف دے
انکار وصل کیجیے لیکن ادا کے ساتھ
وہ ذبح کر رہے ہیں مزے لوٹتا ہے دل
پھر پھر کے دیکھے جاتا ہے خنجر ادا کے ساتھ

اڑا سکے گا نہ طاؤس آپ کی رفتار
ہنسی تو آئے گی ہم کو ہزار بن کے چلے

رفار

منشی افضل حسین صاحب ۔

کیا کیا جفا و جور سہے ہم نے جان پر
شکوہ کبھی نہ آپ کا لائے زبان پر
جس وقت دیکھو لیس ہیں عاشق کے قتل پر
چلا چڑھائے رکھتے ہیں ہر دم کمان پر
اے خضر کوئی ایسا طریقہ بتائیے
رستہ بھک کے وہ چلے آئیں مکان پر
بادِ خزاں نے باغ کو برباد کر دیا
بلبل کا صبر پڑ گیا گلچین کی جان پر
کاہے کو ہاتھ رکھ کے پڑھے گا وہ فاتحہ
رکھتا نہیں قدم جو لحد کے نشان پر

وقار

عالی جناب راجہ رگھوبر بخش سنگھ صاحب تعلقہ دار ملان پور ۔

ملا وہ شوخ مجھے جو ہے قاتل عالم
نصیب دیکھیے قسمت لڑی کہاں میری
جواب خندۂ گل ہے تبسم لب یار
فغان بلبل شیدا ہے گر فغاں میری
لبھا ہی لے گی حسینان بے وفا کو وقار
بھری ہے سحر کے جادو سے داستاں میری

وقار

سید زین العابدین لکھنوی مقیم کلکتہ ملازم شاہ اودھ واجد علی شاہ ۔

پہلے مرزا لفظر علی بیگ خطا کے شاگرد تھے پھر میر امداد حسین نشتر سے تلمذ اختیار کیا ۔ تاریخ گوئی میں یدطولیٰ رکھتے ہیں ۔[۱]

قبر تک گھیرے ہوئے جائیں گے اعمال سیاہ
جن بلاؤں سے میں ڈرتا تھا انہیں گھر لے چلا
اس کی رحمت کے بھروسہ پر نہ کچھ توشہ لیا
ہاں گناہوں کا فقط انبار سر پر لے چلا

وقار اغیار کے گھر میں وہ سو سو بار جاتے ہیں
کسی دن بھول کر رستہ ادھر آتے تو کیا ہوتا

ابر نیساں کا اثر ہے دست گوہر بار میں
جس نے اک قطرہ کی خواہش کی وہ گوہر لے چلا
حسرتیں آخر بنیں پھولوں کی چادر قبر پر
داغ اتنے دل پہ میں اللہ اکبر لے چلا

فنا سب کو ہے لیکن ایک تجھ کو ہے بقا یا رب
قضا کی بھی کسی دن ہے ترے ہاتھوں قضا یارب

نقد دل پہلے ہی سے تم پر تصدق کر دیا
جان ہے لے لو یہی باقی ہے اب بیدل کے پاس

شیرینی اُلفت ہے تری تلخ کلامی
باتوں کی مرے دل سے حلاوت نہیں جاتی

---

۱ ۔ از بیاض

ولا

منشی سید امیر علی صاحب ولا مقیم بلاسپور اضلاع متوسط شاگرد مولانا شوکت میرٹھی -

بلبل ہوں وہ کہ جس کا گلستانِ دھر میں
صیاد کے ستم سے کہیں آشیاں نہ تھا
اک نقد دل کے دینے سے ہاتھ آ گیا مرے
سچ پوچھیے تو زلف کا سودا گراں نہ تھا

کس منہ سے کہوں میں کہ نہیں آب و گل میں درد
کہتا ہے دل مرا کہ ہے ہر شے کے دل میں درد
دشمن کو بھی نہ دیکھ سکا میں اسیر غم
پیدا کیا وہ حق نے مرے آب و گل میں درد
ہاں درد و غم کا لوٹ پڑا ہم پہ آسماں
اور واں نہیں دل صنم سنگدل میں درد

عمر تیری ہوئی دنیا طلبی میں آخر
بے خبر تو طلب حق سے رہا غفلت میں
ہو چکی صبح ذرا کھول کے آنکھیں دیکھو
طاعت رب کا گیا وقت گزر غفلت میں

کیوں کریں اے شیخ احرامِ حرم تیری طرح
جبکہ محراب عبادت ہے خم ابرو ہمیں
ہو شب فرقت یکایک جس سے صبح عید وصل
کوئی ایسا سحر دکھلا نرگس جادو ہمیں

کس منہ سے کہہ رہے ہو کہ اللہ وہگیں نہ ہو
صدمہ ہو جس کے دل پہ وہ کیونکر حزیں نہ ہو

وقت مشکل جو نہ آئیں اپنے کام
اے ولا وہ دوست ہیں کس کام کے

وائے محرومی کہ جس کو خضر سا رہبر ملے
آب حیواں کا نہ اس کو ایک بھی ساغر ملے

ولا

جناب حسن نواب صاحب ساکن پٹنہ۔

ہم غیرت یوسف نہ کہیں گے نہ خفا ہو
تم بادشہِ حسن ہو خورشید لقا ہو
وہ ڈال کے بانہیں مری گردن میں یہ بولے
سچ سچ کہو اس وقت بھی جینے سے خفا ہو

ولایت

شیخ ولایت علی صاحب شاگرد سید آغا حسن امانت لکھنوی مرحوم۔

آیا نہ پاس وہ مہ انور تمام رات
گنتا رہا میں ہجر میں اختر تمام رات
شبنم کی طرح شام سے اے غیرت چمن
کاٹی ہے ہجر یار میں رو کر تمام رات
شیریں لبوں کے عشق میں فرہاد کی طرح
غم کا پہاڑ سر پہ ہے دن بھر تمام رات

ولی اورنگ آبادی

آپ فن ریختہ کی روح تھے ۔ متوطن اورنگ آباد مضافات دکن تھے ۔ آزاد منش اور رند مشرب تھے ۔ فکر صائب اور طبع سلیم رکھتے تھے ۔ آپ کا دل محبت دلبا سے خالی تھا ۔ ایک مست سید زادے پر جس کا نام سید ابو المعالی تھا اور حسن و خوبی میں اپنا مثل ونظیر نہ رکھتا تھا ۔ عاشق بدرجۂ کمال تھے ۔ ہر چند سید موصوف نہایت ہی خلوص دل کے ساتھ پیش آتا تھا اور خاطر مدارات بہت کرتا تھا مگر حضرت بوجہ اپنی محبت جو حد کو پہنچ گئی تھی اکثر شکار بند گھوڑے کا پکڑ کر سفر اور حضر میں ہم رکاب رہتے تھے ۔ اگرچہ وہ ایسے امورات سے منع کرتے تھے مگر ان باتوں پر آپ ذرا بھی توجہ نہ کرتے تھے ۔ سنا گیا ہے کہ ہندوستان جنت نشان کہ مراد شاہ جہان آباد دہلی سے ہے اب بطریق سرائے تھی ایک روز حسب اتفاق بادشاہ وقت کی خدمت میں مستفید ہوئے ۔ بادشاہ نے فرمائش کی کہ آپ دکنی زبان میں تو شعر کہتے ہیں اگر ریختہ کو اردوئے معلی میں نظم کریں تو موجب شہرت و مقبول خاص و عام ہوگا ۔ چنانچہ بادشاہ نے تبرکاً ایک غزل کہہ کر دی جس کا مطلع دیوان میں شامل ہے اور وہ یہ ہے :

(مطلع)

خوبی اعجاز حسن یار اگر انشا کروں
بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

آپ کے چند اشعار کا انتخاب ذیل میں درج ہے :

رات کو آؤ اگر میری گلی میں اے سجن
زیور لب ذکر سبحان الذی اسریٰ کروں

آرزو دل میں یہی ہے وقت مرنے کے ولی
سروِ قد کو دیکھ سیرِ عالمِ بالا کروں

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سے
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالعہ مطلع انوار کا

صحنِ گلشن میں جب خرام کیا
سروِ آزاد کو غلام کیا

دل کو کہتے ہیں دلربا کی ادا
جس میں بستی ہے خوش ادا کی ادا
اے ولی درد سر کی دارو ہے
مجھ کو اس صندلی قبا کی ادا

تو ہے رشکِ ماہِ کنعانی ہنوز
تجھ کو خوباں میں ہے سلطانی ہنوز
ہر جھلک دیتی ہے تجھ رخسار کی
آرسی کو درسِ حیرانی ہنوز

نہ وہ بالا نہ وہ بالی بلا ہے
بلائے عاشقاں ناز و ادا ہے

تغافل شوخ کا عاشق کے حق میں
ستم ہے ظلم ہے جور و جفا ہے

مت تیر اور کہاں کا کر فکر اے خوش ابرو
عاشق کے مارنے کو سیدھی نگاہ بس ہے

ولی

علی محمد خاں ولد قائم علی خان باشندہ لکھنؤ صاحب دیوان شاگرد نواب ظفر یاب خان راسخ۔

رو کے دریا مری آنکھوں نے بہائے تو کیا
آگ جو دل میں تھی وہ بجھائی نہ گئی

جلنے سے رات دن کے یہی ہے دعائے دل
یارب وہ خود جلے جو کسی کا جلائے دل
ہیہات آسمانِ ستم گر کے ہاتھ سے
نکلا نہ کوئی آج تلک مدعائے دل
شکوہ نہیں ہے کچھ فلک پیر سے ہمیں
دشمن نہیں ہے کوئی ہمارا سوائے دل
ان کافروں کے کاکلِ پیچاں میں اے ولی
ناحق پھنسایا آپ نے بیٹھے بٹھائے دل

جب تک ظہور عاشق شوریدہ سر نہ تھا
تھا عالم سکوت کہیں شور و شر نہ تھا

دیکھا ادھر کو اس نے مرا دم اکل گیا
تیر قضا تھا یار کا تیر نظر نہ تھا
آیا وہ ماہ صبح کو مانند آفتاب
اعجاز آہ نیم شبی تھا اثر نہ تھا
حال فراق پوچھتا ہے وہ میں کیا کہوں
یہ جانتا ہوں ہوش مجھے رات بھر نہ تھا

ولی

مرزا محمد ولی دہلوی مقیم مرشد آباد ، برادر زادہ شاہ اسرار اللہ معاصر سودا، صاحب دیوان گزرے ہیں ۔ یہ اشعار ان کے ہیں ۔

نیم نگہہ نے تری قتل کیا اک جہاں
یار مرے مت کہیں بھر کے نظر دیکھنا

بیکسی پر مری کبھی کوئی
تجھ بن اے نالہ نوحہ گر نہ ہوا

کبھی جو زلف اٹھائے تو منہ نظر آوے
اسی امید پہ گزرے ہے صبح و شام ہمیں

بند قبا چمن میں جو وہ یار وا کرے
لے برگ گل کو ہاتھ میں پنکھا صبا کرے

ولیم

مسٹر ولیم برونٹ صاحب ۔

دلدہی کچھ تو ہو عاشق کی بھی او طفل حسیں
کام مہندی سے نہ لے خون جگر کے ہوتے
ہے شب وصل ہی تک زیست کی لذت ولیم
دم نکل جاتا ہے عاشق کا سحر کے ہوتے

وہبی

منشی شیو پرشاد صاحب وہبی لکھنوی ۔ ولد لالہ سوبھا رام ، مطبع نامی نول کشور سی ۔ آئی ۔ ئی میں اودھ اخبار کے منیجر ہیں اور حضرت یار السلطان سہر الملک خواجہ ارشد علی خاں بہادر قلق مرحوم کے شاگرد رشید ہیں ۔ آپ کا کلیات مسمی بہ مرقع اورنگ چھپ گیا ہے ۔ شیریں کلام شیریں گفتار ہیں ۔ فارسی نثر بھی اچھی لکھتے ہیں ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شان میں قصیدے کہتے ہیں ۔ اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو مذہب آبائی پر قائم ہیں اور نہ عقائد اسلام پر اتنا اعتماد ہے کہ علانیہ اس کے پیرو ہو جائیں ۔ ۱۳۰۲ھ میں عمر ۴۲ سال تھی ۔

ساقی جو تیرے ہاتھ سے ہو دور آفتاب
بڑھ جائے اور لطف شب ماہتاب کا

کب ہووے گی سرسبز مری کشت تمنا
برسائیں گے کس روز وہ ابر کرم اپنا

پوچھو نہ مال دولتِ اخلاق مجھ سے کچھ
یہ مال وہ ہے صرف ہوا اور نہ کم ہوا

بشر کو نیک و بد تو سوجھتا اپنا نہیں ہرگز
نہیں کچھ نشۂ صہبا سے نشہ کم جوانی کا

جز شربتِ دیدار کرو لاکھ دوائیں
بیمار محبت کبھی اچھا نہیں ہوگا

کسی دن دیکھ لو عالم مری بیتابیٔ دل کا
تماشا دیکھنا منظور ہو گر رقص بسمل کا

ہر ادا پر ہوئی جاتی ہے مری جان نثار
قتل کرنے مجھے کس ناز سے جلاد آیا
جب دمِ نزع عیادت کو وہ دلبر آیا
ناز کرتا ہوا دم بھی مرے لب پر آیا

مائلِ شمعِ رخِ جاناں نہ ہوں
میں چراغِ طور کا پروانہ ہوں

حسرت ہے کہ اس طرح سے جان اپنی جدا ہو
آنکھیں سوئے قاتل ہوں نہ تیغ گلا ہو

ہنگامِ قتل حسرتِ دیدار رہ نہ جائے
قاتل حلال کر مجھے نیچی نگاہ سے

رسم الفت کی مگر دنیا سے عنقا ہو گئی
دو ہی دن میں بس یہ چاہت آپ کی کیا ہو گئی

لالہ کھلا ہوا ہے پہاڑوں پہ جا بجا
یہ سب نشانِ خونِ سرِ کوہ کن کے ہیں

آندھی چلے تو خاک میں چھپ جائے اپنا جسم
محتاج اس کے کوچے میں گور و کفن کے ہیں

زخم آئے ہیں فلک کے رخِ دلفریب پر
آثار آج شام سے سورج گہن کے ہیں

دل کا تڑپنا آپ کو کیوں آ گیا پسند
قابل یہ دیکھنے کے تماشہ اگر نہ تھا
ساقی کے ایک جام نے بیہوش کر دیا
رندوں میں کون رند تھا جو بیخبر نہ تھا

ویران

غلام رسول ویران شاگرد ذوق کلام ندارد حالات ندارد ۔

ہاتف

نواب سید محمد ذکی علی خان صاحب لکھنوی شاگرد یوسف ۔

دیا جو بوسہ تو یوں بوسہ لے لیا پہلے
ہمارا اتنا بھی اے جان اعتبار نہ تھا

اس طرح قتل کو میرے ستم ایجاد آیا
ہاتھ میں ہاتھ لیے غیر کا جلاد آیا

نیم بسمل جو مجھے کر کے چلے میں نے کہا
خیر اتنا تو کہو گے کوئی جانباز بھی تھا

کہا سنی جو شب غم کی داستاں میری
شکایتیں ہیں مرے منہ پہ مہرباں میری

تماشہ دیکھنے آتی ہیں قاف سے پریاں
ہوئی جنوں سے نہ شہرت کہاں کہاں میری
ملا نہ خاک کفن دزد کو سوا اس کے
کہ پھینکیں کھود کے تربت سے ہڈیاں میری[1]

ہاتف

حکیم عبدالحئی صاحب۔

شمع مزار

نفس نفس سے مرے آہ آتشیں پیدا
شرر کے پھول ہوں جس میں وہ شاخسار ہوں میں
جھٹک کے نہ دامن کو چل صبا اتنا
لگایا جائے جو آنکھوں میں وہ غبار ہوں میں
بنا نہ قصۂ مشق جفا "نسیم سحر"
انیس گوشۂ عزلت کی غمگسار ہوں میں

۱۔ گلدستہ کانچیں۔

خموش بیٹھیں نہ واعظ کہیں خدا لگتی
میں کیوں جلائی گئی؟ کیا گناہگار ہوں میں
نہ اقربا نہ احبا نہ اپنے بیگانے
جو ہوں تو گور غریباں پہ سوگوار ہوں میں
مری خرابیاں مضمر ہیں خندۂ گل میں
ادھر نسیم چلی اور ادھر فرار ہوں میں
دراز قصہ غم فرصت بیاں کوتاہ
خیال عمر طبیعی سے اشک بار ہوں میں
کسی کو ذات خدا کے سوا قرار نہیں
ریاض دہر میں کوئی سدا بہار نہیں[1]

ہادی

میر محمد جواد علی خان رفیق نواب عمادالملک مغفور۔ صاحب دیوان تھے۔ ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا۔ محمد رفیع اور محمد قائم کے شاگرد ہیں۔

اندیشہ کچھ نہ کر مری فریاد و آہ کا
فریاد رس ہے کون ترے داد خواہ کا

کچھ آج شکستہ ہے بہت رنگ رخ گل
صیاد کس نے بلبل شیدا کو ستایا

خنداں خنداں جدھر گیا وہ
گریاں گریاں ادھر گئے ہم

---

۱ - از رسالہ رسالہ مخزن دسمبر ۱۹۰۵ء۔

ہاں تو نالے نے جگر آب کیا ہے ہادی
پر خدا جانے کہ اس دل میں اثر ہے کہ نہیں
جی میں حسرت نہ رہے زخم کی تیرے قرباں
قتل کے بعد بھی پھر کیجیو تو وار کئی

طور دیں اس بت کے ہاتھوں ہائے ابتر ہوگیا
جس مسلماں نے اسے دیکھا سو کافر ہوگیا
لگ گیا دل اس کا جب تصویر تیری کھینچ کر
رکھ قلم کہنے لگا بہزاد یہ کیا ہو گیا

صدقے ترے ہو کے مر گئے ہم
کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم

سیکھ لے ہم سے کوئی سر سے گزر جانے کی طرح
آگ میں ہم آپ کو جھونکے ہیں پروانے کی طرح

ہادی

نواب ہادی حسن خاں صاحب ہادی بریلوی از خاندان حافظالملک بہادر[۱] ۔

فی الحقیقت ہے ہر اک چیز میں جلوہ تیرا
تو ہی آتا ہے نظر آنکھ جدھر کرتے ہیں
باز آئیں گے نہ ہم اپنی وفا سے ہرگز
ان کو کرنے دو جفا لاکھ اگر کرتے ہیں

---

۱ - از گلدستہ لطیف ۔

قید غم سے چھوٹنے کی اس کے کیا تدبیر ہو
جس کے پاؤں میں محبت کی پڑی زنجیر ہو
گردش ایام ہو تو خود بخود پھر جائیں سب
پلٹے جب تقدیر تو الٹی ہر اک تدبیر ہو

ہادی

جناب سید محمد ہادی حسن صاحب شاگرد جناب ضیا بدایونی۔

جھکو لیتے میں قیامت میں قیامت والے
تو بھی رفتار سے اک حشر بپا رہنے دے
تو کہاں اور کہاں ذکر بتاں اے واعظ
پھر مرے واسطے اے مرد خدا رہنے دے

ہے تو وضع جنوں کی پابندی
ہم مقید نہیں سلاسل کے
نالۂ گرم کی مرے کیا بات
ہیں یہ شعلے بجھے ہوئے دل کے
ان کے ہاتھوں سے کب نکلتی ہیں
دل کی پھانسیں ہیں مدعا دل کے

ہادی

جناب نواب ہادی مرزا خاں صاحب خلف نواب امیر مرزا خاں صاحب بہادر حشمت جنگ مرحوم ایجنٹ مقبرہ بہو بیگم صاحبہ شاگرد جناب خورشید لکھنوی۔

کبھی وصال کی شادی کبھی ہے صدمہ ہجر
یہ انقلاب ہمیشہ رہا جہاں کے لیے

ہزاروں حاکم عادل زمیں پہ آئے مگر
نہ کی سزا کوئی تجویز آسماں کے لیے[1]

ہاشم

جناب سید محمد ہاشم صاحب بلگرامی تلمیذ حضرت صغیر بلگرامی

عشق میں اپنی یہ نوبت ہو گئی
جو نہ ہونی تھی وہ ذلت ہو گئی
مر گیا عاشق فراغت ہو گئی
آج پھولوں سے بھی فرصت ہو گئی

کس سے وصال آج ہے مد نظر ہوا
سچ سچ کہو ابھی یہ اشارہ کدھر ہوا
تم تو مزے میں رات رقیبوں کے گھر رہے
صدمہ جو کچھ ہوا وہ مری جان پر ہوا

نہیں یاد بھولے گی جانی تمھاری
یہ داغ جگر ہے نشانی تمھاری
بٹھایا سر بزم پہلو میں مجھ کو
عنایت کرم مہربانی تمھاری

وہ شب وصل مرا ہاتھ جھٹک کر بولے
تجھکو ہٹ پھیر یوں سے ہاتھ بھلا کیا آیا
آج دیدار حسینوں کا میسر ہو گا
حشر کیا آیا کہ میرے لیے میلا آیا

---

۱ - از پیام عاشق ۔

ہاشم

میر ہاشم علی صاحب : سنا جاتا ہے کہ لکھنؤ میں مرزا رفیع السودا دہلوی کے شاگردوں میں سے تھے یہ شعر ان کے ہیں ۔

مرا سو بار اس نک نامہ پر آرزو پہونچا
پر ادھر سے جواب صاف پہونچا جب کبھو پہونچا
دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا سنبل کی نکہت سے
مشام آرزو میں تو کسی کا کل کی بو پہونچا

ہاشمی

منشی سید نورالحسن صاحب ہاشمی ۔ صفی پوری ۔ ابن قاضی سید احمد سعید صاحب ۔ شاگرد مولوی افضل الرحمان مرید آباد اور امیر مینائی کے شاگرد ہیں ۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں ۔ تاریخ بھی خوب کہتے ہیں ۔

ابر کیوں روئے مرے دیدۂ تر کے ہوتے
کیوں ہنسے برق مرے زخمِ جگر کے ہوتے
خطِ نکلنے سے نہ ہو حسن کی صحت کیونکر
کیا ہے قرآن غلط زیر و زبر کے ہوتے
ہوسے اس رخ کے لیے خواب سے جب آنکھ کھلی
چشمہ مہر سے منہ دھویا سحر کے ہوتے

موئے کمر سے مجھ کو نہ تشبیہ دیجیے
تارِ نظر ہے بار مرے جسم زار پر
جتنے گناہ مرے تھے سب عفو کر دیے
دل ہے نثار رحمتِ پروردگار پر

طاعت پہ زاہدوں کو مبارک رہے غرور
ہاں ہاشمیؔ کو ناز ہے آمرزگار پر

دل میں درد ، آنکھوں میں آنسو ہیں کلیجے میں ہیں داغ
غیر کے گھر پہ مرے نازوں کے پالے نہ گئے
بارہا آپ نے محفل سے نکالا مجھ کو
کبھی ارمان مرے دل کے نکالے نہ گئے

بھوں جو محراب ہے مست آنکھوں میں پتلی ہے صنم
پاس مسجد کے بھی میخانے شوالے نکلے
ہاشمیؔ رخ پہ نہیں چاند کے ہلکا بادل
منہ پہ آنچل کو وہ انداز سے ڈالے نکلے

غضب آلودہ نگاہ سے وہ ادھر دیکھیں تو
تیز برچھی سی ہے ترچھی نظر دیکھیں تو

نہ بہار آئے پسند اُن کو نہ پھر ابر بہار
آنکھ اٹھا کر وہ مرے دیدۂ تر دیکھیں تو
عرش کر ہل نہ سکے بار کی چوکھٹ تو ہے
آہ کم بخت کبھی تیرِ اثر دیکھیں تو

کسے سناؤں کسے دکھاؤں یہ کہیں جھروکے سے کون جھانکا
وہ پیاری صورت وہ تیکھی چتون وہ بکھری زلفیں وہ حسن بانکا
جلوہ محشر بچشم غمزہ تمام شوخی ہمہ کرشمہ
وہ نیچی آنکھیں وہ ترچھی نظریں زمیں پہ عالم ہے آسماں کا

وہ زلف پیچاں وہ روئے رخشاں ہزاروں کافر ہیں اک مسلماں
نگہ وہ ترچھی بلا کی ترچھی کہ صید چھوڑے نہ لامکاں کا
نگہ میں شوخی زباں میں تیزی رچی ہوئی دست و پا میں منہدی
وہ دھانی پوشاک سبز رنگت لبوں پہ مسی وہ رنگ پان کا
وہ سر سے پا تک ہزاروں خوبی کرشمہ و ناز و غمزہ شوخی
وہ ہر جگہ پر نیا تماشہ کہوں میں قصہ کہاں کہاں کا
یہ درد سہتے میں کیوں سوا ہے کوئی بتاؤ یہ عشق کیا ہے
یہ ہاشمی آپ کی سزا ہے ادھر کو تا کا ادھر کو جھانکا

تو نہ دیکھے نہ بلائے نہ کبھی بات کرے
مجھ کو غصہ یہ ترے آتا ہے پیار آپ سے آپ
جوش مے، جوش جنوں، جوش جوانی تھا مجھے
سادیا اس پہ چلی آئی بہار آپ سے آپ

دل ہاتھ سے جاتا ہے تو غش ہم کو ہے آتا
ہم دل کو سنبھا لیں جو کوئی ہم کو سنبھالے

ہاشمی

محمد نادر حسین خان مرحوم - - - اعظم الدولہ - - - نصیرالملک نواب محمد حسین خان رئیس کالپی -

ہاشمی دیکھیے کیا پائے قرار آخر کار
عشق اور عقل میں دن رات ہے جھگڑا رہتا

جب ہاشمی دیکھا تجھے حیراں ہی دیکھا
سچ کہہ ہے تعلق تجھے کس آئینہ رو سے

سرو اس قامت موزوں پہ فدا ہوتا ہے
رنگ گل دیکھتے رخ کے ہوا ہوتا ہے
اس قدر کنج قفس مجھ کو خوش آیا ہے کہ اب
دل مرا نام رہائی سے خفا ہوتا ہے

عشق کے آغاز ہی میں تم کو ہے جوش جنوں
ہاشمی ہوتا ہے کیا انجام اس کا دیکھیے

ہاشمی

منشی میر صفدر علی مرحوم ابن سید حیدر علی متوطن امروہہ ضلع مراد آباد ۔ ریاست بھوپال میں نائب ناظم تھے ۱۳۰۱ھ میں قضا کی ذوق مرحوم سے تلمذ تھا ۔ یہ اشعار ان کے ہیں ۔

صریح ظلم نہ کر محتسب خدا سے ڈر
ہمیشہ میں نہ رہوں گا یہاں نہ تو باقی
خدا کے نام کیے میں نے خم کے خم خیرات
نہ چھین مجھ سے ۔ رہا ہے یہی سبو باقی
ہزاروں حسرتیں کرتی ہیں روز دل کو خوں
جو ایک ہو تو کہوں ہے یہ آرزو باقی

ہاشمی

جناب سید شاہ محمد نذیر صاحب ہاشمی غازی پوری ۔

ذکر الفت کا مری سن کے بگڑ کے بولے
یونہیں بکتا ہے وہ دیوانہ ہے سودائی ہے
رہ بھی جاؤ یہیں ایسے میں کہاں جاؤ گے
رات اندھیری ہے ترشح ہے گھٹا چھائی ہے
ہاں چلے دور کہ اچھا ہے یہ موقع ساقی
جھوم کر جانب مے خانہ گھٹا آئی ہے

منت نہیں کرتے کہ تمنا نہیں کرتے
ہم اپنے دل آزار سے کیا کیا نہیں کرتے[1]
دل پر جو گزرتا ہے گزر جائے مگر ہم
مجنوں کی طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے
مارو کہ جلاؤ ہمیں اس کی نہیں پروا
جو ضبط کے پابند ہیں شکوا نہیں کرتے
کہتے ہیں کہ احسان کیا دل میں جو آئے
ہم وہ ہیں تصور میں بھی آیا نہیں کرتے
۵ ہم رند گنہگار تو ہیں پیتے ہیں اے شیخ
پر تیری طرح پی کے چھپایا نہیں کرتے
بیمار محبت نہیں درماں کے طلب گار
دھوکے سے کبھیں ذکر مسیحا نہیں کرتے
ہم کو تو توکل ہے نذیر اپنے خدا پر
بندے کا کسی وقت بھروسا نہیں کرتے[2]

---

۱ ۔ عالمگیر ۔
۲ ۔ عالمگیر ۔

ہاشمی

جناب منشی سید التفات رسول صاحب تعلقہ دار جلال پور وغیرہ
لپیرہ جناب واسطی مرحوم شاگرد حضرت افضل لکھنوی ۔

پھر اس کے وعدۂ فردا پہ کھا گئے دھوکا
کہ جس کے قول و قسم کا کچھ اعتبار نہ تھا
وہ چار باتوں میں یوں صاف ہوگئے مجھ سے
بشکل آئینہ دل میں ذرا غبار نہ تھا
لحد میں کس لیے آخر کھلی رہیں آنکھیں
فنا کے بعد کسی کا جو انتظار نہ تھا
پلایا شیخ کو اس وقت جام توبہ شکن
خزاں کی فصل نہ تھی، موسم بہار نہ تھا
خیال زلف میں جب نظم کی غزل کوئی
وہ شعر کون تھا ایسا جو پیچ دار نہ تھا[1]

ہوس یہ دل کو ہے اے تیر یوں ملیں دونوں
جگر ادھر سے بڑھے اور ادھر سے تو آئے
کہاں سے تیری زیارت کریں دم محشر
ہیں لاکھ راستے دیکھیں کدھر سے تو آئے

ہجر

جناب ابوالخیال شاہجہانپوری شاگرد حضرت داغ ۔

جب لطف ہے کہ دل بھی ہو بسمل جگر کے ساتھ
تیغ ادا لگالیے تیر نظر کے ساتھ

---

۱ - از دامن گلچیں ۔

اللہ رے مشق ظلم و ستم اف رے بالکپن
برچھی لگائی جاتی ہے ترچھی نظر کے ساتھ[1]

یاد جب آتی ہیں پلکیں یار کی
دل میں چھد جاتی ہیں نوکیں خار کی
بارِ خونِ بیگناہ لایا ہے رنگ
جھک گئی گردن تری تلوار کی
شیخ جی دیکھے ہیں ہم جیسے بھی رند
توڑ کر توبہ ہزاروں بار کی
جس کو دیتا ہے خدا صورت اسے
آ ہی جاتی ہیں ادائیں پیار کی
نزع میں اے ہجر وہ بت آ گیا
بات رکھ لی عاشق بیمار کی[2]
کچھ انتہا بھی طول شب ہجر یار کی
مٹی خراب ہے ترے امیدوار کی
لیں آپ شوق سے دل مضطر میں چٹکیاں
اس میں بھی ایک بات نکلتی ہے پیار کی
جو نامراد وصل ہو یہ اس سے پوچھیے
کٹتی ہے کس طرح سے گھڑی انتظار کی
انکارِ وصل کرتے ہو لیکن یہ سوچ لو
امید ٹوٹ جائے گی امیدوار کی
اے ہجر موت بھی نہیں آتی فراق میں
ظالم نے سیکھ لی ہے ادا میرے یار کی

۱۔ از فصیح الملک۔
۲۔ از فصیح الملک جلد نمبر ۲۔

ہجر

نواب ناظم علی خاں صاحب شاہجہانپوری ۔

کہے گی حشر کے دن اس کی رحمت بے حد
کہ بے گناہ سے اچھا گناہگار رہا
چلو غلط ہی سہی داستان عشق عدو
تمھاری بات کا اب کس کو اعتبار رہا
ادائیں دیکھ چکے آئینہ میں آپ اپنی
بتائیے تو سہی دل پہ اختیار رہا
وہ ایک میں کہ رہی مجھ سے دشمنی تم کو
وہ ایک تم کہ سدا تم پہ میں نثار رہا
انہیں غرض انہیں مطلب وہ حال کیوں پوچھیں
بلا سے ان کی اگر کوئی بے قرار رہا

جب کہا تم پر دل بیتاب شیدا کیوں نہ ہو
ہنس کے فرمایا کہ جھوٹے کا کلیجا کیوں نہ ہو
ہم تو عاشق حسن کے ہیں آدمی ہو یا پری
جس کی اچھی شکل ہو دل اس پہ شیدا کیوں نہ ہو
یہ ادا یہ ناز یہ غمزہ یہ صورت یہ جمال
اب تمھیں کہہ دو کہ تم پر کوئی شیدا کیوں نہ ہو
پوچھتے کیا ہو ہماری بے قراری کا سبب
دل میں لو تم چٹکیاں تو درد پیدا کیوں نہ ہو
اس ادا سے جان دی ہم نے تڑپ کر زیر تیغ
کہہ دیا قاتل نے بھی اے میرے شیدا کیوں نہ ہو
دیکھ کر آئینہ وہ کہنے لگے کس ناز سے
پھر بھی میرا عکس ہے گو مجھ سے اچھا کیوں نہ ہو

ہجر

مجیب الدین ہجر ۔ سوداگر شہر گیا ۔ تلمیذ شمشاد لکھنوی ۔ ولد مولوی مدار بخش صاحب مرحوم قوم پٹھان ۔ مولد و مسکن قدیم و حال شہر گیا ۔ محلہ داد پور ۔ پیشہ تجارت ۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرحوم نے فی زمانہ علم کی بے قدری دیکھ کر ان کو تحصیل علم کی طرف راغب نہیں کیا ۔ بلکہ ایام طفولیت سے ۱۲ سال کی عمر تک تحصیل کسب و ہنر میں مشغول رہے سولہ ۱۶ سال کی عمر سے شعر گوئی کا شوق ہوا ۔ ابتدا میں میر امجد حسین صاحب مرثیہ گو سے اور بعدہ منشی ضمیر الدین ہوش گیاوی سے اصلاح سخن لیتے رہے ۔ اس کے بعد مولانا عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی کی شاگردی اختیار کی ۔ لاہور پنچ ۔ دہلی پنچ اور گیا پنچ وغیرہ اخبارات کی نامہ نگاری بھی کی ہے ۔ ریختی بھی کہتے ہیں ۔ ریختہ میں ہجر اور ریختی میں جانی تخاص کرتے ہیں۔ تاریخ گوئی میں خاص ملکہ ہے ۔ آپ کا دیوان موسوم بہ اسم تاریخی مراۃ النہال قریب الاختتام ہے ۔ اسی دیوان سے چند اشعار کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے :

چال دم لے لے کے چلنا اور رک جانا کبھی
آج کل قاتل نے سیکھا ہے چلن شمشیر کا
یاد پیری میں جوانی آئی تب گزرا خیال
خواب تھا وہ وقت اب ہنگام ہے تعبیر کا

تیغ ہاتھوں میں گرہ زلف میں بل ابرو پر
بانکپن سب سے جدا ہے مرے خونخواروں کا
مکتب عشق میں اے ہجر بسانِ وصلی
تختۂ مشق بنا ہوں میں ستمگاروں کا

اک بت پردہ نشیں کی حسرت دیدار میں
عمر بھر دیر و حرم کی خاک میں چھانا کیا
بعد مردن قبر پر آنے سے میرے کیا حصول
آپ تو رویا کیے میں بے خبر سویا کیا
نقد دل اس بت کو دے کر ہجر پایا داغ عشق
جا کے بازار محبت میں یہی سودا کیا

اے دل لکھا لڑے گی کسی جنگجو سے پھر
اچھا نہیں ہے خواب میں تلوار دیکھنا
اے ہجر دیکھ لی شب وصلت کی چاندنی
باقی ہے اب لحد کی شب تار دیکھنا

ابھرتے جوبنوں پر بند کیا کستے ہو الگیا کے
ازل سے جو رہے اونچے بھلا وہ دبنے والے ہیں
بھلوں کا عیب بھی مشہور ہوتا ہے ہنر بن کر
حسینوں کو ہے زیور طوق جو گردن میں ڈالے ہیں

آئے سرور کیا جو نہ ساقی ہو ماہ وش
کیا لطف میکشی ہے اگر چاندنی نہ ہو
عاشق سے رہنے دیجیے یہ لن ترانیاں
اس کو سنائیے جو کسی نے سنی نہ ہو

میں تجھ سے کیا کہوں جو مرے دل کا حال ہے
اے چارہ گر فقیر کی صورت سوال ہے

اُس بے وفا کے کوچے میں جاتا ہے نامہ بر
جس کی گلی میں خونِ پیمبر حلال ہے
خائف بشر ہو پیکِ اجل سے نہ اس قدر
یہ بھی کسی کا قاصدِ فرخندہ فال ہے

وہ سن کے میری پریشانیوں کو یوں بولے
لگائے دل کو نہ کوئی تو کیوں خراب رہے
وطن میں قدر کسی کی نہیں ہوئی اے ہجر
صدف میں قدر سے کب گوہرِ خوشاب رہے

رباعی

دل اُس کو دیا تھا بہ تمنائے وصال
تھی کیا یہ خبر کرے گی فرقت پامال
چاہا کچھ اور ہو گیا ہجر کچھ اور
ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

ہجر

پنڈت بشمبر ناتھ صاحب ہجر ۔ تلمیذ رشید خواجہ حیدر علی آتش و میر وزیر علی صبا ۔ ایک مختصر دیوان ان کا چھپا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت کچھ کہا تھا مگر بے پروائی سے اُس کی تدوین کی فکر نہیں کی ۔ اب اُن کے انتقال کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی پنڈت جواہر ناتھ صاحب منشی نے اُن کا کلام جو دستیاب ہوا جمع کر کے شائع کیا ہے ۔ شوخ بیانی اور زورِ طبیعت کا اُن کے اشعار سے پتہ چلتا ہے ۔ افسوس ہے کہ برگزیدہ کلام اُن کا ضائع ہو گیا ۔

اثر دکھلائے گا جب عشق اپنے جذبِ کامل کا
اُڑے گا نور پروانوں کے پیچھے شمعِ محفل کا
ترے در کے گدا کیا مال شاہی کو سمجھتے ہیں
یہاں پر جامِ جم بھی ہو تو اک کاسہ ہے سائل کا

صدا تک بھی نہ دی کیسا دل پر آرزو ٹوٹا
پھپولا کوئی پھوٹا یا حبابِ آبِ جو ٹوٹا
تمنائیں ہزاروں خانماں برباد پھرتی ہیں
الٰہی خیر یہ کس کا دل پر آرزو ٹوٹا
شکایت ہے شکستِ شیشۂ دل کی بجا تم سے
تمہارے ہاتھ سے ٹوٹا تمہارے روبرو ٹوٹا

یوں تو ہمارے قتل پہ باندھے کمر نہ تھا
بے رحم اس قدر تو وہ بیداد گر نہ تھا
باغ جہاں میں کب کوئی مفلس ہوا حسیں
وہ گل نہ تھا کہ جس کی ہتھیلی پہ زر نہ تھا
سب کی جگہ تھی بزم میں پر جائے حیف ہے
اے یار بس نہ تھا تو ہمارا گزر نہ تھا
سرگشتگی نصیب میں تھی ورنہ دشت میں
مجنوں غریب بادیہ پیما کا گھر نہ تھا
غافل بھی ہوشیار بھی ملتے جو ڈھونڈتا
اے ہجر بے خبر کہ یہاں باخبر نہ تھا
محفل میں اُن کی گو کہ بظاہر گزر نہ تھا
دل تو مرا وہیں تھا نہ تھا میں اگر نہ تھا

جو صبح تھا وہ شام کو آیا نہ پھر نظر
جو رنگ شام کو نظر آیا سحر نہ تھا
چلے ازل سے ہم ترے عاشق ہیں او صنم
اُس کی قسم کہ جس سے کوئی پیشتر نہ تھا
اے ہجر زندگی میں بہت سے رفیق تھے
سوئے عدم چلے تو کوئی ہم سفر نہ تھا

اسیر زلف ہوں آزاد تم جو فرماتے
تو عمر بھر کو یہ بندہ غلام ہو جاتا
جواب نامہ ہمارا ہمیں جو لا دیتا
تمام شہر میں قاصد کا نام ہو جاتا

خوب صیاد پر و بال نکالے تو نے
شاخِ گل پر کسی بلبل کا نشیمن نہ رہا
سبحہ نے رشتہ زنار کو دل میں رکھا
اب تو کچھ معرکہ شیخ و برہمن نہ رہا
گل کو آنکھوں پہ لیا خار کو دل میں رکھا
دوست تو دوست میں دشمن کا بھی دشمن نہ رہا

اقرارِ وصل سے مجھے آئے قرار کیا
باتیں یہ جھوٹ موٹ کی ہیں اعتبار کیا
لائے گا رنگ عشق رخ و زلف یار کیا
دیکھیں دکھائے گردش لیل و نہار کیا
بد مست سب کو نشہ دنیا نے کر دیا
بیہوش ہو رہا ہے ہر اک ہوشیار کیا

گنتی میں اب گناہ ہمارے نہیں رہے
جو بے حساب چیز ہے اُس کا شمار کیا

دم غنیمت ہے سوا دم کے ہے اس آدم میں کیا
عاقلو کس کو خبر ہے دم میں کیا ہے دم میں کیا
رنج مرنے کا نہیں اپنے ترے بیمار کو
اے مسیحا پر کہیں گے تجھ کو سب عالم میں کیا

کھل گیا چہرے سے غصہ آپ کا
دیکھیے پھر رنگ بدلا آپ کا
سچ تو یہ ہے کون میری سی کہے
ایک میں سارا زمانہ آپ کا

اُلفتِ لب نے بدخشان و یمن دکھلایا
زلف اور خال کے سودے نے ختن دکھلایا
خاک ہو جائے گا خورشید قیامت جل کر
حشر کو ہم نے اگر داغِ کہن دکھلایا
زلف صیاد نے جب چشم سیہ پر چھوڑی
دام سنبل میں گرفتار ہرن دکھلایا

روبرو اُن کا جو نقشا ہو گیا
آئینہ کو صاف سکتا ہو گیا
آپ فرمائیں خفا ہیں کس لیے
کس نے بہکایا تمہیں کیا ہو گیا

جو پھول پھولتا ہے آسے توڑتا ہے تو
گلچیں ملے گا پھل تجھے باغِ جہاں سے کیا
منعم جو ہو سکے تو لٹا مال و زر تمام
سوئے عدم گیا کوئی لے کر یہاں سے کیا

رنگ نے کس کے ہزاروں کیے گل رو پیدا
کون سی بو سے ہوئی پھول میں خوشبو پیدا
ہوتے ہیں حور و پری جن و بشر تک تسخیر
بڑھ کے اُلفت سے جہاں میں نہیں جادو پیدا
بت کو پوجا نہ کبھی یاد خدا کی غافل
آخرش کس لیے دنیا میں ہوا تو پیدا

برا کہہ بیٹھنا یوں چار میں شر کی نشانی ہے
نہ ہم کو تم سے اُلفت اس قدر ہوتی تو کیا ہوتا
کمر اُس کی نہیں لیکن ہزاروں جان دیتے ہیں
نہ ہونے پر یہ عالم ہے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

سیدھا کیا ہے یار نے ترچھی نظر کو اب
تیر مژہ لگاتے ہیں دیکھیں کدھر کو اب
بے قدر کر دیا لب و دندانِ یار نے
کوڑی کو بھی نہ لے کوئی لعل و گہر کو اب

راست کہتے ہیں کہ ہوگا حشر برپا ایک دن
اک قیامت کا الف ہے قامتِ دلجوئے دوست
بوسہ گہ عاشقاں ہے ، سجدہ گہ خلق ہے
سنگ اسود ہے کہ سنگِ آستانِ کوئے دوست

بلبلوں کو چاہیے طفل دبستان بہار
برگ گل کو مانیے اوراق دیوان بہار

دے رہا ہے جو سزا اور جزا کے احکام
دیکھ آیا ہے مگر روزِ حساب اے واعظ
ہجر گمراہ کو بھی منزل مقصود دکھا
خضر ہے تو تو بتا راہِ صواب اے واعظ

کون ہے عاشق کا سر جانا وبالِ دوش ہے
کس لیے شانوں پہ یہ زلفیں پریشاں ہو گئیں
ہائے اب کس طرح سے کاٹیں گے راتیں ہجر کی
اپنو برسوں کے برابر مجھ کو گھڑیاں ہو گئیں

دل میں زلفوں کا تصور ہے برا
آئینہ میں آئے بال اچھا نہیں

دیر و کعبہ میں یقیں سمجھو یقیں کچھ بھی نہیں
دل ہی کے اندر نہیں کچھ تو کہیں کچھ بھی نہیں

اے ہجر نامہ بر ہی چلا آئے خیر سے
خط کیا لکھیں گے وہ مرے خط کے جواب میں

کیں شبِ فرقت میں نالوں سے جو آتش باریاں
مجمر گردوں میں تارے بن گئے چنگاریاں
اس مرض کی چارہ جوئی کیا کریں عیسیٰ غریب
لا علاج و لا دوا ہیں عشق کی بیماریاں

سوائے خاک بخیلوں کے کچھ نہ ہات آیا
زمین کھا گئی قاروں کے سب خزانے کو

جذبِ دل بھی ہو اگر نالہ و فریاد کے ساتھ
کھنچ کے پہلو میں وہ آ جائیں ابھی یاد کے ساتھ

رموزِ عاشقاں کچھ ہم سے عاشق ہی سمجھتے ہیں
اشاروں میں جو شمع بزم سے پروانہ کہتا ہے
صراحی میکدے میں ہچکیاں لے لے کے روتی ہے
جو اگلے میکشوں کا حال کچھ پیالہ کہتا ہے

جنوں ناحق کا تھا فرہاد کو مجنوں تھا سودائی
نہ شیریں میں تھی شیرینی نہ لیلیٰ میں تھی لیلائی
مشابہ چاند سے کرنا تجھے دھبا لگاتا ہے
کہ تو پردہ نشیں ہے اور وہ معشوق ہر جائی

بس اتنی بات ہم کو پیر دانا نے بتائی ہے
برائی میں برائی ہے ، بھلائی میں بھلائی ہے
جہاں دو دل ملے ہیں تفرقہ ڈالا ہے گردوں نے
محبت جس کو کہتے ہیں وہ کس کو راس آئی ہے
کف گل میں اگر زر ہے تو غنچہ بھی نہیں خالی
زمیں میں جا کے قاروں نے بڑی دولت لٹائی ہے

سنگ صنم وہی ہے وہی سنگِ طور ہے
آئینے دو ہیں جلوہ نما ایک نور ہے

دنیا میں اہی بہشت ہے رندوں کے واسطے
جامِ شراب ہاتھ میں پہلو میں حور ہے

بزمِ شراب گرم ہے جشنِ شہانہ ہے
جم سے اہی بڑھ کے پیرِ مغاں کا زمانہ ہے
جب تک کہ آدمی سے موافق زمانہ ہے
کوئی عزیز بنتا ہے کوئی یگانہ ہے
دنیائے بد نہاد کا ہے اعتماد کیا
کل تھا کسی کا آج کسی کا زمانہ ہے
باقی نہ وہ شرابِ کہن ہے نہ بادہ خوار
اگلے سے لوگ ہیں نہ وہ اگلا زمانہ ہے
ان بیوفائیوں کا ہے تقدیر سے گلہ
شکوہ ہمیں حضور سے کوئی نہ تھا نہ ہے

ہجر

مرزا اصغر حسین کلام چھ شعر ۔ حالات ندارد

ہجر

نواب مہدی حسن خان ۔ کلام دو شعر ۔ حالات ندارد

ہجوری

نواب محمد حسین خان ہجوری عظیم آبادی ۔ کلام چار شعر ۔ حالات ندارد

ہدا

سید ہدایت اللہ خان منجم لکھنوی ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد

.ایت

ہدایت اللہ خان مراد آبادی شاگرد تنہا ۔ کلام ایک شعر ۔ حالات

ارد

.ابت

حکیم ہدایت اللہ خاں ہدایت مرحوم شاہ جہاں آبادی ۔ مرید و شاگرد
راجہ میر درد مرحوم ۔ ثناء اللہ خاں کے حقیقی چچا تھے ۔ صاحب
وان ۔ متقی اور خدا ترس بزرگ تھے ۔ ۱۲۱۵ھ میں فوت ہوئے ۔

نمونۂ کلام ۔

جاتا رہا ہوں آپ ہی میں اپنی یاد سے
کیا جانئے کہ کس نے فراموش کر دیا

جس دم زباں پہ بار ترا نام ہوگیا
کچھ دل کو چین جان کو آرام ہوگیا

یہی صورت اگر رہی پیارے
ایک عالم فقیر ہووے گا

اپنا تو ایک دل تھا سو بیگانہ ہوگیا
کیوں کر کسی کے ہوتے ہیں دو چار آشنا

چشم اُلفت تھی مجھے تجھ سے تو اے طفلِ سرشک
ہائے دنیا سے تو لڑکے یوں ہی ناکام گیا

سچ کہیو ہم بھی زہد و عبادت کیا کریں
زاہد ملیں گے خلد میں غلمان و حور کیا

بتاں سے فائدہ اے یار دل لگانے کا
خدا سے کوئی کسی کو نہیں ملانے کا
نہ پیوے خضر پلاوے اگر جو آب حیات
مزا پڑا ہو جسے خونِ دل کے پینے کا

زلفوں کو چھوڑ اُس کی جاویں کدھر ہدایت
آئی ہے شام سر پر گھر دور ہے ہمارا

دیکھ اُس کی چشمِ مست کو دل تو بہک گیا
بس میری جان دو ہی پیالوں میں چھک گیا

وہ کیا کرے کہ محبت کا مقتضا ہے یہی
وگرنہ فائدہ اُس کو مرے ستانے سے

کرتا نہیں ہے جانے کو دل کوئے یار سے
گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یاں رہے

ہدف

سید کاظم حسین ہدف لکھنوی

نہ رحم کا نہ تسلی کا اعتبار رہا
گلہ نہیں ہے رہا جو مزاج یار رہا
ادا تو کر دیا قاصد نے حق نامہ بری
انہیں اب آنے نہ آنے کا اختیار رہا
کسی پہ چاک گریباں کا عیب کھل نہ سکا
یونہی بندھا جو مرے آنسوؤں کا تار رہا

گواہ حال ہیں اس پر ہٹے ہوئے تختے
پس فنا بھی تڑپتا تہِ مزار رہا

گناہگاروں سے ہوگی نہ پرسش اعمال
کریم ہے وہ اسے خود حجاب آئے گا
ہدف کے جذبۂ الفت میں ہے اگر تاثیر
تو یار خود ہی بجائے جواب آئے گا

ہدہد

عبدالرحمن ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود

هزبر

پرنس فریدوں قدر ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود

ہلال

امیر علی خان ولد تراب خان شاگرد میر علی اوسط رشک ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد

ہما

سید احمد حسین شاگرد خواجہ وزیر لکھنوی ۔ کلام تین شعر ۔ حالات ندارد

ہمت[1]

اخونزادہ ہمت خان ۔ متوطن موضع پنہرہ ۔ تخلص بہ ہمت ۔ آپ نہایت خوش خلق ، ملنسار اور صاحب ہمت شخص ہیں ۔ صاحب کمال

---

۱ ۔ از تذکرہ شوق

حافظ محمد جمال قدوۃ السالکین کے حلقہ احباب سے تعلق رکھتے ہیں۔ طبعیت موزوں پائی ہے۔ آپ اس قدر آزاد منش، رندمشرب اور بلند ہمت انسان ہیں کہ آپ نے کبھی اپنی کسی غرض کے لیے ارباب دنیا کے سامنے دستِ طلب نہیں پھیلایا۔ چند اشعار آپ کے مسودہ سے دستیاب ہوئے جو سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔

جب شانہ صفت دل کو میں صد چاک کروں گا
کوچے میں گزر زلف کے بے باک کروں گا
محفل میں، میں گر غیر سے گرمی تری دیکھی
جوں شمع جلا تن کو وہیں خاک کروں گا
آلیہ صفت ہووے گا عالم سبھی غرقاب
جس وقت کبھی چشم کو نمناک کروں گا
کانپے گا جگر عرش کا دہشت ہستی ہمت
جس وقت میں اک آہِ غضب ناک کروں گا

کیوں نہ ہر اک سے کرے دار مدار
شوق ہے اس کو نموداری کا
دہشت غیر نہیں کچھ دل میں
خوف ہے تیری طرف داری کا
ہمت اک ڈھب ستی ملیو اس سے
شیوہ رکھتا ہے ستم کاری کا

کہتے ہیں یار تو کل جاوے گا
پر یہ جی آج ہی نکل جاوے گا
ہر گھڑی گھر سے نکل مت ظالم
کوئی چھلاوہ تجھے چھل جاوے گا

ہائے پھر دل یہ غضب کا مارا
اس کی باتوں پہ بہل جاوے گا
دیکھیں کیا داد دلاویں نواب
لے کے ہمت یہ غزل جاوے گا

کاہے زمیں یہ اُن نے نہ ہم کو دیا قرار
آفت ہماری جان کو یہ کچھ آسماں ہوا
خدمت میں اُس کی جا کے جو کل یہ غزل پڑی
بولا کہ چل بے یاں سے ، بڑا غزل خواں ہوا
طفلی میں جن نے مجھ کو یہ ہمت کھلائے کھیل
اب تو خدا کے فضل سے وہ نوجواں ہوا

پہنچے گا کب کوئی مرے رتبے کو ہر برہنہ پا
کی ہے میں کوئے یار میں عمر بسر برہنہ پا
ہووے نہ آہ کا مری کیوں کر بلند مرتبہ
جاتا ہے آگے دوڑتا جس کے اثر برہنہ پا
میرا یہ حالِ زار دیکھ پوچھے تھا خلق سے وہ یوں
پھرتا ہے ہمت آج کیوں برہنہ سر برہنہ پا

گو ہوں حالِ تباہ میں ڈوبا
پر ہوں اک عز و جاہ میں ڈوبا
تیرے چاہ ذقن کی چاہ میں دل
باؤلا ہو کے چاہ میں ڈوبا

ہمت

سید ہمت علی شاگرد انسخ مقیم کلکتہ کلام چار شعر حالات ندارد

ہمت

منشی بنسی دھر لکھنوی کلام ایک شعر حالات ندارد

ہمت

نامعلوم الاسم ۔ کلام پانچ شعر ۔ حالات ندارد

ھمدم[1]

محمد معصوم برادر صغیر محمد شرف عاصی ۔ آپ صاحب حوصلہ ۔ خوش سلیقہ ۔ اہل مروت ۔ معدن اہلیت و شخصیت ۔ قدر شناس ۔ دوستدار علما و فقرا ۔ مخزن مودت و ولا ۔ تاریخ دانی میں نہایت رسا ۔ اگرچہ ان کو شعر و شاعری سے سروکار نہیں ہے لیکن ریختہ کی گرم بازاری دیکھ کر احبا کی خاطر سے چند غزلیں کہہ لیتے ہیں ۔ طبعیت مناسب پائی ہے ۔ قدرت اللہ شوق کہتے ہیں کہ میری ان سے رسم قدیم ہے ۔ یہ چند شعر ان کے ہیں ۔

گرچہ دلکش ہے سب بتاں کی ادا
لے گئی جی ہر اس جواں کی ادا
ایک عالم کیا ہے جن نے شہید
ہے وہ خوں خوار رنگ پاں کی ادا
دمبدم خشم جب نہ تب دشنام
تم نے کاڑھی ہے یہ کہاں کی ادا

---

۱ ۔ از تذکرہ شوق

ہندی

مرزا محسن علی ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔

ہنر

مرزا مظفر علی شاگرد صبا ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ مٹیا برج میں رہتے تھے ۔

ہنر

منشی سید ذاکر حسین ہنر خلف سید فقیر حسین رونق ۔ باشندہ غازی پور ۔ شاگرد اقبال الدولہ قلق لکھنوی ۔ سرشتہ تعلیم میں مدرس ہیں ۔ صاحب دیوان ریختہ ہیں ۔

مئے طہور سے بھی واعظو کرو انکار
شراب ہے کہ نہیں پی تو پارسائی کیا

اپنا کیا مجھے نہ بتوں کا کیا مجھے
آخر خدا نے کس لیے پیدا کیا مجھے
عیسٰی نفس تھے تم تو مگر کچھ نہ کر سکے
لو آج میری موت نے اچھا کیا مجھے
پھانسی ضرور دے تری زلف رسا مجھے
لیکن مری خطا تو بتا دے ذرا مجھے
رہتا ہے وہ تو دل میں مگر دل ہے اس کے پاس
ملنا محال ہے جو ملا بھی پتا مجھے
دل میں جگر میں لیتے ہیں رہ رہ کے چٹکیاں
کرتے ہیں رفتہ رفتہ وہ درد آشنا مجھے

غیر کو بھیجتے ہیں آپ عیادت کے لیے
خوب بیمار محبت کی دوا ہوتی ہے
کون سا ظلم ہے باقی کہ ہوس ہے جس کی
نزع میں کیوں مرے جینے کی دعا ہوتی ہے

ہنر[1]

کلو خاں ہنر - پسر فدائی خاں - متوطن آنولہ - قوم افغان - سعادت مند مجنوں منشی فدوی مسطور کے شاگردوں میں تھے -

لاکھ صورت سے اگر چیں بہ جبیں کیجیے گا
باز آنے کا نہیں دل یہ نہیں کیجیے گا

ہم ایسی بد گھڑی آ کر پھنسے تھے دام میں تیرے
نہ دیکھی ہائے ہم نے پھر کبھی گلزار کی صورت

دعوی نہ کیجیو دہن تنگ یار سے
یہ بات رکھیو غنچہ تو اپنے دہن کے بیچ

جب کہ دل کو ترے زلفوں سے سروکار نہ تھا
اس قدر دام بلا میں یہ گرفتار نہ تھا

خدا کے واسطے مت جائیو اُدھر کوئی
لٹے ہے شوخ کے کوچے میں قافلہ دل کا

---

۱ - از تذکرہ شوق -

سینکڑوں مر گئے اور ہم بھی ہیں دم کے مہماں
باز آ جان مری اتنی ستم گاری سے

ابرو ترے نے مجھ پہ کیا وار بے طرح
دل میں مرے لگی ہے یہ تلوار کی طرح

ہنر

مرزا بخشاور بخت گورگانی شاگرد مرزا حاجی عترت دہلوی خلف مرزا منور بخت شاہ عالم کے پوتے تھے معروف بہ بچی میاں ۔ ناخواندہ تھے مگر شعر خوب کہتے تھے ۔

کس چمن میں ہمیں تقدیر ہے لائی یارب
کہ ہے آزاد جہاں نام گرفتاروں کا

بے چینیاں یہی ہیں دل کی تو اے ہنر تم
لاتے ہو آج کل میں آفت کوئی اور دل پر

جلد گردن پر مری رکھ دے خدا کے واسطے
دست نازک میں سنبھل سکتا اگر خنجر نہیں

تھے ہنر ہم سبب عظمت و شان دہلی
نہ رہے ہم نہ رہا نام و نشان دہلی

ہنر اب کے نگاہیں وہ کر گئیں جادو
وگرنہ یوں تو ملی آنکھ بارہا ان سے

سروں پہ چلتی تری تیغ آبدار رہے
کہ تاجہان ستم میں وہ با وقار رہے
بہانا اشک یہاں تک کہ خود نہ بہ جائیں
خیال اتنا تجھے چشم اشک بار رہے
لگائے دل وہ ترے حسن روز افزوں سے
سدا جو عالم فانی میں برقرار رہے
جنوں یہ کہتا ہے ہر بار دست وحشت سے
کہ نام کو نہ گریباں میں ایک تار رہے

ہنر

شیخ غلام احمد صاحب قریش شاگرد محفوظ۔

وہ میرے تصور میں رہا کرتے ہیں ہر روز
کیا ہوتا ہے گر ان کے نگہبان بہت ہیں
تقدیر پہ شاکر رہے ہر حال میں انساں
ہونے کے لیے غیب سے سامان بہت ہیں

بعد مردن بھی نہیں جاتا خیال مژگاں
ہائے سینے میں کھٹکتے ہیں یہ پیکاں اب تک

خدا کا گھر اسے کہتے ہیں کافر
نہ مٹی میں ملا پھر خدا دل

کیا ہے ناوک مژگاں نے چھلنی
مرا دل چارہ گر کیوں کر رفو ہو

الہٰی ان بتوں نے مار ڈالا
ذرا انصاف تیرے روبرو ہو

جسے دیکھا لگاوٹ کی نظر سے دل لیا اس کا
نظر جادو بھری تیری بت عیا کیسی ہے
مٹاتے ہو نشان تربت کا بھی ہم بے نشانوں کی
جفا یہ بعد مردن ہم پہ اے دلدار کیسی ہے[1]

یہ میرا شوق کہتا ہے کہ لپٹالوں گلے اس کو
حسیں اور نازنیں ظالم تری تلوار کیسی ہے

دم بھی نکلتا نہیں یار بھی آتا نہیں
نزع میں حالت خراب دیکھئے کب تک رہے

ہنر

سید باقر علی ہنر ۔ باشندہ وزیر سنج کانپور ۔

تیر نگہ یار طمانچہ ہے قنا کا
جاں برنہوا وہ جسے سو کوسن سے تا کا
مشکل میں طلبگار امانت کے ہوئے ہیں
شاہوں کو بھی محتاج سنا ہے فقرا کا

مرگیا عاشق حزیں تیرا
تجھ کو اے بے خبر نہیں معلوم

---

۱ ۔ از محبوب الکلام

عمر اچھی طرح کٹی اتنی
اب کیوں کر بسر نہیں معلوم

قتل عاشق کو تری ایک ادا کافی ہے
آنکھ میں شرم تو موجود ہے شوخی نہ سہی
بولنا ہی فقط آپس میں رہا تھا باقی
ناگوار گزرتا ہے تو یہ بھی نہ سہی

ایک تقدیر ہر بشر کی نہیں
کوئی مولا کوئی غلام ہوا
قیس کو کیا ملا محبت میں
مفت رسوائے خاص و عام ہوا

ممکن نہیں کہ زوق نہ اللہ مجھ کو دے
رنجیدہ مجھ گدا سے اگر بادشاہ ہو
ہنگام نزع دیکھ لیا میں نے آپ کو
اب کوئی آرزو کوئی حسرت نہیں رہی
جب تم سے یار نے ہمیں دی وقت پر دغا
باقی کسی عدو سے شکایت نہیں رہی

ہے گلستان جہاں میں عنقا
جس کو دنیا میں وفا کہتے ہیں
عاشقی میں بھی بھلا ہے کچھ عیب
لوگ کیوں مجھ کو برا کہتے ہیں

یہاں خون جگر پیتے رہے ہم
رقیبوں کو گلوری واں ملا کی
نقاب اُس مہ نے چہرے سے جو اُلٹی
نظر آنے لگی قدرت خدا کی

سوچو ملال کرنے میں کچھ فائدہ نہیں
مدت کی دوستی کو مٹانا نہ چاہیے
ہر روز صرف کرنے کو دیتا رہے خدا
قاروں کی طرح ہم کو خزانا نہ چاہیے
ہم ظلم کرنے کو تمہیں کچھ روکتے نہیں
لیکن کسی کے دل دکھانا نہ چاہیے

مجھے نیند کیا آئے فرقت کی شب میں
کہ پھرتی ہے آنکھوں میں صورت کسی کی
فقیری میں یارب وہ ہمت عطا کر
سمائے نہ آنکھوں میں دولت کسی کی
ابھی تک مجھے یاد ہے اے شب وصل
وہ شرمائی شرمائی صورت کسی کی

فرشتے جان پر نازل ہوئے کیوں آ کے مدفن میں
ابھی تو ٹھوکریں کھاتا ہوا پہنچا ہوں منزل پر
فروغ حسن لیلیٰ سے نہ غش آ جائے مجنوں کو
غبار راہ پردہ ڈالتا آتا ہے محمل پر

ہنر

ہنر لکھنوی ۔ نامعلوم الاسم ۔

لفظ کمبخت واعظ کی نہیں کچھ حرمت مے پر
یہ وہ شے ہے کہ جس کا تذکرہ قرآں میں آیا ہے
بیاں کیا ہو تری نیچی نگہ کا او بت کافر
اسی بے درد نے تو خاک میں ہم کو ملایا ہے
نہیں ملتے ہیں وہ مہندی کف افسوس ملتے ہیں
ہنر دیکھو ہمارا خون آخر رنگ لایا ہے[1]

ہنر

ہنر غازی پوری ۔ نامعلوم الاسم ۔

کیا کہیں ہجر میں کیا حال کیا کرتے ہیں
اچھے ہیں شکر ہے جیتے ہیں دعا کرتے ہیں[2]
کیا ڈھٹائی ہے کہ وہ خود ہی کہا کرتے ہیں
کیوں ہمیں چاہتے ہو ہم تو جفا کرتے ہیں
زہر کھانے دے تو اب ہاتھ نہ تھام اے امید
مرض یاس کی ہم آج دوا کرتے ہیں
غیر سے آپ جو ملتے ہیں مرا بس کیا ہے
ہاں مگر یہ تو کہوں گا کہ برا کرتے ہیں
ہوش کھو جاتے ہیں قابو نہیں رہتا دل پر
آنکھ ملتے ہی خدا جانے وہ کیا کرتے ہیں

۱ ۔ از پیام عاشق مارچ ۹۳ ۔
۲ ۔ از گلچیں ۔

منحصر جن کی خوشی پر ہے ہمارا جینا
آج کل ہم سے وہ ناراض رہا کرتے ہیں
یہ تجاہل کہ مجھے دیکھ کے غیروں سے کہا
پوچھو تو کیوں یہ پریشان رہا کرتے ہیں

ہوس

نواب میرزا محمد تقی خاں ابن نواب میرزا علی خاں ابن نواب سالا جنگ مقیم فیض آباد لکھنؤ۔ مصحفی مرحوم کے شاگرد تھے۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں بہت اچھی لکھی ہے۔ صاحب دیوان تھے۔ طویل بحروں میں جو غزلیں لکھی ہیں لاجواب ہیں۔ ۱۸۲۳ء میں حیات تھے۔

نزع میں ہم نے عجب طرح سے دل شاد کیا
آئی ہچکی تو کہا اس نے ہمیں یاد کیا

ترے لیے گو کہ اے پری رو ہوا ہے دشمن تمام عالم
نہیں ہے پروا کسی کی ہم کو بہت ہے اک دوست تو ہمارا

ہوس نقش نگین عشق ہوں میں
رہے گا تا قیامت نام میرا

درد دل سے تو کسی کو ہوس آگاہ نہ کر
شرط الفت تو یہ ہے جان دے اور آہ نہ کر

بیکسی ہی نے نہ دنیا کو تجا میرے بعد
غم بھی مرقد پہ مرے بیٹھ رہا میرے بعد

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد
کیا عجب تربت لیلیٰ سے جو نکلے یہ صدا
میرے مجنوں ترا کیا حال ہوا میرے بعد
جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارے
یاد آویگی تجھے میری وفا میرے بعد
اب تو کرتے ہو بہت لطف و کرم تم لیکن
بھول جانا نہ مجھے بہرِ خدا میرے بعد
اٹھ گیا میں جو جہانِ گزراں سے تو ہوس
خاک چھانے گی بہت بادِ صبا میرے بعد

شیشۂ دل کی ہمارے ہی تجسس تھی اسے
چرخِ گردوں کے فلا فن سے جو پتھر نکلا
رات اس تک جو نہ پہنچی مرے رونے کی صدا
گھر سے گھبرا کے وہ سو مرتبہ باہر نکلا
وصل کے روز بھی پایا نہ مزا وصل کا میں
شکوہ ہائے شبِ ہجراں کا جو دفتر نکلا
یاد کر ہو کو میں کس گل کی ہوس رویا تھا
شب مری آنکھ سے ہر اشک معطر نکلا

نغمہ سنجانِ چمن طرزِ فغاں بھول گئے
سنتے ہی تیری زباں اپنی زباں بھول گئے
شبِ ہجراں میں ہیں آثار سحر کے پیدا
شاید اس رات موذن بھی اذاں بھول گئے

کبھی کہتی تھی لیلیٰ سوختہ جاں نہیں کھاتی ادب سے خدا کی قسم
غم قیس سوا نہیں کچھ مجھے شم آسی کشتۂ ناز و ادا کی قسم
کبھی کہتا تھا قیس غزالوں سے جا کہو ناقہ ادھر سے کدھر کو گیا
کبھی کہتا تھا تو ہی بتا دے صبا تجھے لیلیٰ کی زلف دوتا کی قسم
کبھی ساغر وصل پیا نہ پیا کبھی زخم جگر کو سیا نہ سیا
غم و رنج و تعب کو عزیز کیا مجھے عشق کے جور و جفا کی قسم

نہیں معلوم کیا لذت ملی اُن کو اسیری میں
یہ مرغان چمن کیوں دام میں آ آ کے پھنستے ہیں
کبھی بھادوں کا عالم ہے کبھی ساون کی جھڑیاں ہیں
ہماری چشم سے ہجراں میں کیا کیا مینھہ برستے ہیں

ہوش

نواب نیاز احمد خاں ہوش رئیس بریلی خلف نواب نثار احمد خاں از اولاد حافظ الملک نواب رحمت خاں والی روہیلکنڈھ شاگرد رشید تدبیرالدولہ منشی سید مظفر علی خاں اسیر لکھنوی ۔ ان کے تلامذہ نہایت کثرت سے ہیں ۔ شعر خاصہ کہتے ہیں ۔ ایک رسالہ مسمی بہ گلدستہ ہوش افزا ان کے اہتمام سے شائع ہوا کرتا تھا صاحب دیوان ہیں ۔ خلیفہ امیرالدین آزاد سے پہلے اصلاح لیتے تھے ۔ حیدرآباد بھی گئے تھے ۔

عشق کا داغ چھپے پردہ دل میں کیوں کر
زیر فانوس چراغ مہ کامل نہ ہوا
بے پڑھے یاد ہو جو مصحف رخسار ہے وہ
اور قرآں تو ایسا کوئی نازل نہ ہوا

وہ پری رو ہے کہ جس پر ہے زمانہ قربان
حور پر شیخ کسی کا نہ کبھی دل آیا

ہوش

جناب محمد حیدر علی خان رام پوری۔

آئے گا نزع میں وہ کیوں کر یقین آئے
جب عمر بھر ستم گر مجھ سے جدا رہا ہے
منظور گر نہیں ہے ملنا تو صاف کہہ دے
اے حیلہ جو عبث تو باتیں بنا رہا ہے
اے واعظ ایسی باتیں رندان بادہ کش سے
سنتا ہے کون تیری کس کو سنا رہا ہے
اس کے ستم کا شکوہ ہم کیوں کریں کسی سے
قسمت کا جو لکھا تھا درپیش آ رہا ہے

وصل اس شوخ کا کس دن ہو میسر دیکھو
چین کب پائے ہمارا دل مضطر دیکھو
حضرت دل نہ خم زلف معنبر دیکھو
پیچ میں اس کے نہ رہ جاؤ الجھ کر دیکھو
دل میں رہ جائے نہ ارمان کہ تم پاس نہ تھے
آخری وقت ہے ٹھہرو ابھی دم بھر دیکھو

ہوش

حضرت ہوش مدظلہ۔ نامعلوم الاسم۔

وصف اس زلف مسلسل کا اگر تحریر ہو
کیوں سواد خط نہ مثل سایۂ زنجیر ہو

عشق شیریں ہے تو کر فرہاد محنت اس قدر
جسم میں ہر استخواں گھل گھل کے جوئے شیر ہو
سخت دل کو سختِ دل سے فائدہ ممکن نہیں
پیدا آبِ تیغ سے کب دانۂ زنجیر ہو
قتل ہوں مجھ سے نہ یاروں کی الٰہی آزردگی
جو کھنچے مجھ سے وہ میرے واسطے شمشیر ہو
قابلیت تمکنت ذہن و ذکا و عقل و ہوش
کچھ نہ ہو انسان میں چمکی ہوئی تقدیر ہو
عشق بازی گنجفہ کا کھیل ہے اس دور میں
کم کی بازی میں میں اکا بش کے تم میر ہو

غنی ہو گیا تیرے در کا گدا
اسے کیمیا خاکِ در ہو گئی

شوخی تو دیکھو کہتے ہیں دل مفت دو تو لیں
ورنہ کوئی نہ اس کا خریدار آئے گا
ہو گی کتاب ظلم تو فرفر پڑھیں گے وہ
حرف وفا زباں پہ نہ زنہار آئے گا

ہوش

منشی دلیپ سنگھ صاحب متوطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر تلمذ جناب ؟

گھر سے بن ٹھن کے جو وہ رشک مسیحا نکلا
دیکھ کر حسن ہر اک شخص کا جی سا نکلا

ٹھہر انداز ستم ناز کرشمہ آفت
وہ پری زاد ہر اک بات ہیں یکتا نکلا

ہوش

کالی چرن صاحب ہر دوئی الکم ٹیکس کلرک متوطن ہر دوئی ضلع اودھ۔ حضرت ظہیرؔ دہلوی سے ارادت ہے۔

نمونہ ابر باراں ہے ہماری چشم گریاں کا
یہ بجلی اک شرارہ ہے ہماری آہ سوزاں کا

جنوں نے کچھ اب ایسے پاؤں چادر سے نکالے ہیں
کہ جینے کی ہوس پہلے تھی اب مرنے کے لالے ہیں
ابھی اٹھتی جوانی ہے کہے دیتی ہے شکل ان کی
کہ بن کر فتنۂ محشر قیامت ڈھانے والے ہیں
خفا ہو کر جو چپ رہتے ہو مطلب سے نہیں خالی
خموشی میں بھی انداز ستم تم نے نکالے ہیں
گلے کرتے ہیں وہ الٹے شکایت ہر رقیبوں کی
محبت جو نئی کی ہے تو شکوے بھی نرالے ہیں
خدا کا خوف کر اے عشق باز آ اپنی چالوں سے
یہ تیرہ بخت عاشق بھی کسی گھر کے اُجالے ہیں
مرے شکووں پہ کہتے ہیں مجھے کیا ہوش کی پروا
انہیں کہہ وہ نہیں مجھ پر ہزاروں مرنے والے ہیں
لگا دے ناصحوں کے قفل منہ پر اے مرے مولا
ترے بندوں کے بک بک کر انہوں نے کان کھائے ہیں
اسی کی دوزخ و جنت اسی کا دیر و کعبہ ہے
یہ ملاؤں نے اپنے دل سے دو دو گھر بنائے ہیں

ہمارے دل میں تم آ کے بیٹھو نکالو یکسر غبار حسرت
نہ دل میں کاوش ہو نیش غم کی خلش فزا ہو نہ خار حسرت

کسی سے دل اگر تم بھی لگا بیٹھو تو اچھا ہے
سمند ناز کو لازم ہے ہلکا تازیانہ بھی

نفس جو ساتھی تھا عمر بھر کا وہ چھوڑ کر مجھ کو جا رہا ہے
خیال ان کا ہے یا وفا کا جو نزع میں ہم کو آ رہا ہے
یہ نقش کیسے ہیں لوح دل پر کوئی نیا گل کھلا رہا ہے
کہ شوق اُلفت ہمارے دل میں کسی کا فوٹو بنا رہا ہے
نہیں ہے چہرے پر ان کے زردی ہوئے ہیں اغیار پر وہ مائل
خدا کی قدرت ہے حسن پر بھی یہ عشق نقشہ جما رہا ہے
چلے جو وہ دو قدم نکل کر تو فتنے محشر کے اٹھ رہے ہیں
زمیں کو لرزہ چڑھا ہوا ہے فلک کو چکر سا آ رہا ہے
جفا کا اس کی نہیں ٹھکانا ہزاروں بسمل ہیں لاکھوں وحشی
اور اس پر اندھیر ہوش دیکھو وفا کا محضر لکھا رہا ہے

نظروں میں قید رکھتے ہو آنکھیں دکھاتے ہو
اے شوخ چشم ایسی خطا کیا حیا کی ہے
فروغ حسن سے گھونگٹ کی کیفیت نرالی ہے
چھپاؤ لاکھ پردوں میں یہ صورت چھپنے والی ہے
شرارت پائی جاتی ہے تری بھولی اداؤں میں
لڑکپن جانے والا ہے جوانی آنے والی ہے

ہوش

غلام محی الدین متوطن مراد آباد ۔ اگرچہ آپ کا ذہن اچھا ہے اور طبیعت بہت اچھی پائی ہے مگر بوجہ عدم اصلاح استاد کلام بے کیف ہے ۔ آپ اپنے آپ کو میر تقی کے شاگردوں میں شمار کرتے ہیں ۔ لیکن ظاہرا ان سے ملاقات بھی نصیب نہیں ہوئی خود کہتے ہیں کہ مجھ کو دیوان میر سے فیض پہنچا ہے ۔

ذرا چہرے سے تو برقع اٹھا دے
بہت ہے شور کچھ شمس و قمر کا
ہمیشہ ہوش کو روتے ہی گزری
نہ پوچھا تو نے حال اس نوحہ گر کا

سناویں کسے جا کے ہم درد اپنا
کوئی بھی نہیں یہاں تو ہمدرد اپنا

جانے بندہ ہے یا خدا ہے تو
لیکن اپنا تو مدعا ہے تو
کوئی کہتا ہے بت کوئی اللہ
ہم تو بے خود ہیں جانے کیا ہے تو
دل کو لیتے ہی خاک میں ڈالا
ہم تو جانے تھے دلربا ہے تو
ہوش ناحق میں جان مت دیجو
جانتے ہیں کہ دل جلا ہے تو

اے ہم صفیر پھر بھی ملیں گے جو زیست ہے
اب تو ہمارے پاؤں میں زنجیر کھچ گئی

نکلا ادا سے جب وہ مکھڑے پہ شال ڈالے
دل ٹھوکروں میں لاکھوں کر پائمال ڈالے
چاہ ذقن میں تیرے دل بے طرح پھنسا تھا
پایا نہ کھوج اس کا بے طرح جال ڈالے

کسے فکر معشیت میں دماغِ شعر خوانی ہے
ہمیں محبت بہت یاد آتی ہے اب میر صاحب کی

ہوشیار

منشی کیول رام قوم کایستھ باشندہ دہلی صاحب دیوان فارسی گزرے ۔ بعد غدر مراد آباد میں ضلع وزیٹر ہوگئے تھے ۔

ملایا خاک میں دکھلا کے تو نے قد بالا کو
سہی کو سرو کو شمشاد کو عرعر کو طوبیٰ کو
خرابِ چشم میگوں ہوگیا اب ہے سلام اپنا
صراحی کو پیالہ کو سبو کو خم کو مینا کو
خط و زلف و قد و عارض نے تیرے کر لیا عاشق
سمن کو سرو کو سنبل کو ریحانِ مطرا کو

سو وہ ہیں صرفِ تن اور صرف ٹٹو
رہا بندہ تو ایسا ہی نکھٹو
ہوئی گو دس بیس سے پچیس تنخواہ
ولے ہیں صرف کی اک تین ہی راہ
برہمن چار لے اور چار سائیس
رہے باقی جو وہ ہیں تین کم بیس

یاد

یاد خیر آبادی ۔ نامعلوم الاسم

اب تری سنگین دلی کا پوچھنا کیا سنگدل
بند محرم کیا بندھے سینہ بھی پتھر ہوگیا
آنسوؤں کے ساتھ اب آنے لگا بہہ کر لہو
خار حسرت دل میں رہتے رہتے نشتر ہوگیا
کھولنے کی چھیڑ سے بڑھ کر نہ تھی تدبیر کچھ
اس طرح بگڑا کوئی جامہ سے باہر ہوگیا[1]

یار

پنڈت دھرم نرائن خلف پنڈت جگت نرائن صدر الصدور مرحوم شاگرد حکیم لکھنوی

دل دادہ کب ہیں اہل حقیقت مجاز کے
جز ذات حق کسی کا انہیں آسرا نہیں
بندوں کو اپنے زشتی اعمال سے ہے ڈر
محشر کا روز ورنہ کچھ ایسا برا نہیں
خوش خوش چلیں گے اپنے خداوند کے حضور
اہل نظر کو خوف قیامت ذرا نہیں

یاس

حافظ حفیظ الدین ۔ باشندہ دہلی مدت مدید ہوئی کہ انتقال کیا ۔

ہوویں گے نہ ہم تو تیری ظالم
پھر کون یہ جستجو کرے گا

---

۱ ۔ از مذاق سخن دہلی ۔

جب تو نہ ملا تو یاس خستہ
پھر کون سی آرزو کرے گا

بادہ خواری نہ چھوڑ تو اے یاس
یہ بھی اک مشغلہ ہے یاروں کا

گھر تو آنا کیا کہ اپنے آپ میں آئے نہ ہم
بے نقاب اس روئے تاباں کا تماشہ دیکھ کر

کو بکو کیا خراب پھرتے ہیں
خاک ہو کر ترے گریباں چاک

اور کو کیا بتائیں حال اپنا
خود نہیں جانتے کہ کیا ہیں ہم
مغبچوں سے یہ راہ و رسم اور پھر
یاس کہتے ہو پارسا ہیں ہم

جہاں میں پھرتے ہیں ہم ہر طرف سراسیمہ
مگر یہ کچھ نہیں کھلتا کہ آرزو کیا ہے

جب جنوں تھا تو تھے گریباں چاک
عشق ہے اب تو سینہ چاک ہوئے

چاک کیوں کر نہ ہووے سو سو بار
پھر یہ آخر مرا گریباں ہے

اس کے ہر تار میں ہے سو شورش
رشک محشر مرا گریباں ہے

یاس

محمد عظمت اللہ خاں دہلوی شاگرد سیف دکھنی ادیب مرحوم۔

ہے داغ داغ رشک سے دل ماہتاب کا
گوشہ جو الٹ گیا ہے تمہارے نقاب کا
کہہ لینا واعظو جو تمہاری سمجھ میں آئے
چلے مزہ تو چکھ لوں شراب و کباب کا
دشمن کا گھر بھی دوست کی خاطر دکھا دیا
یارب برا ہو اس دل خانہ خراب کا

یاس

منشی خیرالدین دہلوی مرحوم۔ شاگرد مومن و ذوق۔ شگفتہ طبیعت پائی تھی۔

اس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا
وصل کی شب کا سماں آنکھوں میں ہے چھایا ہوا

ربط غیروں سے بڑھا مجھ سے وفا چاہتے ہو
دل میں سوچو کہ یہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو

ہے ستم میرا وہ بیتابی سے در پر جانا
اور ترا ناز سے کہنا اسے مت آنے دو

شربت وصل نہ پینے دو نہ سم کھانے دو
کیا قیامت ہے نہ جینے دو نہ مر جانے دو

عشوہ و ناز و ادا طعنے سے کہتے ہیں مجھے
ایک دل رکھتے ہو کس کس کو دیا چاہتے ہو

گردن میر پہ خنجر کو ہنسی سے رکھنا
واں تجھے کھیل ہے یاں کام ہوا جاتا ہے
وصل جاں سوز سے پروانے کو کیا ہوتا ہے
کم ہی ٹھنڈا کوئی قسمت کا جلا ہوتا ہے
دم تو لے تیغ تلے اے تپش دل تھم جا
دیکھ قاتل کا مرے دھیان بٹا جاتا ہے

یاس

منشی سید محمد ذاکر حسین خلف سید محمد علی مرحوم ۔ ابتدائے سن تمیز سے شعر کہتے ہیں ۔ شروع میں میر نواب مونس سے اصلاح لیتے رہے اب ایک عرصہ سے حضرت جلال با کمال کے ارادت مند ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کے تلامذہ میں درجہ امتیاز رکھتے ہیں ۔ ۵۰ برس کے قریب اب عمر ہے ۔ ان کے دو دیوان ہیں ۔

کاش الفاظ تسلی نہ سنائے جاتے
کر گئے اور بھی بے چین وہ جاتے جاتے
چھپ کے اس وجہ سے وہ آئے ہمارے دل میں
کیوں زمانے کی نگاہوں میں سمائے جاتے

کبھو کبھی جاتے ہوئے غیر کے گھر جاتا ہوں
دے گئے اور ٹھوکا مجھے جاتے جاتے[1]

تمام عمر گزاری ہے مے پرستی میں
کرے گا کوئی ہماری سی پارسائی کیا

لیا ہے ابھی میرا دل جس نگہ سے
اسی سے ذرا پھر ادھر دیکھ لینا

ہے اگر منظور اے دل تجھ کو الفت کا نباہ
آشنا ہونا کسی دہر آشنا کو دیکھ کر
لے نہ جاؤں گا میں ان کا زہد و تقویٰ چھین کے
شیخ گھبراتے ہیں کیوں مجھ بے نوا کو دیکھ کر

سمائی ہے کیا میرے دل میں الٰہی
بتوں کی محبت مسلماں ہو کر

فراموش اک جہاں ہو یاد تو ہو
مرا دل اور تیری آرزو ہو

دل کے چھن جانے کی ہوتی نہیں کچھ اس کو خبر
محو ہو جاتا ہے انساں وہ جمال ان کا ہے

پھیرے کرتا ہے کوچے قاتل کے
دیکھنا حوصلے مرے دل کے

۱ - مذاق سخن دہلی

اڑا لے گئیں دل نگاہیں کسی کی
نہ کام آئی کچھ پاسبانی ہماری

کھٹک رہی ہے یہ کانٹے کی طرح تن میں مرے
نکل نہی جائے کسی جان بیقرار مری

غضب ہے ابتدا ہی میں کسی سے
محبت ہو گئی ہے انتہا کی
اٹھا کر آنکھ جب دیکھا بتوں کو
نظر آنے لگی قدرت خدا کی

نہ نکالے کوئی میرے ارماں
ناز پروردہ ہیں میرے دل کے
اشک نکلے نہیں خوشی میں مرے
حسرتیں روئی ہیں گلے مل کے

یاس

منشی عبدالمجید صاحب منصرم قانون گو سلطان پور علاقہ مہوریجہ کپور تھلہ ۔ مولانا شوکت میرٹھی کے تلامذہ میں سے ہیں

دامن چھڑا کے ہاتھ سے میرے نکل گئے
بجلی تڑپ گئی دل مضطر کے سامنے
حسرت یہی رہی دل خانہ خراب کی
مدفن بنا نہ میرا ترے در کے سامنے

یسین

جناب محمد یسین صاحب ۔

عمر بھر خنجر قاتل کو دعائیں دیتے
چارہ گر منہ جو کھلے زخم جگر کے ہوتے

یاور

شیخ امداد علی یاور شاگرد مولوی محمد بخش شہید۔

حال بیمار محبت پہ نظر کچھ بھی نہیں
کیسے عیسیٰ ہو مریضوں کی خبر کچھ بھی نہیں
ہوں جو ہیں تیغ بکف وہ ہمیں ڈر کچھ بھی نہیں
رکھ لیا ہاتھ پہ جب سر تو خطر کچھ بھی نہیں
خود فراموش ہیں ہم یاد کسی کی کیسی
پوچھو بے خبروں سے کیا خیر خبر کچھ بھی نہیں
واہ اے آہ جگر سوز ترا کیا کہنا
دل جلانے کے سوا اور اثر کچھ بھی نہیں

دور سے آپ کا نظارہ جو کر لیتے ہیں
جام حسرت مے دیدار سے بھر لیتے ہیں
تیغ ابرو کا اگر کیجیے سودا ہم سے
اور تو کیا ہے مگر بیچ کے سر لیتے ہیں
چوکتے ہی نہیں وہ طعن زنی سے اپنی
نشانہ دل میں مرے آٹھ پہر لیتے ہیں
اک ذرہ چہرہ پرنور دکھا دو ان کو
کہ تجلی کی بہت شمس و قمر لیتے ہیں
گفتگو ان سے فرشتہ تو بھلا کر جائے
بڑے اچھوں کو وہ تقریر میں دھر لیتے ہیں
اتنی راحت بھی نہ چرخ نہ پائی ہم نے
جس قدر بیٹھ کے دم زیر شجر لیتے ہیں
کون ہوتا ہے برے وقت میں اپنا یاور
مرد جو ہیں وہ مصیبت میں خبر لیتے ہیں

باور

آغا شیخ باور علی صاحب تلمیذ جلیل ۔

میرے دل میں زلف جاناں کا اترنا دیکھ لیں
وہ ہے لیلی کا تو یہ لیلی کے محمل کا جواب

باور

منشی باور علی متوطن کان پور وارد حال بریلی شاگرد جناب عزیز ۔

چارہ گر مجکو تہاں بھر خدا رہنے دے
لذت درد اٹھاتا ہوں دوا رہنے دے
آرزو ہے کہ میں فریاد کروں محشر میں
سر جھکا کر وہ کہے بھر خدا رہنے دے

یہ مصرعہ ہے شمع لگن کی زباں پر
کٹے سر تو ہو نام روشن کسی کا
خدا کے لیے تیغ کیوں دیکھتے ہو
نہو جائے سر بار گردن کسی کا

حیا سیکھے کوئی اس فتنہ گر سے
رہے آنکھوں میں اور پردہ نظر سے
ہوئے جاتے ہیں طفل اشک ابتر
گرے جاتے ہیں یہ میری نظر سے

اک بت سفاک سے لے لے کے تعلیم ستم
روز رنگتا ہے شفق کے خوں سے چنگل آفتاب

ہیں گہر بالوں کے یا عقدِ ثریا اے پری
عارض تاباں ہے یا ہے زیر کاکل آفتاب

کعبہ دل میں غضب ہے کہ گزر کرتے ہیں
بت خدا کا بھی نہیں خوف و خطر کرتے ہیں
میری آنکھوں کا ذرا جوش تو دیکھو ابر بہار
بحر خوں دم میں رواں دیدۂ تر کرتے ہیں

یاور

محمد محسن خاں صاحب یاور مقیم کلکتہ شاگرد نزہت۔

ستم ایجادیاں ہولیں واں ترک
دل لگانے کا یاں مزا نہ رہا

یعقوب

محمد یعقوب خلف غلام حیدر باشندہ قلندر پور۔ ایک غزل نظر سے گزری وہ ضبط تحریر میں آئی اور کچھ حال ان کا معلوم نہیں ہوا۔

بوسۂ زلف صنم دوگے اگر شانے کو
ہوگا پھر زور جنوں آپ کے دیوانے کو
ساقیا بادہ سے بھر دے مرے پیمانے کو
رکھیے آباد الٰہی ترے میخانے کو
دے کے دل دوش پر جب چھوڑتے ہو زلف سیاہ
کیا کبھی اس دل بے تاب کے پھر آنے کو
کل تو کھنچے سے رقیبوں کے نکالا ہم کو
آج پھر آتے ہو یعقوب کے سمجھانے کو

یعقوب

منشی محمد یعقوب خان اجمیری شاگرد جناب داغ دہلوی ۔[1]

چاند سا منہ اس پہ طرہ زلف بل کھائی ہوئی
رک سکے کیوں کر طبیعت آپ پر آئی ہوئی
چلتی ہے رگ رگ کے گردن پر مری جو تیغِ ناز
یہ بھی شاید غیر کے فقروں میں ہے آئی ہوئی

یقین

انعام اللہ خان ۔ کلام موجود ۔ حالات موجود ۔ دیوان مطبوعہ ۔

یمین

محمد فاضل بریلوی ۔ حالات ندارد ۔ کلام موجود ۔ گلدستہ لطیف ۔

یقین

قاضی محمد یقین ۔ رئیس پلول ۔ کلام تین شعر ۔ حالات ندارد معرفت محمد ظفر ۔ وکیل گڑ گاؤں ۔

یکتا

جناب مولوی فتح محمد صاحب یکتا مرزا پوری از بمبئی ۔

رواں ہر دم یہ فقرہ ہے زبانِ تیغ قاتل پر
کہ دم میں سینکڑوں کو چل کے پہنچاتی ہوں منزل پر
درِ جاناں پہ ہوتے ہیں مرے قلب و تواں رخصت
دہائی ہے دہائی قافلہ لٹتا ہے منزل پر

۱ ۔ از دامن گلچیں

دمِ شوقِ شہادت فرطِ بے تابی سے سر میرا
کبھی تھا پائے قاتل پر کبھی شمشیر قاتل پر
ہوئی جب طاقتِ پرواز رخصت وائے ناکامی
مرے صیاد نے اس دم مرے کھولے بمشکل پر
نکل آئے تڑپ کر ساتھ دم کے سینکڑوں ارماں
چلا رک رک کے جب خنجر گلوئے نیم بسمل پر
نہ پوچھو جانِ جاں کس کس پہ اپنی جان دیتا ہوں
تمھارے گیسوؤں پر زلف پر رخسار پر تل پر
حقیقت کھل گئی جب ہم نے چشمِ غور سے دیکھا
وہی ہیں دل میں بھی قبضہ کئے بیٹھے ہیں جو دل پر
کسی پر پائے تیری بھی طبیعت آئے اے ظالم
تو ہو معلوم تجھ کو جو گزرتی ہے مرے دل پر
شبِ غم فرطِ بیتابی سے ہاتھوں کا یہ عالم تھا
کبھی دل سے کلیجے پر کلیجے سے کبھی دل پر
ہوا اس وقت بھی ترکِ ادب مجھ سے نہ اے یکتا
سرِ مقتل گرا کٹ کر مرا سر پائے قاتل پر

مائل ہیں جب سے ابروئے خم دارِ یار پر
دن زندگی کے کٹتے ہیں خنجر کی دھار پر
بلبل کے خوں سے ہے یہ کہاں لالہ زار پر
چھینٹیں پڑی ہیں دامنِ بادِ بہار پر
میں مان لوں تری مگر اے ناصحِ شفیق
قابو نہیں مرا دلِ بے اختیار پر
جب مر گیا ہوں حسرتِ دیدار میں تو وہ
نرگس کے پھول دھر گئے میرے مزار پر

کمسن بھی ہے حسین بھی ہے خوش ادا بھی ہے
یکتا مرے نہ کیسے کوئی اپنے یار پر

ہوں وہ بلبل جو ہوا یادِ چمن میں بے چین
بوئے گل آئی قفس میں مرے بہلانے کو
کیا تماشا ہے کہ خنجر سے ڈراتے ہیں انھیں
مستعد جو ہیں گلا کاٹ کے مر جانے کو
پاؤں ٹھہرے نہ کسی کے جو مرے ساقی نے
گردشیں دیں لگہ مست کے پیمانے کو
تجھ پر اللہ کی قدرت کی حقیقت کھل جائے
دیکھے زاہد جو مری آنکھوں سے بتخانے کو
سایۂ زلف سیہ دیکھ لیا ہے جب سے
اے پری ہوش نہیں ہے ترے دیوانے کو
اڑ کے پہنچے جو عدم میں تو ہوا یہ معلوم
آئے تھے گلشنِ ہستی میں ہوا کھانے کو
بڑھ کے ہر بت نے پکارا کہ کدھر اے یکتا
سوئے مسجد جو چلے چھوڑ کے بتخانے کو

یکتا

جناب نواب ہادی علی خاں صاحب لکھنوی ۔

خواہاں نہ گل کے ہیں نہ بہار چمن کے ہیں
عاشق ہزارہا مرے غنچہ دہن کے ہیں
اے روح جا کے قافلہ والوں سے پوچھنا
ملک عدم میں لوگ ہمارے وطن کے ہیں

مرتے نہیں ہیں ڈوب کے دل روسیاہ جو
سوتے کھلے ہوئے تری چاہ ذقن کے ہیں
یکتا کسی کی مالک نے دل گم نہیں کیا
سارے فریب زلف شکن در شکن کے ہیں[1]

یکتا

میر کاظم علی بریلوی شاگرد و برادر سید قاسم علی صاحب خواہاں۔

قیس و فرہاد کو کس دن ہوئی یہ بات نصیب
میں نے جب یاد کیا یار مرے گھر آیا
قتل بے جرم کیا عاشق دل خستہ کو
خوف اللہ کا تجھ کو نہ ستم گر آیا[2]

یکتا

خواجہ معین الدین خان دہلوی شاگرد میرزا نوشہ غالب۔ ابتدا میں حضرت احسان سے اصلاح لیتے تھے۔ ظریف طبع اور تیز فہم تھے۔ خطاب خانی سرکار شاہی سے انہیں ملا تھا۔ شعر ان کے اچھے ہیں۔

برسات میں کبھی ہے کہ یکتا نہ پی شراب
واعظ تجھے کچھ ابر و ہوا پر نظر نہیں

جینا فراق یار میں وعدے کی لاگ پر
آسان گر نہیں ہے تو دشوار بھی نہیں

۱۔ از بہار سخن۔
۲۔ از گلدستہ لطیف۔

مقتول تیغ رشک ہوئے صد ہزار حیف
کیا کیا نہ میرے دل میں شہادت کی چاہ تھی
میں نے جو زخم دل پہ نمکدان الٹ دیا
تحسیں کا شور بزم میں تھا واہ واہ تھی

یکتا

جناب اتقٰی حسن صاحب تلمیذ حضرت سلیم امروہوی ۔

وہ پیش خدا ڈر سے پریشان بہت ہیں
ہم داد طلب کر کے پشیمان بہت ہیں
رندوں میں چلے آئے تو ہو شیخ جی تنہا
اس کی بھی خبر ہے کہ یہ شیطان بہت ہیں
تصویر جو یوسف کی دکھائی تو وہ بولے
ایسے تو جہاں میں ابھی انسان بہت ہیں
ہاں اور کوئی وار ہو قاتل ترے قرباں
مقتول میں تیرے ابھی اوسان بہت ہیں[1]

یکرنگ

مصطفٰی خاں دہلوی ۔ شاگرد جان جاناں مظہر ۔ ایہام گو شاعر ہیں ۔ اگرچہ ہر گو ہیں لیکن زیادہ کلام فحش گوئی کا نمونہ ہے ۔ ایک ضخیم دیوان ان کی یادگار ہے چند اشعار نقل کیئے جاتے ہیں ۔

لب شیریں سے بے زبانوں کو
بولنا تلخ کام ہے تیرا

---

۱ ۔ از محبوب الکلام ۔

ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو
یہی گویا سلام ہے تیرا

حق کہے جو کوئی سو مارا جائے
راستی ہے گی دار کی صورت

محبت کا عجب یکرنگ ہے رنگ
کبھی عاشق کبھی محبوب ہیں ہم

اس پری پیکر کو مت انسان بوجھ
شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھ
برگ حنا اوپر لکھو احوالِ دلِ مرا
شاید کبھی تو جا لگے اس دلربا کے ہاتھ

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر خبر لینی ہے تو لے صیاد
ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

یوسف

منشی محمد یوسف صاحب حنفی مظفر پوری شاگرد وسیم ۔

کبھی نہ گرد کدورت کو دو جگہ دل میں
یہ آئینہ نہیں یوسف عتاب کے قابل

اللہ رے رہروان عدم کی سبک روی
ایسے گئے زمین پہ کہیں نقش پا نہیں

لطف کیا شمع صفت آگ میں جل جانے سے
سیکھ لے طور محبت کوئی پروانے سے
ٹوٹیں مسجد میں بھرے رکھے ہیں جو ظرفِ وضو
خشتِ خم تاک کے یوں پھینکیے میخانے سے

جگر جو چاک کیا دل کے بھی کرو ٹکڑے
حسینو نکلیں ابھی حسرتیں کہاں میری
لگا کے دل کو بتوں سے یہ پھل ملا یوسف
بہار باغ جوانی ہوئی خزاں میری

بتوں کے عشق میں زاہد مزے ہیں
ملے گا کیا تمھیں حوروں پہ مر کے
وہ کافر کم سنی ہی میں تھا فتنہ
قیامت کی ہے جوبن نے ابھر کے

یوسف

سید یوسف علی صاحب بریلوی[1] ۔

ہر شب ہجر کو رو رو کے سحر کرتے ہیں
کیا کریں عرض کہ کس طرح بسر کرتے ہیں
کب فرشتوں سے یہ ممکن ہے بھلا اے یوسف
عقل کے زور سے جو کام بشر کرتے ہیں

---

۱ ۔ از گلدستہ لطیف

اس لیے جاتا نہیں گور غریباں کو وہ شوخ
خاک کشتوں کی کہیں اڑ کر نہ دامن گیر ہو
میری حیرانی سے پیدا رنگ حیرت ہو تمہیں
اک ادھر تصویر ہو اور اک ادھر تصویر ہو

تمہیں تو کہتے ہو ہوتا ہے ہر بشر سے قصور
برا نہ مانئے ہم سے اگر خطا ہو جائے
بلا سے جان مری جائے آپ وار کریں
تمہارا پورا تو اے جان حوصلا ہو جائے

کسے گوارہ ہے تکلیف تیغ قاتل کی
الٰہی کام ادا سے مرا ادا ہو جائے
لگاؤ آنکھ میں سرمہ تو وہ کٹار بنیں
جو دیکھو نیم نگہ سے تو نیمچہ ہو جائے

اٹھائے تو بھی مزے خمکدے کے اے زاہد
جو دخت رز کبھی تیری بھی آشنا ہو جائے
حصول کچھ نہیں شعر و سخن سے اے یوسف
سوائے اس کے کہ دم بھر کا مشغلہ ہو جائے

وہ چتون کہاں ہے وہ شوخی کہاں
نظر کو تمہاری نظر ہو گئی
مجھے خود تو اپنی خبر تک نہیں
تمہیں میری کیوں کر خبر ہو گئی

لکھا مجھ کو مجنوں نے میر جنوں
یہ وحشت مری نامور ہو گئی

نہ بتکدے میں نہ مسجد نہ خانقاہ میں ہے
وہ پاس تیرے ہے ناحق تو اشتباہ میں ہے
جو گنج چاہے تو گھبرا نہ رنج سے ہرگز
کہ آبِ حیواں اسی چشمہ سیاہ میں ہے

ہو محکمہ سے محبت کے دیکھیے کیا حکم
کہ عرض داشت مری غم کی پیش گاہ میں ہے

ہاں موت کے تو آنے میں وقفہ ذرا نہیں
لیکن نہیں امید کہ دلدار آئے گا

یوسف

سید یوسف حسین خاں خلف نواب امتیاز الدلہ حیدر حسین خاں بسالت جنگ رئیس لکھنؤ

پڑا مدت سے تھا سنسان میرے دل کا کاشانہ
سوا غم کے اسے آ کر کوئی آباد کیا کرتا
رکھا بے حس ہمیشہ مجھ کر میری ناتوانی نے
برنگ طائر تصویر میں فریاد کیا کرتا

نہ پوچھی بات نہ دیکھا نظر اٹھا کے مجھے
سلوک خوب کیا بزم میں بلا کے مجھے

چمن میں طائر نو کی طرح رہا برباد
چلا جدھر کو ہوا لے چلی اُڑا کے مجھے
میں اس سے خاک کہوں حال دل نگاہوں میں
جو دیکھتا ہی نہیں ہے نظر اٹھا کے مجھے

قاصد یہی اس ترک کے کوچہ کا پتا ہے
بے کھائے ہوئے زخم ہر اک لوٹ رہا ہے
کچھ دم کا بھروسہ نہیں آیا کہ نہ آیا
تن مثل حباب لب جو نقش فنا ہے

کمر سے یار کی دیتا مثال کیا کوئی
زیادہ تار نظر سے یہ جسم زار نہ تھا
ہمارے رونے سے دل صاف ہوگیا ان کا
ہوئی جو بارش باراں تو پھر غبار نہ تھا

طور پر جب کہ یکایک وہ پری زاد آیا
خاص بندوں نے وہ دیکھا تو خدا یاد آیا
پر کٹے قید ہوئے زور گھٹا ضعف بڑھا
رحم تجھ کو نہ کسی حال میں صیاد آیا
دے کے دل بھول گیا میں تو وہ لے کر بھولا
نہ مجھے یاد رہا پھر نہ اسے یاد آیا

سرخی جو تھی عذار پر اُن کے وہ اب کہاں
جو حسن اگلے سال تھا اب کے برس نہیں

کیا پوچھتے ہو وادی غربت کی سختیاں
پاؤں کے خار سر سے لگتے ہیں راہ میں[1]
وہ لو کھنچے ہی رہتے ہیں ان کا ہے ذکر کیا
تلوار تک گلے نہ ملی قتل گاہ میں

نہ کیوں ہوس ہو پس مرگ کوئے جاناں کی
وہی زمیں ہے ہمارے مزار کے قابل

سرا میں جیسے مسافر ہوں یوں ہے جسم میں روح
نہیں حیات بشر اعتبار کے قابل

ہوا دفن اس کے کوچہ میں ملا دل حوض کوثر پر
خدا کی شان یہ کشتی کہیں ڈوبی کہیں نکلی
دل کیا کہیے کہ دام میں کس راہزن کے ہیں
قصے طویل زلف شکن در شکن کے ہیں
دست جنوں چڑھائے رہے آستیں کو
دو چار تار اور ابھی پیرہن کے ہیں
پانی نہ کس طرح سے بھریں تیری چاہ کا
یوسف بھی تشنہ لب ترے چاہ ذقن کے ہیں
اے زلف مشک فام تری اف ری گرمیاں
منہ خشک نافہ ہائے غزال ختن کے ہیں

---

[1] دامن کھینچیں

یوسف

منشی یوسف علی خان ۔ مقیم حیدر آباد تلمیذ جناب عصر ۔

جھگڑے میں حسن و عشق کے لا کر پھنسا دیا
خالہ خراب ہو دل بے اختیار کا
یوسف شباب ہے مئے گلگوں لنڈھاؤ خوب
دیکھو نہ جائے ہاتھ سے موسم بہار کا

رند جتنے تھے وہ سب ہوگئے جنت والے
منہ کو تکتے ہی رہے سارے عبادت والے
پھیر گردن پہ چھری اُف نہ کریں گے قاتل
تیغ سے بھی کہیں ڈرتے ہیں شہادت والے

یوسف

مولوی یوسف علی ابن مولوی یعقوب علی متوطن گوپا مئو اودھ ۔ سکندر بیگم کے عہد میں اپنے وطن سے آ کر بھوپال میں ناظم ہوئے ۔ اب عہدہ صدر الصدوری ریاست سے مفتخر ہیں فارسی میں بھی شعر کہتے ہیں ۔ یہ چند اشعار ان کے ہیں ۔

یہ سر گرم محبت دل ہوا اک شمع محفل سے
سراپا اشک ہو کر بہہ گیا میں سوزش دل سے
مگر جوش بہار امسال ہے ہر سال سے زائد
پھٹے جاتے ہیں پردے کان کے شور عنادل سے

دریدہ کیوں نہ ہوتا دامن یوسف کہ غالب تھی
زلیخا کی محبت پر محبت قید خانے کی

یوسف

صاحبزادہ یوسف علی صاحب خادم درگاہ قطب الدین بختیار کاکی ۔

ہوئی حسرت رات جب آخر ہوئی
انتظار یار اب بیکار ہے
دل لگی کا کچھ مزا اے دل ملا
اب بھی امید وصال یار ہے

یوسف

خواجہ محمد یوسف لکھنوی ۔ وکیل ۔ کلام موجود ۔ حالات ندارد ۔ محبوب الکلام ۔

یوسف

نواب یوسف حسین خان طباطبائی لکھنوی شاگرد اسیر مرحوم ۔ کلام ایک شعر حالات ندارد ۔

ضمیمہ

شاداں

سید ظفر احمد خاں مرحوم المتخلص بہ شاداں خلف نواب سید غوث محمد خاں غوث دہلوی ۔ کم عمری ہی میں انتقال ہو گیا ۔ پندرہ سال سے اکیس سال تک کے کلام کا انتخاب ہدیہ ناظرین ہے :

الفتِ سید عالم میں جو مر جائیں گے
باغِ جنت میں وہ بے خوف و خطر جائیں گے

عشق میں آپ کے پائیں گے ارم کی جاگیر
دارِ دنیا سے جب اللہ کے گھر جائیں گے

کام آئیں گے قیامت میں ہمارے شاداں
جو عمل دارِ مکافات میں کر جائیں گے

غضب کا سوز ہے میری فغاں میں
نہ لگ جائے کہیں آگ آسماں میں

خموش ایسا ہوا اس گل کے آگے
زباں گویا نہ تھی میرے دہاں میں

میں ہی کچھ مضطر نہیں دیدارِ جاناں دیکھ کر
ہیں فرشتے بھی فدا روئے درخشاں دیکھ کر

زندگانی کا بھروسہ کچھ نہیں سچ ہے مثل
جاگ اٹھے جیسے کوئی خواب پریشاں دیکھ کر

رشکِ اعدا، دردِ فرقت سے ملی دل کو نجات
اے قضا یہ آج مجھ پر تیرا احساں ہو گیا
خانۂ دل مدتوں سے جو پڑا تھا بے چراغ
آج آخر اس میں روشن داغِ ہجراں ہو گیا

جو عشق میں گزرنی تھی ہم پر گزر گئی
تو اے قضا بتا کہ کہاں جا کے مر گئی
برقِ نگاہِ ناز جو دل میں اتر گئی
دم بھر میں ہائے لاکھ کا گھر خاک کر گئی

کیا بتائیں کہ ترے عشق میں کیا کرتے ہیں
روز و شب روتے ہیں اور آہ و بکا کرتے ہیں
جب چڑھا دار پہ منصور تو یہ آئی صدا
بھید اپنا کہیں غیروں سے کہا کرتے ہیں

اکیلے سامنا کرتے ہیں ہم مژگاں کی پلٹن کا
نشانہ بن رہا ہے دل نگاہِ ناوک افگن کا
مصیبت پر مصیبت ہے نیا ظلم و ستم ہر دم
تمہارے امتحاں کو دل کہاں سے لاؤں آہن کا
مطیعِ سالکانِ منزلِ عرفاں ہو کر شاداں
کبھی قابو چلے ہرگز نہ تجھ پر نفسِ رہزن کا

وہ نورِ پرانوارِ رخِ احمد مرسل
آنکھوں میں ، کلیجے میں مری جاں میں رہے گا
یا شاہِ امم جلد مدینے میں بلا لو
شاداں نہ کبھی ہند سے ویرلں میں رہے گا

آگے آگے مری میت کے تمنائیں چلیں
ہو لیا قافلہ پیچھے مرے ارمانوں کا
اپنے مرنے کا نہیں غم مگر اتنا غم ہے
ایک ارمان ہوں ماں باپ کے ارمانوں کا

ہے ترک ادب دل کے جو داغوں کو مٹا دیں
مسجد کے چراغوں کو بجھایا نہیں کرتے
شاداں کبھی دنیا کی طرف دل نہ لگانا
دنیا سے جو جاتے ہیں وہ آیا نہیں کرتے

تعلیقات

تعلیقات

- فاخر۔ (میر چھینگا) اکثر تذکروں میں مرزا جھینگا قوم مغل لکھا ہے۔
- فاخر (منشی محمد فاخر حسین) پسر منشی احتشام الدین سہسوانی۔ ابتدا میں بڑے بھائی انوار حسین تسلیم سے اصلاح لی بعد میں منیر شکوہ آبادی کے شاگرد ہوئے۔ ریختہ کے دو دیوان ہیں۔ دیوان ثانی ایک قافیہ ردیف میں تقریباً ایک ہزار غزل پر مشتمل ہے ''قانون شریعت محمدی" بھی ان کی تالیف ہے (سید نورالحسن خان۔ طور کلیم)۔
- فارغ (میاں فارغ شاہ) باشندہ بریلی مقیم خورجہ۔ (نساخ۔ سخن شعرا)۔
- فانی (محمد شوکت علی خان) بدایونی۔ ولادت ۱۳ دسمبر ۱۸۷۹ء۔ بی۔ اے ۱۹۰۱ء میں بریلی کالج سے اور ایل ایل۔ بی ۱۹۰۸ء میں علی گڑھ سے کرنے کے بعد ۱۹۳۲ء تک وکالت کی۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد نے سرپرستی فرمائی۔ ۱۹۳۲ء سے حیدرآباد دکن میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو وفات پائی۔ دیوان ۱۹۲۰ء میں طبع ہو چکا ہے۔ والد کا نام محمد شجاعت علی خان تھا۔ (عابد رضا بیدار۔ جدید غزل گو)۔
- فائز (مرزا محمد حسن) خلف مولوی ولایت علی ولایت۔ عربی فارسی اردو کے شاعر۔ اپنے والد کے شاگرد جو خاندان مصحفی سے تلمذ رکھتے تھے۔ دیوان طبع ہوچکا ہے۔ عمر ۶۲ برس (عبداللہ خان ضیغم۔ یادگار ضیغم قلمی)۔

- فخر (مولوی سبحان‌اللہ خان) ان کے ایک لڑکے رضوان‌اللہ یو ۔ پی ۔ مسلم لیگ کے صدر رہے ۔ دوسرے عرفان اللہ کراچی میں چیف انجنیئر تھے ۔
- فدا (مرزا محمد ولی‌الدین) ابو محمد سحر نے امیر مینائی کا شاگرد بتلایا ہے ۔
- فدا (منشی فدائی حسین وکیل) دیوان مطبوعہ نولکشور (مرتب فدا حسین وکیل علی گڑھ (بزم سخن) ۔
- فدا (فدا حسین خان) پسر ضیاالدین حسین خان عرف آغا مرزا قوم مغل پہلے ممنون پھر مصحفی کے شاگرد ہوئے (طور کلیم) ۔
- فدا (مرزا بلند بخت) دہلوی ۔ خلف شہزادہ مکرم بخت بہادر ۔ شاگرد صہبائی (نساخ ۔ سخن شعرا) ۔
- فدا (مرزا سکندر بخت) خلف مرزا منور بخت نبیرہ شاہ عالم بادشاہ شاگرد مرزا پیارے رفعت (نساخ ۔ سخن شعرا) ۔
- فدا (شیخ محمود علی) شاگرد امیر مینائی ۔ سجادہ نشین حضرت مخدوم خاصہ خدا ۔ شاہ ممتاز علی آہ کے حقیقی ماموں ۔ کلام تلف ہو گیا ۔ ولادت ۱۲۶۶ھ ۔ وفات ۱۳۱۱ھ (شاہ ممتاز علی آہ امیر مینائی) ۔ لکھنو ۱۹۴۱ عمر ۵۰ سال ۔ جوڈیشل رام پور کے پیشکار ۔ حافظ قرآن (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- فدوی (مرزا محمد علی) وفات قبل از ۱۲۱۵ھ ۔ دیوان دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے ۔
- فدوی (منشی مکند لال) غالباً فدوی لاہوری ۔ پچاس سال کی عمر میں ۱۱۸۵ھ کے بعد مراد آباد میں وفات ہوئی یہ تو مسلم نہیں بلکہ قوم کے مغل تھے ، سودا سے ہجو بازی ہوئی ۔ (شیخ غلام محی‌الدین عشق و مبتلا میرٹھی۔ طبقات سخن) (شرف‌الدین احمد مسرور ، تذکرہ اردو)

- فراغ (مرزا یسین بیگ) باشندہ میرٹھ شاگرد ذوق و داغ و قلق (نساخ) ۔
- فراغ (سید مہدی حسن) ابن میر طالب علی خان لکھنوی ۔ انشا کے عزیزوں میں سے تھے۔ بیتاب کے شاگرد ۔ مرزا رفیع الدین حیدر عرف منا جان کے استاد ۔ (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- فراق (حکیم ثناءاللہ) دہلوی ۔ خواجہ میر درد سے تلمذ تھا ۔ برادر زادہ ہدایت اللہ خان ہدایت ۔ ۱۲۴۸ھ سے چند سال قبل انتقال ہوا ۔ دیوان کے قلمی نسخے انجمن ترقی اردو کراچی اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں ۔
- فراق (خواجہ بہادر حسین) ولد مرزا جان اٹکی متوطن لکھنو ۔ خواجہ ارشد علی خان قلق لکھنوی کے والد ۱۲۶۹ھ تک بقید حیات تھے (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- فرحاں (میر مہربان علی) ولد میر بہادر علی بریلوی ۔ شاگرد آتش و شہیدی و امیرالدین آزاد ۔ وفات ۱۳۱۱ھ (یادگار ضیغم قامی) ۔
- فرحت (محمود علی خان) خلف نصراللہ خان وصال (نساخ) ۔
- فرحت (شیخ حسین علی) شاگرد مرزا نیاز علی بیگ نکہت ۔ دہلی کے رہنے والے تھے ۔ میرٹھ سے ہفتہ وار اخبار "ظریف الہند" یکم جنوری ۱۸۸٦ء کو جاری ہوا ۔ فرحت اس کے ایڈیٹر تھے ۔ تاریخ صحافت اردو (جلد سوم) مولانا امداد صابری ۔
- فرحت محمد حسین) متوطن بریلی اپنے والد کے شاگرد ۔ وفات ۱۳۰۱ھ (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- فرحت (شیخ فرحت اللہ) ولد شیخ اسد اللہ ۔ بہادر علی خان داروغہ ناظم بنگال کے رفیقوں میں تھے ۔ ولادت ۔ سکونت و وفات فرخ آباد (یادگار

ضیغم قلمی) وفات مرشد آباد (بزم سخن) وفات ۱۱۹۱ھ (نساخ) وفات ۱۱۹۳ھ (مسرت افزا) صاحب دیوان تھے ۔

- فرخ (نواب سرامیرالدین احمد) نواب آف لوہارو ۔ ۲۶ دسمبر ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے ۔ ان کے والد نواب علاءالدین احمد علائی غالب کے شاگرد تھے ۔ فرخ مرزا اپنی وضع کے بہت لائق بزرگ تھے ۔ ان کے اتالیقوں میں مولانا حالی اور پنڈت رتن ناتھ سرشار بھی شامل ہیں ۔ مگر وہ نہ صاحب تصنیف ہوئے نہ کوئی دیوان چھوڑا ۔ ۱۹ جنوری ۱۹۳۷ء کو وفات پائی مشہور شاعر نوابزادہ ۔ جمیل الدین عالی انہی کے صاحبزادے ہیں (مکاتیب جمیل الدین عالی بنام ڈاکٹر سیدمعین الرحمان غیر مطبوعہ) ۔

- فرخ (سید فرخ حسین) صاحب دیوان ۔

- فرخ (کرامت اللہ خان) ولد حفیظ اللہ خان باشندہ لکھنو (نساخ) ۔

- فرخ (غلام قادر) ولادت ۱۶ جولائی ۱۸۷۶ء مکیریاں ضلع گورداسپور سکونت امرتسر ۔ برق امرتسری کے شاگرد ۔ رسالہ "مزدا" رسالہ "انسان" اور دیگر رسائل کے مدیر رہے ۔ پیشہ کتابت ۔ متعدد کتب کے مصنف ۔ ۲۰ نومبر ۱۹۵۸ء کو لاہور میں وفات پائی ۔ (تاریخ صحافت اردو ۔ جلد چہارم ۔ امداد صابری) ۔

- فرد (وحیدالدین) ولد محسن خان یوسف زئی ۔ در بھنگہ ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے ۔شاگرد مصحفی ۔ (نساخ) ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ۔ کانپور میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں انتقال ہوا ۔

- فرقت (کریم بخش) دیوان مرتب ہو چکا ۔ سفر کا بہت شوق تھا ۔ ۱۳۰۲ھ میں بقید حیات تھے ۔

- فروغ (مرزا قیصر بخت) متوطن دہلی ۔ مقیم بنارس ۔ والد کے شاگرد ۔ دربار آصفیہ سے پنشن ملتی تھی ۔ ۱۲۰۳ھ میں حمیر پور میں ڈپٹی

انسپکٹر مدارس تھے۔ ۱۳۱۱ھ میں بعمر ۵۰ سال وفات پائی (یادگار ضیغم قلمی)۔

- فروغ (کنور بدری کشن) ساکن سکندرآباد۔ تفتہ کے رشتہ دار۔ "گیتا منظوم" لکھی۔ فوٹو گرافی کرتے تھے۔
- فروغ (سید امیر حسن) خلف داروغہ میر واجد علی تسخیر۔ معزز خاندان سے تعلق تھا۔ بادشاہ علی بقا خلف صبا کے شاگرد۔ ضیغم کے دوست۔ ۱۲۶۸ھ اور ۱۲۷۳ھ کے درمیان ولادت۔ ضیغم نے ۵۰ برس کی عمر لکھی ہے (یادگار ضیغم قلمی)۔
- فروغ (محمد عبدالرحمان خان) پسر احمد شیر خان۔ بزرگوں کا وطن پشاور۔ پانچ پشت سے پیلی بھیت میں مقیم تھے۔ ۱۳۰۴ھ میں کورٹ انسپکٹر۔ ۶۸ برس کی عمر تک حیات تھے۔
- فریاد (قاضی احتشام الدین) ابن قاضی علیم الدین۔ امرائے مرادآباد سے تھے۔ ۵۷ برس کی عمر میں حیات تھے کافی عرصہ مدراس میں رہے۔ ۱۸۸۴ء میں مذہبی اخبار "مظہرالاسلام" اور دوسرا اخبار "نظام الملک" جاری کیا مصنف "نصیحتہ الشیعہ" و دیگر کتب۔
- فسون (مرزا منجھلے) خلف میرزا کریم بخش نواسہ ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی (نساخ)۔
- فصاحت (سید عباس حسن) سید حسن لطافت کے شاگرد۔ ولادت ۲ شعبان ۱۲۷۳ھ۔ وفات ۲ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ بمقام کربلا۔ دیوان بے مثال عرف آثار خیال بار اول ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا ضیغم نے ۵۶ برس عمر لکھی ہے۔
- فصیح (مرزا جعفر علی) مرثیہ گو ولد مرزا ہادی علی لکھنوی۔ ۱۲۶۹ھ میں مکہ معظمہ میں تھے۔ وہیں ۱۲۷۳ھ کے غدر کے بعد وفات پائی۔ ان کے پوتے مرزا عاشق حسین بزم تھے (یادگار ضیغم قلمی)۔

- فصیح (منشی کنور بہادر) سریواستو ۔ شاگرد حکیم مرزا فدا احمد دانش ۱۹۱۸ء میں بعالم ضعیفی انتقال کیا ۔
- فضل (فضل مولا خاں) لکھنوی ۔ مصاحب نواب مرشد آباد ۔ جوانی میں وفات پا گئے (نساخ) ۔
- سید فضل مولیٰ خان لکھنوی ۔ اکبر شاہ ثانی سے وحیدالعصر ممتازالزمن خطاب پایا ۔ قاضی اختر کے دوستوں میں تھے ۔ گوالیار اور کلکتہ میں دونوں ساتھ رہے (مظفر حسین صبا ۔ تذکرہ روز روشن)
- فغاں (سکندر علی) باشندہ دہلی ۔ اردو فارسی کے شاعر ۔ شاگرد ذوق ۔ ۱۳۰۳ھ میں الکول بھوانی ضلع حصار میں مدرس تھے (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- فغاں (اشرف علی خاں) ابن مرزا علی خان ۔ وطن دہلی کوکا احمد شاہ بادشاہ مقیم عظیم آباد ۔ شاگرد علی قلی خان ندیم ۔ قلمی دیوان ذخیرہ کیفی میں موجود ہے ۔ ۱۹۵۰ء میں شائع بھی ہو چکا ہے ۔ وفات ۱۱۸۶ھ میں ہوئی (نساخ و مرتب) ۔
- فقیر (میر شمس الدین) ولادت ۱۱۱۵ھ ۔ ماہر عروض و قوافی ۔ بعد حصول زیارت حرم شریف بوقت مراجعت ۱۸۳ (؟)ھ میں دریائے مسقط میں غرق ہوئے ۔
- فقیر (نواب الہ الدولہ) علاء الدولہ یمین الملک سید محی الدین خان خلف نواب اعظم الدولہ ۔ دیوان مطبع نولکشور سے طبع ہو چکا ہے (نساخ و مرتب) ۔
- فقیر (میر فقیر) میر فقیر اللہ دہلوی از شعرائے پایۂ تخت شاہ عالم بادشاہ (نساخ) ۔

- فقیر (شاہ عبدالرزاق) ابن سید دوست علی ۔ کرامت علی شہیدی کے شاگرد ۔ ۱۲۹۰ھ میں رام پور میں قیام تھا ۔ ۶۳ برس کی عمر تھی ۔ عرصہ ہوا انتقال ہو گیا (یادگار ضیغم قلمی) ۔

- فقیر (فتح علی خان) خلف خیرات علی خاں ۔ نواب ہادی داد خان بہادر کی اولاد میں سے ہیں (نساخ) ۔

- فکار (میر حسین) نبیرہ میر فقیراللہ فقیر ۔ شاگرد ممنون و غالب (نساخ ۔ سخن شعرا) ۔

- فوق (میر ولد حسین) خلف میر مولود علی فرخ آبادی ۔ مقیم لکھنو صاحب دیوان ہیں (نساخ) ۔

- فوق (محمد دین) فروری ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے ۔ مصنف کتب کثیرہ خصوصاً کشمیر کے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں ۔ پیسہ اخبار کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد نومبر ۱۹۰۱ء میں لاہور سے پندرہ روز اخبار ''پنجہ فولاد'' جاری کیا ۔ پہلے احسان شاہ جہانپوری اور پھر مرزا داغ کو کلام بغرض اصلاح دکھایا ۔ ۱۹۴۵ء میں وفات پائی ۔

- فوق (شیخ عبدالصمد) باشندہ میرٹھ ۔ شاگرد مظفر خان گرم (نساخ ۔ سخن شعرا) میرٹھ کے عمائد میں سے تھے پہلے ذوق سے مشورہ رہا ۔ ان کے بعد غالب کے شاگرد ہوئے (اردو معلی) ۔

- فہم (پنڈت سندر لال) مقیم کانپور (نساخ ۔ سخن شعرا) ۔

- فیاض (فیاض الدین) صاحب دیوان شاعر ہیں ۔

- فیروز (نامعلوم) حکیم فیروزالدین فیروز طغرائی ۔ ۱۸۸۲ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے ۔ ''مسیحا'' ''ایشیا'' ''وکیل'' اور کئی اخبارات و

رسائل میں کام کیا - ۸ فروری ۱۹۳۱ء کو امرتسر میں وفات پائی (مالک رام - تذکرہ معاصرین جلد سوم) -

- فیض (مولوی فیض الحسن) ولد حافظ خلیفہ علی بخش - سہارن پور میں ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے - مولانا فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدرالدین آزردہ سے تحصیل علم کی-شاعری میں امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے - حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید تھے - اپنے دور کے بہت بڑے عالم فاضل شمار کئے جاتے تھے - بہت سی کتابیں لکھیں - ۱۸۷۰ء میں اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت صدر شعبہ عربی تقرر ہوا - کالج کے رسالے کے ایڈیٹر بھی رہے - ملازمت کے دوران ہی ٦ فروری ۱۸۸۷ء کو لاہور میں انتقال ہوا - میت سہارن پور لے جائی گئی اور وہیں دفن ہوئے -
- فیض (ظفر یاب الدولہ) ظفر یاب الدولہ میر احسان علی خان بہادر باشندہ لکھنو ولد سید محمد تقی خان - صاحب دیوان ہیں (نساخ - سخن شعرا) -
- فیض (میر شمس الدین) ولد میر امیر الدین - ولادت حیدر آباد ۱۲۱۵ھ تلمیذ تاج الدین مشتاق شاگرد خواجہ میر درد - صاحب دیوان شاعر ہیں - ۱۳ رجب ۱۲۸۳ھ کو انتقال ہوا - حیدر آباد میں لال دروازے کے باہر مزار ہے - ڈاکٹر لئیق صلاح نے فیض پر پی - ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھا جو شائع ہو چکا ہے (حاشیہ مالک رام حاشیہ تلامذہ غالب) و (مرتب)
- فیض (حکیم نظام الدین) شاگرد اسیر - ۱۳۱۷ھ میں بنارس میں تھے (یادگار ضیغم قلمی)
- فیض (میر فیض علی) ۱۱۹۷ھ میں والد کے ساتھ لکھنؤ آئے - (یادگار ضیغم - قلمی) آصف الدولہ کی سرکار میں ملازم تھے -

- فیضی (نواب جعفر علی خان یادگار ضیغم قلمی) میں تخلص فیض لکھا ہے ۔ نواب علی عظیم خان غازی پوری کے خاندان سے اور راسخ کا شاگرد بتایا ہے ۔
- قمر (سراج الحق) مولانا امداد صابری نے ۱۹۶۳ء میں مراد آباد میں ان سے ملاقات کی تھی ۔ (تاریخ صحافت اردو جلد سوم)
- کاشف (سید محمد حسین) عرف شاہ مرزا ولد سید نادر حسین خان ۔ مختار الدولہ عمدۃ الملک سید باقر علی ہیبت جنگ کے پوتے ۔ سکونت لکھنؤ ۱۲۸۹ھ تک بقید حیات تھے (یادگار ضیغم ۔ قلمی)
- کامل (سید علی میاں) شاگرد علی اوسط رشک ۔ محمد آباد ضلع اعظم گڑھ وطن ۔ سکونت لکھنؤ ۔ ستر سال سے زیادہ عمر پائی ۔
- کامل (میر کمال الدین حسین) ۱۲۸۲ھ میں نواب کھمبالت کے میر منشی رہے ۔ قاضی سید حسین مخاطب بہ فخر الاسلام خان گجراتی کے شاگرد تھے (یادگار ضیغم ۔ قلمی)
- کامل (مرزا باقر علی خان) ولادت ۱۸۴۷ء کے قریب ۔ وفات مئی ۱۸۷۹ء (تلامذہ غالب) غالب کے شاگرد تھے (یادگار ضیغم ۔ قلمی)
- کاوش (محمد شاہ خان) ۵۶ برس کی عمر تک حیات تھے ۔
- کرم (مرزا مکھو) اکثر دمے کے مرض میں مبتلا رہے ۔ ذی الحجہ ۱۲۵۳ھ کو وفات پائی ۔ صاحب دیوان شاعر ہیں (یادگار ضیغم ۔ قلمی)
- کرم (شیخ غلام ضامن) متوطن گوپا مئو مضافات لکھنؤ ۔ بوڑھے ہو کر ۱۲۶۵ء میں بھوپال میں فوت ہوئے (یادگار ضیغم قلمی) وطن کوتانہ (بزم سخن و طور کلیم)
- کرم (راجہ بھگوان سہائے) حیدر آبادی ۔ جد اعلیٰ راجہ ساگرمل ۔ نواب آصف جاہ کے ہمراہ دہلی سے دکن آئے تھے ۔ سنی ہائی سکول

سے انٹرنس پاس کیا ۔ عمر ۴۰ برس ۔ شاگرد ظہیر الدین حسین خاں ظہیر دہلوی ۔ وفات ۱۳۲۶ھ (یادگار ضیغم قلمی)

● کشتہ (شیخ رحیم بخش) عمر ۵۷ برس (یادگار ضیغم قلمی)

● کفایت (صاحبزادہ کفایت اللہ خان) وفات ۲۵ صفر ۲۸-۱۰ھ

● کلیم (عبدالرحیم) پیشہ معلمی ۔ عمر ۴۲ برس ۔ لطافت ۔ حکیم ۔ خورشید ۔ جاوید اور مشتاق لکھنوی سے اصلاح لی اور ان پر اعتراضات بھی کئے (یادگار ضیغم ۔ قلمی)

● کلیم (شیخ محمد حسین) تذکرہ میر حسن کی ترتیب (۸۹-۱۱۸۸ھ) سے قبل وفات پائی ۔

● کمال (سید محمد مہدی) لکھنوی ۔ اپنے والد کے شاگرد تھے ۔ پہلے مہدی تخلص تھا ۔ سکونت رام پور ۔ وہیں ۲ فروری ۱۹۱۱ء/۲ صفر ۱۳۲۹ھ کو طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی ۔ عمر ۳۸ برس (یادگار ضیغم قلمی)

● کوثر (حکیم عابد علی) باشندہ خیر آباد ضلع سیتاپور ۔ پہلے اسیر اور پھر امیر کے شاگرد ۔ دمہ کے مرض سے ۱۸ فروری ۱۹۲۲ء کو انتقال ہوا ۔

● کوثر (مرزا مہندی علی خاں) اصلی وطن دہلی تھا ۔ (بزم سخن) ۔ ۱۲۷۰ھ تک حیات تھے ۔ غالباً ایام غدر میں وفات پائی (یادگار ضیغم قلمی) ۔

● کوکب (گنپت رائے) ابن ڈھنی کال رائے ۔ رئیس سلطان پور ضلع سہارن پور ۔ ۱۳۱۳ھ میں عمر ۵۵ برس شاگرد یاور علی یاور ۔ دیوان مرتب ہو چکا ہے ۔ عزاداری امام حسینؑ میں رباعیات نظم کرتے ہیں (یادگار ضیغم قلمی) ۔

- کوکب (تفضل حسین خان) ولادت ۱۲۵۰ھ ۔ وفات ۱۲۹۰ھ بعمر ۴۰ سال (تلامذہ غالب) ۔

- کوکب (محمد عبدالرحمان) ولادت سانبھر میں ۱۲۹۹ھ میں ہوئی ۔ والد کا اصل نام کریم بخش مگر منت کا نام میراں بخش تھا ۔ جے پور کی فوج میں صوبہ دار میجر رہے ۔ پولیس سب انسپکٹر کی حیثیت میں ۱۹۴۶ء میں پنشن لی ۔ مارچ ۱۹۵۰ء میں ترک سکونت کر کے پاکستان چلے آئے ۔ صاحب دیوان شاعر ہیں ۔ پہلی غزل ۱۹۰۰ء میں لکھی (شاغل تذکرہ شعرائے جے پور ۔)

- کیف (شیخ فضل احمد) ولد شیخ اکبر علی کشمیری ۔ گوشہ نشین ۔ تنہا رہتے تھے (یادگار ضیغم قلمی) ۔ صبا کے شاگرد اور صاحب دیوان تھے (نساخ) ۔

- کیف (پنڈت شیوناتھ) ولد پنڈت بیج ناتھ چک ۔ سہارنپور ۔ فیض آباد گونڈہ اور اناؤ میں تحصیل دار اور ڈپٹی کلکٹر رہے ۔ بعد میں جے پور کے دیوان رہے ۔ وفات ۱۹۱۳ء ۔ دیوان چھپ چکا ہے ۔

- کیفی (سید رضی الدین حسن) ولد سید نظام الدینؒ حسن احمد مولد و مسکن خاص حیدر آباد ۔ ولادت ۱۳ شعبان ۱۲۹۴ھ ۔ پہلے میکش تھالوی پھر داغ کے شاگرد ہوئے ۔ "صحیفہ" کے ایڈیٹر اور دارالترجمہ میں مصحح رہے ۔ ۵ رجب ۱۳۳۸ھ کو اجمیر شریف میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے (خواجہ حمید الدین شاہد ۔ حیدر آباد کے شاعر و امداد صابری ۔ تاریخ صحافت اردو جلد چہارم)

- کیفی (پنڈت برج موہن) حالات کے لیے عرض مرتب ملاحظہ فرمائیں ۔

- کیفی (مہابیر پرشاد) مولد و متوطن شاہ آباد ضلع ہردوئی ۔ (بہار سخن)

- کیفی (منیر الدین احمد) خلف میر ہدایت علی ۔ صاحب دیوان ار
و فارسی ۔ وفات ۱۲۸۹ھ بعمر ۵۰ سال (یادگار ضیغم قلمی)

- کیفی (منشی نور الدین) ولادت ۱۲۶۹ھ ۔ ۱۹۲۷ء میں حیات تھ
(تذکرہ مشاہیر کا کوری)

- کیفی (منشی چندر بھان) بزرگوں کا وطن تحصیل تجارہ ریاست الور تر
طبیعت رندانہ پائی ہے ۔ راجبس ہائی اسکول میں اور پنڈل ٹیچر ہی
(بہار سخن)

- گرم (محمد مظفر خان) آخر جمادی الثانی ۱۲۸۵ھ کو جے پور میں انت
ہوا (یادگار ضیغم ۔ قلمی)

- گلشن (دیوان رادھے ناتھ) ولادت ۳ جنوری ۱۸۷۷ء (بہار سخن)

- گوہر (نواب منور خان) صاحب دیوان شاعر تھے ۔

- گوہر (ذوالفقار علی خان) رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے بڑ
بھائی تھے ۔ (مرتب)

- گوہر (منشی گیندن لال) ۱۳۰۳ھ میں پیش کار تھے ۔ عمر ۷۰ ب
ہے (یادگار ضیغم ۔ قلمی) مجموعہ کلام نولکشور پریس سے شائع ہو
ہے (مرتب) ولد منشی رام دیال رسا ۔ مولد و متوطن بدایوں ۔ ا
وطن فرخ آباد تھا ۔ شاگرد سعادت بدایونی و شیو پرشاد کشتہ ۔ صاح
تصانیف تھے ۔ ۱۹۰۱ء میں انتقال ہوا ۔

- گویا (فقیر محمد خان) خلف بلند خان آفریدی ۔ وفات ۱۲۹۶ھ۔

- لطافت (سید حسن) ولادت لکھنو ۲ ذی قعدہ ۱۲۵۱ھ وفات ۲۱
الاولیٰ ۱۳۰۱ھ ۔ دیوان چھپ چکا ہے ۔

- لطف (میر لطف علی) لکھنوی وارد دہلی ۔

- لطف (مرزا علی لطف) ولادت ۱۱۶۸ھ کے قریب ہوئی ۔ بعض نے میر کا اور بعض نے سودا کا شاگرد بتایا ہے ۔ وفات بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں ہوئی ۔
- لطیف (نامعلوم الاسم) نیاز احمد خان ہوش بریلوی کے ایک شاگرد لطیف تخلص کا نام لطافت حسین خان ولد محمد حسین خان کنبوہی تھا ۔ بریلی کے رئیس تھے ۔ ۱۸۹۰ھ میں وفات پائی ۔ ممکن ہے یہ کلام ان صاحب کا ہو ۔ (مرتب)
- ناجی (محمد شاکر) وفات ۱۱۶۸ھ ۔ پیشہ سپاہ گری ۔ دیوان کا ایک قلمی نسخہ ایشاٹک سوسائٹی کلکتہ میں اور ایک پبلک لائبریری پٹیالہ میں ہے ۔
- نادان (امراؤ مرزا) ولد آغا مرزا شاغل عمر ۳۳ سال (یادگار ضیغم قلمی) برادر زادہ داغ ۔ وفات ۱۹۲۵ء (سخنوران دکن)
- نادر ۔ (کلب حسین خان) خلف مرزا کلب علی خان ۔ بعد پنشن فرخ آباد میں سکونت اختیار کی ۔ (یادگار ضیغم قلمی) وفات ۱۲۹۵ھ ۔
- نادر (محمد نادر علی خان) ۱۸۶۷ء کے قریب پیدا ہوئے ۔ وفات بمرض خناق ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ہوئی صاحب دیوان شاعر ہیں ۔ 'جذبات نادری' ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی ۔
- ناصر (سعادت خان) ۱۲۲۰-۱۲۲۱ھ کے قریب پیدا ہوئے اور ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۷ء اور ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء کے درمیان کسی سن میں انتقال کیا (مشفق خواجہ ۔ مقدمہ خوش معرکہ زیبا) تذکرہ خوش معرکہ زیبا انہی کی تالیف ہے ۔
- ناصر (سید ناصرالدین حیدر خان) لکھنوی ولد سید محمد نصیر عرف نواب جان ۔ نواب حسام‌الدین حیدر کے نواسے اور ناظر حسین مرزا کے

پھانسی تھے - ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد ان کے والد کو انگریزوں نے پھانسی دے دی - یہ خود بہت پریشان رہے - آخر مہاراجہ الور نے وظیفہ مقرر کر دیا - ۱۳۰۰ھ میں وفات پائی اور لکھنو میں دفن ہوئے -

- ناطق (سید سعید احمد) حیدر آباد میں مدت تک رہے - اکثر ناولوں کے مصنف - عمر چالیس برس (یادگار ضیغم قلمی) نیاز فتحپوری نے سن ولادت ۱۸۷۸ء لکھا ہے اور کہا ہے کہ اب تیس برس سے طبابت کر رہے ہیں ("نگار" ۱۹۴۱ء) - دیوان چھپ چکا ہے (جدید غزل گو)

- ناطق (شیخ احمد شاہ) ولد شیخ محمد شاہ باشندہ سکندر پور شاگرد مرزا عنایت علی ماہ - اکبر آباد کی عدالت دیوانی میں وکالت کرتے تھے (اساخ) -

- ناطق (سید ابوالحسن) ولد سید ظہورالدین حسن - وطن گلاوٹھی ضلع میرٹھ شاگرد داغ - ولادت ۱۱ اکتوبر ۱۸۸۶ء بمقام کامٹی - دارالعلوم دیوبند کے سند یافتہ - شاعری ۱۹۰۰ء میں شروع کی - عرصہ دراز تک بسلسلہ تجارت ناگپور میں مقیم رہے اور وہیں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ/ ۲۶ مئی ۱۹۶۹ء کو وفات پائی (جدید غزل گو)

- ناظر (چودھری خوشی محمد) خلف چودھری مولا داد خان ساکن ریا والا ضلع گوجرانوالہ ولادت ۱۸۷۲ء کے قریب ہوئی - ۱۸۹۳ء میں علی گڑھ سے بی - اے کیا - ریاست جموں و کشمیر میں منسٹر اور گورنر کے عہدوں پر فائز رہے - ان کی نظم "جوگی" اردو ادب میں ایک شاہکار حیثیت رکھتی ہے - اکتوبر ۱۹۴۴ء میں وفات پائی -

- ناظم (نواب یوسف علی خان) ولادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۳۱ھ/۵ مارچ ۱۸۱۶ء اور وفات ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ/۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء -

- ناظم (نواب محمد علی خاں) خلف نواب احسن الدولہ ۔ دیوان شاہد بزم سخن طبع ہو چکا ہے ۔ عمر تیس برس ۔ رشتے میں ضیغم کے نواسے تھے (یادگار ضیغم ۔ قلمی) ۔
- ناظم (میر عیوانے) کیمیا گر مشہور تھے (لساخ) ۔
- ناظم (منشی محمد شفیع) ولد منشی محمد نادر علی کنبوہ ۔ متوطن میرٹھ ۔ شاگرد حکیم غلام مولٰی قلق شاگرد مومن ۔ مرثیہ گوئی میں سجاد حسین عشیر شاگرد مشیر سے تلمذ ۔ صاحب تصانیف (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- ناظم (پنڈت کامتا پرشاد) ابن پنڈت بدری ناتھ (لساخ) ۔
- نامی (مرزا حسام الدین حیدر خاں) میر مستحسن خلیق کے شاگرد ۔ ۱۲۷۳ھ سے قبل وفات پائی (یادگار ضیغم قلمی) ۔ ان کا دیوان (قلمی) ذخیرہ کیفی میں موجود ہے ۔ بقول کریم الدین درمیان ۱۸۴۶ء کے فوت ہوئے ۔
- نثار (محمد امان) دیوان ضخیم طبع ہو چکا ہے ۔ ۱۲۲۰ھ میں موجود تھے (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- نثار (منشی سدا سکھ) خلف منشی سیتل پرشاد ۔ باشندہ دہلی ۔ صاحب دواوین اردو و فارسی و بھاکا (لساخ) ۔
- نثار (محمد پناہ خاں) میر محمد پناہ خاں ۔ شاہی منصب داروں میں گزرے ہیں ۔ موسیقی ۔ تکسیر اور طب میں اچھی دستگاہ تھی ۔ ۱۲۱۵ھ میں موجود تھے (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- نثار (میر عبدالرسول) منصب دار شاہی (لساخ) ۱۲۱۵ھ میں حیات تھے (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- نثار (محمد نثار حسین) ان کی دوکان پر اچھے اچھے شاعر اور ادیب جمع رہتے تھے ۔ عبدالحلیم شرر کا پہلا ناول "دلچسپ" انہوں نے شائع

کیا ۔ بعد میں دوسرے ناول بھی ۔ ۲ جنوری ۱۹۱۱ء کو وفات پائی (تاریخ صحافت اردو جلد سوم)

- نجم (انعام اللہ) خلف مولوی ولی اللہ ابن مولوی حبیب اللہ باشندہ لکھنو فرنگی محلی ۔ (نساخ) ۔
- نجم (نجم الدین احمد) خلف میر عنایت علی متوطن بریلی (نساخ) ۔
- نزہت (رفیع الدرجات) سید رفیع الدرجات ولد میر ضیا الدین عبرت ۔ رامپور ۔ وفات ۵ ربیع الاول ۱۲۶۵ھ (یادگار ضیغم ۔قلمی) ۔
- نساخ (عبدالغفور) ابو محمد عبدالغفور خان خالدی ولد قاضی فقیر محمد ابن قاضی محمد رضا ۔ ولادت ۱۲۴۹ھ بمقام کلکتہ ۔ وفات ۴ شوال ۱۳۰۶ھ/۱۴ جون ۱۸۸۹ء ۔ پہلے مہجور تخلص کرتے تھے ۔ صاحب تصانیف ۔
- نسیم (اصغر علی خان) ولادت ۱۲۱۴ھ ۔ دیوان "دفتر شنگرف" ۱۳۱۲ھ میں دہلی میں طبع ہوا (یادگار ضیغم قلمی)
- نسیم (دیا شنکر) ۱۲۲۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ بمرض ہیضہ ۱۲۶۱ھ میں انتقال ہوا (یادگار ضیغم قلمی)
- نسیم (شبیر حسین) صاحب دیوان شاعر ہیں ۔ دیوان کا انتخاب چھپ چکا ہے مالک رام نے سید شبیر حسن نام اور ۱۹۰۹ھ سال وفات لکھا ہے (تذکرہ معاصرین جلد چہارم ص ۲۲)
- نسیم (نسیم اللہ) حکیم مولوی نسیم اللہ خلف حکیم محمد علیم اللہ (نساخ) ۱۲۷۵ھ کے بعد وفات پائی (یادگار ضیغم قلمی)
- نسیم (راجہ کدارناتھ) شاگرد رنگین ۔ ۱۸۱۳ء یا ۱۸۱۴ء میں انتقال کیا ۔

- نسیم (نواب محمد حسین علی) ولد عبدالقادر قریشی بن محمد زاہد قریشی۔ ان کے دادا ٹیپو سلطان کے ہمشیرزادے تھے شاگرد فیض۔ ۱۳۰۳ھ میں ۵۵ برس کے تھے۔ تاریخ وفات غالباً ۲۳ اپریل ۱۸۸۸ء ہے (؟) دیوان نسیم ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں چھپ کر شائع ہوا۔
- نشاط (ہرگوبند سہائے) ولد منشی خوب چند (خوب لال ؟) شاگرد تفتہ و غالب۔ ولادت ۸ دسمبر ۱۸۲۸ء۔ وفات ۳ مئی ۱۸۹۱ء۔ اردو فارسی کا دیوان ''نشاط الاحباب'' جنوری ۱۸۷۷ء میں چھپا۔ اور کتب بھی تصنیف کیں۔
- نشاط (منشی ایشوری سنگھ) عرف بسنت سنگھ۔ کایستھ۔ باشندہ دہلی۔
- نصرت (یعقوب علی خان) عمر ۵۸ برس۔ صاحب دیوان ہیں (یادگار ضیغم۔ قلمی) ماہنامہ "نغمہ بہار" ۱۵ ستمبر ۱۸۸۶ء کو جاری ہوا تھا۔ نصرت اس کے مہتمم تھے۔ (تاریخ صحافت اردو جلد سوم)
- نصیر (نصیر الدین حسین) موضع نکرنہہ ضلع پٹنہ کے باشندے تھے۔ ان کے تین دیوان ہیں۔
- نصیر (شاہ نصیر الدین) ولادت ۱۱۷۰ - ۱۱۷۵ھ کے درمیان ہوئی۔ وفات ۲۵ شعبان ۱۲۵۴ھ (مقدمہ کلیات شاہ نصیر۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی)
- نطق (شیخ مقصود احمد) مسکن سیتا پور۔ شاگرد محمد رضا صبر۔ ان کے دو دیوان ہیں۔ وفات بعمر ستر برس ۱۲۸۵ھ ہیں ہوئی۔
- نظام (سید نظام شاہ) سید محمد زکریا شاہ عرف نظام شاہ۔ محلہ گھیر سخی رام پور۔ وفات ۲۶ شعبان ۱۲۸۹ھ بعمر پچاس سال۔ کلیات ۱۸۹۹ء میں طبع ہوا۔
- نظام (نواب غازی الدین) میر شہاب الدین خان معروف بہ غازی

الدین خان (یادگار ضیغم ۔ قلمی) ولادت دہلی ۔ وفات کالپی ۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۵۱ھ

- نظام و رعنا (محمد مردان علی خان) غالب کے شاگرد تھے ۔ اسیر سے بھی اصلاح لی ۔ کلیات نظام ۱۸۷۵ء میں چھپ چکا ہے ۔ مراد آباد وطن تھا ۔ ۱۸۵۷ء میں حسن ابدال (ضلع اٹک پنجاب) میں تحصیل دار تھے ۔ ۲ جون ۱۸۷۹ء کو بیٹھے بیٹھے سری نگر (کشمیر) میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے (تلامذہ غالب)

- نظام (سید نظام الدین) ۱۳۰۳ھ میں عمر ۶۲ برس (یادگار ضیغم ۔ قلمی)

- نظامی (منیر الدین احمد) مدت سے بمبئی میں سکونت ہے ۔ جہاں مدرسہ ہاشمیہ میں مدرس ہیں ۔ خود کو آفتاب الدولہ قلق لکھنوی کے قرابت داروں میں بیان کرتے ہیں (یادگار ضیغم قلمی)

- نظر (منشی نوبت رائے) وطن لکھنو ۔ سال ولادت ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء ۔ سال وفات ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء (فرہنگ عامرہ) ولد منشی الفت رائے ۔ ولادت ۱۸۶۶ء ۔ ۱۸۸۴ء میں آغا مظہر سے صلاح لینی شروع کی ۔ ستمبر ۱۸۹۶ء کو لکھنؤ سے ماہنامہ "خدنگ نظر" جاری کیا جو ۱۹۰۴ء تک شائع ہوتا رہا ۔ ۱۹۰۵ء میں "زمانہ" کانپور کے ایڈیٹر ہوگئے ۔ اس کے بعد متعدد اخبارات کے ایڈیٹر رہے ۔ ۱۰ اپریل ۱۹۲۳ء کو وفات پائی (ضمیمہ تاریخ ادب اردو۔ سکسینہ مترجمہ مرزا محمد عسکری و تاریخ صحافت اردو جلد سوم)

- نظم (سید علی حیدر) طباطبائی ۔ شارح دیوان غالب ۔ ڈاکٹر اشرف رفیع کا پی ۔ ایچ ۔ ڈی کا مقالہ "نظم طبا طبائی ۔ حیات اور کارناموں کا تنقیدی مطالعہ" شائع ہو چکا ہے ۔ صاحب دیوان مطبوعہ ۔ ولادت لکھنؤ ۱۲۶۹ھ ۔ نظام کالج میں تیس سال پروفیسر رہے ۔ وفات ۲۳ مئی ۱۹۳۳ء ۔

- نظیر (نظیر اکبر آبادی) ولی محمد نام۔ ولادت ۱۷۳۵ء وفات ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء بمقام آگرہ
- نعیم (نعیم اللہ) وفات ۱۱۸۵ھ بمقام کھتیر بمرض استسقا ۔ دیوان ضیغم مرتب ہوا (یادگار ضیغم قلمی) دیوان کا قلمی نسخہ کنگز کالج کیمرج میں ہے ۔
- نعیم (محمد نعیم الدین احمد) پسر حافظ رحیم الدین کاکوروی۔ شاگرد محسن کاکوروی ، ۱۳۰۳ھ میں عمر ۳۲ برس تھی ، (یادگار ضیغم ، قلمی) ۔
- نفیس (مولانا اشرف علی) ولد مولوی نجف علی بدایونی ، نواب خان بہادر باغی رئیس بریلی کی رفاقت میں رہ کر ۱۸۵۸ء میں بجرم بغاوت گولی سے شہید ہوئے ، شاگرد مولوی فضل رسول مست بدایونی۔ پھر ظہوراللہ خان نوا بدایونی سے اصلاح لی ، اردو فارسی عربی میں دیوان مرتب ہوا ۔ ایک تذکرہ موسومہ بہ ''انتخاب دہر'' بھی لکھا تھا ، (یادگار ضیغم قلمی) ۔
- نوا (ظہوراللہ خان) المخاطب بہ خوش فکر خان ولد دلیل اللہ صدیقی مسکن لکھنو ، بادشاہ نے سعدی ہند کا خطاب دیا ، وفات ۱۲۴۰ھ ، ضیغم نے سن وفات ۱۲۴۶ھ لکھا ہے ، (یادگار ضیغم قلمی) ۔ دیوان پٹنہ میں ہے ۔
- نواب (کلب علی خان) ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے ، ۱۲۸۱ھ میں نواب بنے اور ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی ، امیر مینائی کے شاگرد تھے ، چار دیوان اردو کے نشید خسروانی ، دستنبوری خاقانی ، درۃ الانتخاب اور توقیع سخن یادگار چھوڑے ۔
- نوازش (نوازش خان) خانف حسین علی خان ، ۱۲۵۵ھ میں حیات تھے ، شاید غدر میں یا اس سے قبل انتقال کیا (یادگار ضیغم قلمی) ۔

- نوح (محمد نوح) یکم شوال ۱۲۹۶ھ/۱۸ ستمبر ۱۸۷۹ء کو پیدا ہ
وطن ناره ، پہلے میر نجف علی سے اصلاح لی ، پھر امیر مینائی ، ج
لکھنوی اور داغ کے شاگرد رہے ، سفینہ نوح ، طوفان نوح و
کئی دیوان ہیں ، ۲۰۰ سے زاید شاگرد ہیں ، ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء
وفات پائی (جدید غزل گو ، عابد رضا بیدار) تفصیل کے لیے دیکھ
''نوح ناروی ، حیات اور شاعری'' از ظفرالاسلام ۔
- نور (میر وزیر) میر وزیر علی خلف میر بادشاہ لکھنوی شاگرد فتح الل
برق ۔ صاحب دیوان گزرے ہیں (نساخ) فتح پور میں دیوانی کے سرر
دار تھے ، دیوان ''ضیائے نور'' ۱۲۹۶ھ میں طبع ہوا (جواہر سخن
- نور حق (شاہ محمد جمیل) خلف خواجہ محمد جایل ، کسب باطن موا
قطب الدین خلف مولانا فخرالدین قدس سرہ و شاہ آل احمد و حض
محمد نصیر محمدی سے کیا تھا (نساخ) عربی و فارسی میں نااہل تھ
پہلے سرکار انگریزی میں ملازم رہے پھر مسند فخر کو زینت بخش
۱۲۸۲ھ سے قبل انتقال ہوا ۔
- نوشاد (راجہ محمد نوشاد علی خان) ان کی وفات کے بعد ان کا دیوان
کے برادر عم زاد راجہ محمد اعجاز رسول خان نے بڑے اہتمام سے
کروایا ۔
- نوشہ (نواب ذوالفقار بہادر) بمقام بالندہ ولادت ہوئی ، ۱۳۰۴ھ
عمر ۳۲ برس تھی اور اندور میں تھے (یادگار ضیغم قلمی) نوابان ا
علی بہادر کے خاندان سے تھے ۔
- نوشہ (نواب دولہ) نواب الدولہ جہانگیر محمد خان ، ۲۸ ذی
۱۲۶۰ھ/دسمبر ۱۸۴۴ میں وفات پائی ۔
- نہال (کنور چندی سہائے) ۱۳۰۳ھ میں آپ کی عمر ۴۶ برس تھ
(یادگار ضیغم قلمی)

- ولادت ۱۸۳۴ء - وفات ۱۹۱۰ء بعمر ۷۶ سال - (بہار سخن)
- نہال (عبدالخالق) تقسیم ملک کے بعد کراچی چلے آئے اور یہیں جنوری ۱۹۵۲ء میں وفات پائی -
- نیاز (شاہ نیاز احمد) شاہ نیار احمد سرہندی - جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ میں ستر برس کی عمر میں وفات پائی - دیوان چھپ چکا ہے -
- نیاز (نیاز احمد) ایڈیٹر ریاض الاخبار اور ؟ منشی ریاض احمد ریاض کے عزیزوں میں ہیں - ۱۳۰۳ھ میں عمر ۲۹ برس تھی (یادگار ضیغم قلمی) غالباً ریاض کے بھائی (مرتب)
- نیاز (محمد صحیح عالم) صبیح العالم قوم بنی اسرائیل - مفتیان سنبھل مراد آباد میں سے تھے - حافظ قرآن اور خوش تحریر تھے - ۱۲۱۴ھ میں کلکتہ کی طرف صاحبان انگریز کی رفاقت میں بخوبی زندگی بسر کرتے تھے (یادگار ضیغم قلمی)
- نیر (سید منور علی) عمر قریباً ۴۶ برس (یادگار ضیغم قلمی)
- نیر (فصیح اللہ خان) عمر قریباً ۵۰ برس - دیوان مرتب ہو چکا ہے - (یادگار ضیغم قلمی)
- نیر (سید احمد شفیع) پہلے فدا تخلص تھا - حکیم عنایت اللہ شوق فرید آبادی کے شاگرد - عمر تقریباً ۸۶ برس - شاگرد داغ (یادگار ضیغم قلمی) ۸ مارچ ۱۹۰۶ء کو وفات پائی - سید مطلبی اور سید ہاشمی فرید آبادی کے والد تھے -
- نیرنگ (سید غلام بھیک) ولادت ۱۸۷۶ء - پیشہ وکالت و سیاست - دورانہ ضلع انبالہ میں پیدا ہوئے تحریک خلافت میں حصہ لیا - ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے بلا مقابلہ رکن منتخب ہوئے - تقسیم کے بعد پاکستان آگئے - ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو وفات پائی - لاہور میں دفن ہیں -

- واجد (محمد عبدالواجد) خلف محمد عبدالعلی والہ - ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے - اپنے والد کے شاگرد ہیں - صاحب دیوان فارسی - کبھی کبھی اردو شعر کہتے ہیں - دیوان غالب کی شرح لکھی -
- واجد (شیخ عبدالواجد) شاگرد حکیم آغا جان عیش (بزم سخن)
- واسطی (سید فضل رسول) ولد حکیم سید عبدالشکور خان - ولادت ۱۹ جمادی الاول ۱۲۲۸ھ شاگرد اسیر تسہیل العلوم بھی آپ کی تصنیف ہے - غدر میں سال متاع لٹ گیا - ۲۷ - ۱۸ سال قبل وفات پائی (یادگار ضیغم قلمی)
- واصفی (سید محمد عبدالصمد) ولادت ۱۲۹۸ھ
- واقف (صاحبزادہ عبدالغفار خان) خلف صاحبزادہ عبدالعزیز خان خلف صاحبزادہ بخت بلند خان خلف نواب امیر خان مورث اعلیٰ ریاست ٹونک ، ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں عمر ۲۲ سال تھی ، (تاریخ ٹونک)
- واقف (واقف شاہ) (شاہ واقف) غالباً ایک ہی شاعر ہے ، (مرتب) ۱۲۰۹ھ کے پہلے ایک عرصہ تک فیض آباد میں رہ کر لکھنؤ میں انتقال کیا ، سخن شعرا (نساخ) میں معاصر سودا اور غازی پوری لکھا ہے مگر تصدیق نہیں ہو سکی (یادگار ضیغم ، قلمی)
- وجاہت (وجاہت حسین) ولد حکیم مولوی محمد مخدوم ، ۱۸۹۳ء میں مڈل پاس کیا - بہت سے رسائل اور اخبارات سے تعلق رہا ، ۱۹۰۳ء سے لاہور میں رہائش اختیار کر لی ، اکتوبر ۱۹۱۱ء میں اخبار زمیندار کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے ، بہت سی کتابیں لکھیں ، ۱۹۲۶ء میں انتقال ہوا - (تاریخ صحافت اردو ، جلد چہارم ، امداد صابری) -
- وحشت (رضا علی) پروفیسر اردو ، اسلامیہ کالج کلکتہ ، ۱۹۱۱ء میں دیوان شائع ہوا ، ۱۹۳۱ء میں خان بہادر کا خطاب ملا ، ۲۰ جولائی ۱۹۵۶ء کو وفات پائی ، (جدید غزل گو ، عابد رضا بیدار)

- وحشت (میر بہادر علی) لکھنوی ، نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم تھے ، ۱۲۰۸ھ سے قبل عالم شباب میں رحلت کی (یادگار ضیغم قلمی)

- وحشت (غلام علی خاں) ولد میر فرحت اللہ خاں ، داماد مولوی محمد رشیدالدین خاں دہلوی ، بنارس اور دہلی میں نشوونما پائی ، بلند شہر میں سکونت تھی ، (نساخ)

- وحشت (میر حبیب احمد) باشندہ دہلی (نساخ)

- وحشت (حافظ رشیدالنبی) ولد حبیب النبی رقت ، اولاد مجدد الف ثانی، مولد رام پور مسکن کلکتہ ہوگلی میں عہدہ جلیلہ افتا پر مامور تھے ، عربی فارسی اردو اشعار نہایت خوب کہتے تھے ، (نساخ)

- وحید (مولوی وحیدالدین) ولد مولوی امیرالدین عرف امیرات ، کڑہ (الہ آباد) کے رہنے والے تھے ، پہلے آتس اور پھر بشیراللہ بشیر مانک پوری سے اصلاح لی ، ولادت ۱۸۲۹ء میں ہوئی ۱۳۰۳ھ میں الہ آباد میں موجود تھے اس کے چند سال بعد ۱۸۹۲ء/۱۳۰۹ھ میں مکان کو آگ لگ گئی ، دیوان کا خیال آیا ، نکالنے گئے تو جھلس گئے دیوان بچ گیا مگر خود انتقال کر گئے ۔ سنا ہے کسی کے پاس ضیغم دیوان موجود ہے ، دیوان کا انتخاب چھپ چکا ہے (یادگار ضیغم قلمی ، تلامذہ غالب)

- وحید (منشی سرفراز علی خاں) ولدسر بلند خاں باشندہ سالار شیونی توابع نرسنگھ پور دکن مقیم قصبہ موہان متعلق لکھنو ، ان سے ۱۸۵۷ء میں کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی ، صاحب دیوان ہیں (نساخ) ۱۸۵۷ھ میں کلکتہ گئے ، چندے مقیم رہے پھر واپس چلے آئے ۱۲۹۵ھ میں موجود تھے (یادگار ضیغم قلمی)

- وحید (سید ہادی علی) ولد میر مہر علی انس ، مولد و مسکن لکھنو ، ۱۳۰۶ھ میں بعمر ۵۰ سال انتقال کیا تین جلدیں مرثیہ و سلام کی یادگار ہیں (یادگار ضیغم قلمی)

- وزیر (خواجہ محمد وزیر) پسر خواجہ محمد فقیر ، پہلے آتش کے اور بعد میں ناسخ کے شاگرد ہوئے ، ۱۲۶۳ھ میں دیوان "دفتر فصاحت" مرتب ہو کر ۱۲۷۲ھ میں کانپور میں چھپا ، ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ کو وفات پائی

- وزیر (وزیر علی خان) بعمر ۴۲ سال ۱۲۸۶ھ میں رحلت کی (یادگار ضیغم قلمی)

- وزیر (نواب آصف یاورالملک) صاحبزادہ نواب میر وزیر علی خان برقرار جنگ آصف، یاورالدولہ۔ آصف یاورالملک ولادت ۱۲۶۸ھ وفات ۱۳۳۹ھ تلمیذ میر احمد علی عصر شاگرد شمس‌الدین فیض (مرقع سخن) قلمی دیوان ''چمنستان سخن'' موجود ہے (مرتب) خلف نواب بابر جنگ نبیرہ صمصام‌الملک فیض کے شاگرد ، نواب افضل‌الدولہ والئے دکن کے داماد عمر ۶۵ برس ہو گی ، (یادگار ضیغم قلمی)

- وسعت (مستقیم خان) ابن محمد نور خان رام پوری ضیاالدین اور قدرت‌اللہ شوق کے شاگرد (یادگار ضیغم قلمی) وفات ۱۲۴۶ھ بعمر ۶۸ سال (تاریخ لطیف)

- وسیم (سید محمد عسکری) ولد سید محمد مہدی غمگین ترمذی خیرآبادی غدر سے قبل پیدا ہوئے خود کہتے تھے کہ ۱۸۵۷ء میں شعور کو پہنچ چکے تھے ، ایک عرصہ تک پنجاب میں سرکار کی ملازمت کی مگر کسی ناخوشگوار واقعہ کی بنا پر ملازمت ترک کر دی ، امیر مینائی کے علاوہ مصطفیٰ حسین راسخ سے بھی اصلاح لی ، امیراللغات اور نوراللغات کی تدوین میں شریک رہے، گورکھپور میں مولوی سبحان‌اللہ

خان کے کتب خانے کے نگران رہے (بعد میں یہ کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو دے دیا گیا) لکھنؤ سے ماہنامہ گلدستہ "گل چیں" جاری ہوا تو وسیم اس کے مرتب و مہتمم تھے، وسیم، ریاض خیر آبادی کے بہنوئی تھے (بھائی نہیں تھے)، ۷ مارچ ۱۹۲۹ء/۲۴ رمضان ۱۳۴۷ھ کو خیر آباد میں وفات پائی، مسجد عسکری میاں کے صحن میں دفن ہوئے، بڑے بیٹے امیر احمد انیم (متوفی ۱۹۷۲ء) اور چھوٹے خلیل احمد شمیم (متوفی ۱۹۵۲) تھے قومی آواز مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ میں مونس خیر آبادی کا مضمون، تذکرہ معاصرین جلد دوم، مالک رام - (رندپارسا - رئیس احمد جعفری)

- وصال (مرزا مرتضیٰ حسین) ولد علی مرزا لکھنوی، وفات ۱۳۲۱ھ میں ہوئی (یادگار ضیغم قلمی)

- وصال (حکیم نصراللہ خان) اپنے والد کے شاگرد، حدیث وفقہ میں شاہ رفیع الدین سے تلمذ تھا، ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا) یادگار ضیغم، قلمی)

- وصل (میر کرار حسین) ابن میر رحم علی خوشنویس متوطن چھبرا مئو ضلع فرخ آباد، طاہر علی طاہر فرخ آبادی کے شاگرد تھے، دیوان مرتب ہو چکا ہے، ۱۳۰۴ھ میں محکمہ کلکٹری فرخ آباد میں مختار تھے (نساخ یادگار ضیغم قلمی)

- وفا (حکیم عبدالہادی خان) ابن یعقوب خاں، امیر کے علاوہ داغ سے بھی اصلاح لی، ولادت رام پور میں ۱۲۸۲ھ کے قریب ہوئی، انتقال ۱۳۳۴ھ میں رام پور میں ہوا انتخاب کلمات ۱۹۱۹ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا، ضیغم کلیات ان کے صاحبزادے عبدالواحد خان عرف رکھن میاں کے پاس موجود ہے (اردوئے معلٰی مارچ ۱۹۲۵ء)

- وفا (نواب محمد عمر خان) خلف نواب برق الدولہ بہادر

- وفا (لول رائے) وفات ۱۱۹۳ھ ، اردو فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ،
- وفا (حیدر علی) میر حیدر علی باشندہ دہلی مقیم امرت سر (نساخ)
- وفا (مرزا دارا بخت) نبیرہ شاہ عالم بادشاہ شاگرد عبدالرحمان خان احسان (نساخ)
- وفا (مولوی محمد فصیح اللہ) ولد مولوی عظیم اللہ لکھنوی فرنگی محلی ، صاحب دیوان و مثنوی خزانہ برکات ، ۱۳۰۳ھ میں لکھنو میں موجود تھے ، بعد میں ایک مرتبہ حیدر آباد آئے ، اس وقت ۶۵ برس کا سن تھا (یادگار ضیغم قلمی) دیوان ”نغمہ ہزار“ مطبوعہ لکھنو ۲۹ ، ۱۳۳۰ھ
- ولی (ولی اورنگ آبادی) نام اور وطن میں اختلاف ہے ، ۴ شعبان ۱۱۱۹ھ کو وفات پائی تفصیل کے لیے دیکھیں ولی گجراتی (ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی) اور ولی ، فن اور شخصیت (ڈاکٹر ساحل احمد)
- ولی (علی محمد خان) ۱۳۰۲ھ تک موجود تھے اور عمر تقریباً ۶۰ برس تھی (یادگار ضغیم قلمی)
- ولی (مرزا محمد ولی) ۱۲۱۳ھ میں مرشد آباد میں سکونت پذیر تھے ۔
- وہبی (منشی شیوپرشاد) ولد رائے سو بھا رام وصفی ۔ صاحب دیوان ہیں ۔ اگر اب زندہ ہیں تو ۷۰ برس کا سن ہوگا (یادگار ضغیم قلمی) کلیات ”مرقع اورنگ“ طبع ہو چکا ہے ۔ (بہار سخن)
- ویران (غلام رسول) دیوان ذوق پہلی مرتبہ انہوں نے ہی شائع کیا تھا ۔ وفات ۱۳۰۵ھ میں ہوئی
- ہاتف (حکیم عبدالغنی) ولد سید میر ولایت حسین ۔ پیشہ طبابت ۔ ساکن پٹنہ ضلع مونگیر ۔ ولادت ۱۸۸۱ء

ہ (میر محمد جواد علی خان) عرف میر ہادی ۔ سرسید احمد خان
دادا تھے تیاساً ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔

ہ (ہادی حسن خان) ہادی حسین خان ولد نواب محمد حسین خان
عباس و نادر بریلوی سے مشورہ سخن کیا ۲ شوال ۱۲۹۶ھ کو
ہوا ۔ (یادگار ضیغم قلمی)

(سید محمد ہاشم) ۱۳۰۴ھ میں صفیر سے اصلاح لیتے تھے ۔

(میر ہاشم علی) ضیغم نے تخلص ہاشمی لکھا ہے ، متوطن شاہجہاں
قیام لکھنؤ ۔ ۱۲۱۲ھ میں لکھنؤ میں تھے ۔ نساخ نے بھی تخلص
ی لکھا ہے ۔

ی (قاضی نورالحسن) شاہ فضل الرحمن مراد آبادی کی خدمت میں
رہے ۔ مصنف تصنیفات کثیرہ ہیں (یادگار ضیغم قامی)

ی (محمد نادر حسین خان) خلف شیخ فرخ حسین حرمان نالب و
نواب محمد حسین خان رئیس کالپی (نساخ) صاحب دیوان شاعر
اردوئے معلی)

(ناظم علی خان) ولد خادم علی خان ۔ برادر نواب کاظم علی خان
د داغ ۔ صاحب دیوان مطبوعہ ۔ بانی و ایڈیٹر ماہنامہ زبان اردو
ہان پور ۔ ۲ جون ۱۹۱۴ کو بعمر ۴۴ سال بمبئی میں فوت ہوئے
صحافت اردو جلد چہارم ، امداد صابری)

مرزا اصغر حسین) لکھنوی ولد حکیم مرزا علی نواسہ آغا مرزا
دار شاگرد خواجہ وزیر(نساخ)

ت (حکیم ہدایت اللہ خان) ثناءاللہ فراق کے عم بزرگوار ۔ بنارس
تعریف میں مثنوی لکھی (یادگار ضیغم قلمی) مصحفی نے ۱۲۰۹ھ
عمر ساٹھ سال لکھی ہے ۔ ۱۱۴۰ھ کے قریب پیدا ہوئے ۔ عمدہ
نبہ اور عیار الشعرا میں سن وفات ۱۲۱۹ھ درج ہے ۔

- ہلف (سید کاظم حسین) ایڈیٹر ماہانہ گلدستہ "غنچہ جاوید" بمبئی۔
- ہدہد (عبدالرحمن) مقیم دہلی۔ شعران کا قطعہ زعفران کا خواص رکھتا ہے (نساخ۔ سخن شعرا)
- ہزبر (فریدون قدر) جنرل فریدوں قدر مرزا محمد ہزبر علی بہادر لکھنوی فرزند واجد علی شاہ بادشاہ اودھ۔ مقیم کلکتہ محلہ مٹیا برج۔ ۱۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۶۵ھ میں اپنے والد کے عہد میں عہدہ جرنیلی پر فائز ہوئے۔ اصلاح اپنے والد سے لی (بزمِ سخن) دیوان ہزبر ۱۲۹۷ھ میں کان پور سے شائع ہوا۔
- ہلال (امیر علی خان) صاحب دیوان شاعر ہیں (نساخ) سید امیر علی خان ولد تراب علی خان وطن لکھنؤ وفات ۱۲۷۸ھ (یادگار ضیغم قلمی)
- ہما (سید احمد حسین) عظیم آبادی۔ ۱۲۸۰ھ میں کلکتہ میں آئے تھے۔ راقم کے احباب میں ہیں (نساخ)۔
- ہمت (اخوند زادہ ہمت خان) ۱۲۱۱ھ میں عالم شباب تھا۔ (یادگار ضیغم قلمی)۔
- ہمت (سید ہمت علی) خلف سید رفعت علی مرحوم باشندہ بنارس مقیم کلکتہ شاگرد مولوی عصمت اللہ انسخ (نساخ)۔
- ہمت (منسی بنسی دھر) ولد رائے دیبی دین ابن منو لال زاری۔ کایستھ سکسینہ۔ شاگرد مینڈو لال زار و رام دیال نادم و دولت رام شوق۔ صاحب دیوان و صاحب تلامذہ تھے۔ ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا (بہار سخن)۔
- ہنر (مرزا مظفر علی) ولد مرزا امام علی متوطن لکھنو۔ ۱۳۰۴ھ میں کلکتہ میں تھے۔ پہلے اسیر اور پھر واجد علی شاہ اختر سے اصلاح لی (یادگار ضیغم قلمی) شاگرد میر وزیر علی صبا۔ ان سے کلکتہ کے مشاعرہ میں ملاقات ہوئی تھی (نساخ)۔

ہنر (سید ذاکر حسین) ولد سید فقیر حسین رونق شاگرد آفتاب الدولہ قلق ۔ متعدد تصانیف کے مالک ہیں ۔ ۱۳۰۳ھ میں غازی پور میں تھے (یادگار ضیغم قلمی) ۔

ہنر (کلو خان) فیض اللہ بیگ فدوی کے شاگرد ۔ ۱۲۲۰ھ میں موجود تھے ۔ (یادگار ضیغم قلمی) ۔

ہوس (مرزا محمد تقی خان) پسر نواب مرزا علی خان فیض آبادی ابن موتمن الدولہ محمد اسحاق خان مقیم لکھنو ۔ نواب سالار جنگ لکھنوی کے پوتے ۔ (یادگار ضیغم قلمی) نواب مرزا علی خان سالار جنگ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ بھائی تھے ۔ ہوس نواب آصف الدولہ کے ماموں زاد بھائی تھے (سخن شعرا ۔ نساخ ۔ حاشیہ عطا کاکوی) ولادت ۱۱۸۰ھ وفات ۱۸۳۴ء/ ۱۲۵۰-۵۱ھ ۔ ذخیرہ کیفی اور کتب خانہ آصفیہ میں ان کے قلمی دیوان موجود ہیں (مرتب)

ہوش (نواب نیاز احمد خان) حکیم محمد محسن علی خان جوش ۔ امیر الدین آزاد بریلوی اور بعد میں امیر سے اصلاح لی ۔ ۱۳۰۹ھ میں ۵۲ برس کی عمر میں رحلت کی ۔ کلیات ضخیم ان کے بیٹے کے پاس موجود ہے اس میں سے اختصار کر کے دیوان چھپوا دیا ہے ۔ (یادگار ضیغم ۔ قلمی) ۔ صاحب تذکرہ "یادگار ضیغم" محمد عبداللہ خان ضیغم نے ہوش سے بھی اصلاح لی (مرتب) ۔

ہوش (کالی چرن) امیر مینائی سے بھی اصلاح لی ۔

ہوشیار (منشی کیول رام) ولد سلطان سنگھ ۔ متعدد کتابوں کے مصنف و صاحب تلامذہ تھے ۔ ۱۸۸۵ء تک بقید حیات تھے ۔ مطبع نولکشور سے دیوان چھپ چکا ہے ۔

ہاس (منشی خیرالدین) حکیم خیرالدین ۔ ۱۲۵۰ھ میں تحصیل علم میں مشغول تھے ۔ غدر (۱۲۷۳ھ) تک بقید حیات تھے (یادگار ضیغم قلمی) ۔

- یاس (منشی ذاکر حسین) ولادت تقریباً ۱۲۶۲ھ/۴۶-۱۸۴۵ع - لکھنوی - پہلے ذاکر اور پھر توقیر بھی تخلص رہا ۱۳۱۰ھ میں دو دیوان لکھنو میں طبع ہوئے - انور حسین آرزو لکھنوی (۱۸۷۲ع - ۱۹۵۱ع) ان کے بیٹے تھے -
- یاور (شیخ امداد علی) ولد شیخ ولایت علی باشندہ بریلی - مولد و مسکن لکھنو - ان سے ایک دیوان یادگار ہے (نساخ) -
- یقین (انعام اللہ خان) خلف نواب اظہرالدین خان شاگرد مرزا مظہر - وطن ان کا سرہند مولد دہلی تھا - ۱۱۶۹ھ میں ان کے والد نے قتل کروا دیا - دیوان بہت مروج تھا - چھپ چکا ہے - پچیس سال کی عمر پائی - بقول بعض سن ولادت ۱۱۴۰ھ ہے -
- یکتا (نواب ہادی علی خان) امرائے لکھنو سے تھے - شوق لکھنوی سے مشورہ سخن کرتے تھے - (یادگار ضیغم قلمی) -
- یکتا (خواجہ معین الدین خان) رئیس شمار ہوتے تھے - ۱۸۵۷ع کے ہنگامے میں بینائی سے محروم ہوگئے - وفات ۱۲۸۹ھ/۷۳-۱۸۷۲ع میں ہوئی (تلامذہ غالب - مالک رام) -
- یکر نگ (مصطفیٰ خان) آرزو اور آبرو کے شاگرد - صاحب دیوان شاعر تھے - وفات ۱۱۵۰ھ کے قریب ہوئی - ڈاکٹر مختار الدین احمد نے غلام مصطفیٰ خان نام بتایا ہے اور وفات قبل از ۱۱۶۵ھ لکھی ہے - (حاشیہ گلشن ہند) نبیرہ خان جہاں خان لودھی - شاگرد مرزا جان جاناں مظہر - منصب دار شاہی - (نساخ) -
- یوسف (نواب یوسف حسین خان لکھنوی) نواب سید یوسف علی خان شاگرد اسیر - خاندانی رئیس ہیں - عمر تقریباً ۶۰ برس (یادگار ضیغم قلمی) -

* * *

کتابیات

تعلیقات کی تیاری میں جن کتب سے مدد لی گئی ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں ۔

اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری

اردوے معلیٰ ، حسرت موہانی

امیر مینائی ، ابو محمد سحر

اورینٹل کالج میگزین ، اورینٹل کالج لاہور

بزم سخن ، سید علی حسن خان

بہار سخن ، شیام سندر لال

تاریخ ادب اردو ، رام بابو سکسینہ

تاریخ صحافت ، مولانا امداد صابری

تذکرہ شعرائے جے پور ، احترام الدین شاغل

تذکرہ مشاہیر کاکوری ،

تذکرہ معاصرین ، مالک رام

تلامذہ غالب ، مالک رام

جدید غزل گو ، ڈاکٹر عابد رضا بیدار

جواہر سخن ، محمد مبین چریا کوٹی

حیدرآباد کے شاعر ، خواجہ حمیدالدین شاہد

خوش معرکہ زیبا ، سعادت خان ناصر مرتبہ مشفق خواجہ
دیوان عشق یا تذکرہ اردو ، شرف الدین احمد مسرور (بحوالہ قاضی فضل حق "پنجاب میں اردو" اورئینٹل کالج میگزین لاہور۔ فروری ۱۹۳۲ء)
روز روشن ، مظفر حسین صبا
سخن شعرا ، عبدالغفور خان نساخ
سخنوران دکن ،
طبقات سخن ، غلام محی الدین عشق و مبتلا میرٹھی
طبقات الشعرائے ہند ، کریم الدین
طور کلیم ، سید نورالحسن خان
فرہنگ عامرہ ، عبداللہ خان خویشگی
کلیات شاہ نصیر ، شاہ نصیر ۔ مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی
مسرت افزا ، ابوالحسن امیرالدین احمد امراللہ
نظم طباطبائی ، ڈاکٹر اشرف رفیع
نوح ناروی ، ظفرالاسلام
یادگار ضیغم قلمی ، عبداللہ خان ضیغم ۔ مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو ۔ حیدرآباد دکن ۔ سرورق کے مطابق یہ تذکرہ ۱۳۲۴ھ میں مرتب ہو چکا تھا مگر ۱۳۵۶ھ تک اس میں اضافے ہوتے رہے ۔